اِنتخابِ اُردوئے مُعلّیٰ

یعنی

رسالہ اُردوی معلی علی گڑھ کے جولائی ۳ء سے اپریل ۸ء تک
کے بہترین مضامین نثر و نظم کا انتخاب جنکی نسبت دعوے کے ساتھ
کہا جا سکتا ہے کہ ایسا دلچسپ مجموعہ کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔

پانچ حِصّوں میں

① حِصّہ اوّل ادبی ② حِصّہ دوم سیاسی
③ حِصّہ سوم بیاض ④ حِصّہ چہارم مضامین متفرق
⑤ حِصّہ پنجم غزلیات

مُرتبہ:
فضلُ الحسن حسرت موہانی
بی۔ اے اڈیٹر اُردوئے مُعلّیٰ علیگڑھ

انتخاب اردوے معلی

یعنے

رسالہ اردوی معلی علی گڈہ کے جولائی ۳ سے اپریل ۸ تک کے بہترین مضامین نثر و نظم کا انتخاب جنکی نسبت دعوی کے ساتھ کہا جاسکتا ہی کہ ایسا دلچسپ مجموعہ کسی دوسری جگہ نہیں ملسکتا

پانچ حصوں میں

(۱) حصہ اوّل ادبی

(۲) حصہ دوم سیاسی

(۳) حصہ سوم بیاض

(۴) حصہ چہارم مضامین متفرق

(۵) حصہ پنجم غزلیات

مرتبہ سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔اے اڈیٹر اردوی معلی علیگڈہ

ناشر

مولانا حسرت موہانی میموریل لائبریری

وہال ٹرسٹ

Library

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ..... اردوئے معلیٰ

اشاعت ۱۹۲۰ء

اشاعت دوم ۱۹۹۹ء

طابع ..... ماس پرنٹرز۔ناظم آباد نمبر۳۔ کراچی

کمپوزنگ ..... لیزر پوائنٹ ، کراچی۔ فون6682535

قیمت ..... ۲۵۰/- روپے

ناشر

مولانا حسرت موہانی میموریل لائبریری وہال ٹرسٹ

ST/9-C، بلاک اے، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔ پاکستان۔

ٹیلیفون: 4935247, 6342700, 6638531

انتخاب اردوئے معلّٰی

فہرست مضامین

حصہ اوّل ادبی

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نسیم دہلوی	از حسرت موہانی	۱
۲	اشرف لکھنوی	از حسرت موہانی	۱۳
۳	مصحفی	از حسرت موہانی	۲۱
۴	سحر لکھنوی	از حسرت موہانی	۳۳
۵	قلق لکھنوی	از حسرت موہانی	۴۴
۶	سفر آشوب	از قلق لکھنوی	۴۷
۷	میر حسن دہلوی	از حسرت موہانی	۷۰
۸	کیف لکھنوی	از حسرت موہانی	۸۰

حصہ دوم سیاسی

۱	مسلمانان ہند کا پولیٹکل مستقبل	ایڈیٹر اردوئے معلّٰی	۹۵
۲	ہندو و مسلمان و ہندوستان	از مولوی برکت اللہ	۱۰۰
۳	فریق نرم کی بعض غلط فہمیاں نمبر ۱ نمبر ۲	از حسرت موہانی	۱۱۰
۴	اضطراری فوائد کا شکریہ لازمی نہیں	از حسرت موہانی	۱۲۲
۵	مرحوم مصطفےٰ کامل پاشا	از حسرت موہانی	۱۲۵

حصّہ سوم بیاض

بیاض — از ایڈیٹر اردوئے معلیٰ — ۱۲۷

انتخاب بیاض : مولانا مولوی آل حسن موہانی، مسعود احمد ضمیر مینائی، علامہ عبدالجلیل بلگرامی، حسرت موہانی، مصحفی، فطرت موہانی، سید انور علی انور، سید اکبر حسن موہانی، حکیم مرزا جمشید علی خان، خان بہادر ناصر علی اور ب ن چکبست وغیرہ — ۱۲۹۔۱۴۹

حصّہ چہارم مضامین متفرق

۱	بلبل، ترجمہ	از کیٹس در غنچہ جاوید	۱۵۱
۲	انبیائے ہنود	از ملا عبدالقیوم مرحوم در صحیفہ	۱۵۵
۳	میرے دوستانے والے	از یلدرم بغداد	۱۵۸
۴	مرگ محبوب (افسانہ حرمان	حسین صاحب اورینی	۱۶۰
۵	قومی شاعری	ترجمہ اخبار اللوا	۱۶۴
۶	مصریوں کا قومی گیت (اے وادی نیل)	از اللوا	۱۶۵
۷	مسئلہ مصر اور برٹش کانشنس	ترجمہ بندے ماترم کلکتہ	۱۶۶
۸	ایک مغنیہ سے التجا	از یلدرم بغداد	۱۶۸
۹	چندر بھان برہمن	از حسرت موہانی	۱۷۰
۱۰	بعض اساتذہ شعرائے ہند	از سید علی محمد صاحب شاد	۱۷۶
۱۱	تذکیر و تانیث	تنقید (دبدبہ آصفی)	۱۷۹
۱۲	نواب فصیح الملک داغ مرحوم	از حسرت موہانی	۱۸۵
۱۳	مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم	(نوٹ از ایڈیٹر)	۱۸۷
۱۴	"میں چاہتا ہوں کہ"	از یلدرم (بغداد)	۱۹۰
۱۵	تنقید کتب و رسائل	از ایڈیٹر اردوئے معلیٰ	۱۹۱
۱۶	مکتوبات مشاہیر	از احسن اللہ خان صاحب ثاقب	۱۹۷

حصہ پنجم غزلیات

شاد عظیم آبادی
اثر عظیم آبادی
وفا رام پوری
حسرت موہانی
محشر لکھنوی
عزیز لکھنوی، ۲۰۰۔۲۶۷
ضامن کنتوری
ثاقب اکبر آبادی
حضرت وحشت متوطن کلکتہ
صفی لکھنوی،
موج عظیم آبادی
تسلیم لکھنوی وغیرہ

انتخاب اردوئے معلّٰی

حصہ اوّل ادبی

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	ماخوذ از رسالہ	صفحہ
۱	نسیم دہلوی	از حسرت موہانی	جنوری ۱۹۰۷ء	۱
۲	اشرف لکھنوی	از حسرت موہانی	ستمبر ۱۹۰۴ء	۱۳
۳	مصحفی	از حسرت موہانی	جون ۱۹۰۶ء	۲۱
۴	سحر لکھنوی	از حسرت موہانی	ستمبر ۱۹۰۷ء	۳۳
۵	قلق لکھنوی	از حسرت موہانی	جنوری ۱۹۰۶ء	۴۴
۶	سفر آشوب	از قلق لکھنوی	جنوری ۱۹۰۶ء	۴۷
۷	میر حسن دہلوی	از حسرت موہانی	اپریل ۱۹۰۷ء	۷۰
۸	کیف لکھنوی	از حسرت موہانی	اپریل ۱۹۰۸ء	۸۰

نسیم دہلوی

(از ۱۲۱۴ھ (غالباً) تا ۱۲۸۴ھ)

نام و تخلص

نواب اصغر علی خان خلف نواب آقا علی خاں دہلوی نسیم تخلص، عمائدین دہلی میں سے حکیم مومن خان مومن دہلوی کے سب سے بہتر شاگرد تھے۔ چنانچہ قیام دہلی کے زمانے میں ان کے ہاں جو مشاعرہ ہوتا تھا اس میں مومن خاں بھی برابر شریک ہوا کرتے تھے، اور اس زمانے میں یہ اصغر تخلص کرتے تھے۔

خاندانی حالات

مرزا نسیم اور ان کے برادر بزرگ اکبر علی خان اپنے دو اور بھائیوں احمد حسین خان اور محمد حسین خاں سے ناراض ہو کر لکھنؤ چلے آئے اور پھر باقی حصہ عمر وہیں بسر کیا۔ مرزا اکبر علی خاں اول درجے کے خوشنویس اور نہایت باوضع شخص تھے۔ لکھنؤ کے دستور کے موافق مکان کے اندر غرقی باندھے بیٹھے رہا کرتے تھے لیکن جب کوئی شخص ملنے آتا تھا تو نہایت پر تکلف پوشاک زیب بر کر کے ملاقات کو نکلتے تھے۔ وردانہ اور موتی نام دو لونڈیاں تھیں۔ تنگدستی کی حالت میں بھی ان کو آزاد نہ کیا اور پابندی وضع کے لحاظ سے آخر عمر تک ہر حال میں ایک نوکر کو خدمت میں رکھا جو ان کے باہر نکلنے کے وقت دستور قدیم کے مطابق دست بستہ حاضر رہا کرتا تھا۔ بھائی کی اس تمکنت کا کچھ حصہ نسیم کو بھی ملا تھا اور خودداری کا تو یہ عالم تھا کہ جب ان کے بھائیوں نے کچھ روز کے بعد بہ معذرت تمام ۵۰۰ زاد راہ کے بھیج کر ان کو واپس دہلی بلانا چاہا تو باوجود تنگی معاش انہوں نے وہ روپے واپس

کر دیئے اور بھائیوں کا احسان لینا گوارا نہ کیا۔

اخلاق و عادات

دوات قلم کبھی ان کے پاس نہ رہتا تھا اور اکثر غزلیں موزوں کرنے کے بعد قریب کی ایک مکتب میں ردی کاغذ پر طالب علموں کے موٹے قلموں سے لکھ کر بے احتیاطی کے ساتھ ڈال دیتے تھے اس صورت میں دیوان کے فراہم ہونے کی کیا شکل ہو سکتی تھی۔ موجودہ دیوان کا جو ان کے بعد چھپا گیا' قصہ اس طرح پر ہے کہ عبدالواحد خاں خلف مصطفیٰ خاں صاحب مالک مطبع مصطفائی ان کے شاگرد اور قدر دان شاگرد تھے انہوں نے استاد کی لاپروائی کو دیکھ کر بطور خود جو کچھ رطب و یابس کلام مل سکا جمع کرنا شروع کیا اور چند روز کے بعد ایک بیاض کی صورت میں مرزا صاحب کے سامنے پیش کیا۔ حضرت نے اسے زیادہ تر اپنے معمولی اور کمزور کلام کا مجموعہ پا کر "سب غلط" کے ریمارک کے ساتھ مسترد کر دیا۔ لیکن ان کے بعد دلدادگان سخن نے اسی کو غنیمت سمجھا اور وہ نامنظور کلام بھی مطبوع اہل بینش قرار پایا اور اپنے رنگ میں سب سے نرالا ٹھہرا۔

آزادہ روی و خوش طبعی

مرزا ایک آزاد مزاج اور رند مشرب شخص تھے لیکن باوجود رندانہ مزاجی بزرگوں سے عموماً اور اپنے بڑے بھائی سے خصوصاً ان کا برتاؤ نہایت مودبانہ ہوتا تھا وہ اپنے شاگردوں کی خاطر بھی حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ احیاناً" اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو روز اس کی مزاج پرسی کو جایا کرتے تھے۔

تلاوت قرآن روز ہوتی تھی لیکن صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتے تھے آخر زمانہ میں صوم و صلوۃ کے بہت پابند ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی نماز کا وقت تنگ ہو جاتا تھا اور یہ اپنے رومال پر نماز پڑھنے کھڑے ہو جایا کرتے۔ رومال ناکافی ہوتا تھا تو فرمایا کرتے تھے کہ خدا جانتا ہے کہ نسیم کے پاس یہی ایک رومال ہے۔

فیاضی و نرم دلی

نسیم کی رحم دلی اور فیاضی کی کیفیت بھی سننے کے قابل ہے۔ مرزا صاحب اکثر ملاقات احباب کے لئے منشی امیر اللہ تسلیم کو ہمراہ لے کر چوک سے نکلا کرتے تھے لیکن اتفاق سے دو ایک بار ایسا ہوا کہ خلاف معمول شاہراہ کو چھوڑ کر پیچ در پیچ گلیوں کا راستہ اختیار کیا گیا اور استاد تسلیم نے جب اس کا سبب دریافت کیا تو بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ میری جیب کئی روز سے خالی ہے پھر تم ہی کہو کہ میں بازار سے ہو کر کس طرح نکلتا۔ اور راہ میں اگر کوئی غریب مجھ سے سوال کر بیٹھتا تو میں اس کو کیا جواب دیتا۔

لطیفہ

نسیم کے صاحبزادے حسین بیگ عرف مرزا حسنا کی طبیعت شوق علم سے بالکل بیگانہ واقع ہوئی تھی۔ لوگ ان کی تعلیم کے متعلق اصرار کرتے تھے لیکن مرزا ان کی بدشوقی کے لحاظ سے زیادہ تنبیہہ نہ کرتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن باوجود کم علمی مرزا حسنا شعر موزوں کہنے سے عاری تھے۔ ایک روز ایک صاحب نے مرزا نسیم سے ان کی موزونی طبع کی تعریف کی اور ساتھ ہی اظہار تعجب بھی کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ حسین بیگ تو آخر میرا بیٹا ہے میں جب پیشاب کرتا ہوں تو اس کی دھار بھی موزوں گرتی ہے۔

بیاض مومن خاں

مومن مرحوم نے ایک بیاض میں کتاب عروض مصنفہ عرفی کے اقتباس کے علاوہ اپنے انداز شاعری کے خاص خاص نکتے درج کئے تھے اور اس بیاض کو ہمیشہ اپنے سرہانے احتیاط سے تکیے کے نیچے رکھا کرتے تھے۔ مرزا نسیم نے چوری سے اس کی نقل حاصل کر لی تھی اور بعد ازاں عذر خواہ ہو کر اس بیاض کا خاص طور پر درس بھی لیا تھا۔ استادی منشی امیر اللہ تسلیم فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا اس بیاض کے دیکھنے کی اجازت طلب کی لیکن میری درخواست منظور نہ ہوئی۔ ہر بار حضرت نسیم یہی فرماتے تھے کہ "پہلے لیاقت پیدا کرو پھر یہ تمہارے ہی لئے ہے"۔ افسوس کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد پھر اس نایاب بیاض کا

کچھ حال نہ معلوم ہوا۔

نسیم کا کمال سخن اور ان کے شاگرد

مرزا نسیم کے کمال شاعری اور استادی کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو گا کہ دہلوی ہونے اور اپنے خاص رنگ پر قائم رہنے کے باوجود لکھنؤ میں اور اس لکھنؤ میں جہاں ناسخ و آتش کے دعویٰ استادی کے سامنے خود وہیں کے دیگر اساتذہ نے سپر ڈال دی تھی، اس یگانہ عہد نے اپنے شاگردوں اور مداحوں کا ایک معقول گروہ پیدا کر لیا جن میں سے عبداللہ خاں، مہر اشرف علی اشرف اور منشی امیر اللہ تسلیم کا نام دنیائے شاعری میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

وسعت نظر کی کیفیت

ایک بار کا ذکر ہے کہ مقبول الدولہ کے ہاں قلق اور بیخود وغیرہ مشہور شعرائے عہد کی محفل میں مرزا صاحب کا بھی گزر ہوا حسب معمول حضرت تسلیم بھی آپ کے ہمراہ تھے اثنائی گفتگو میں یہ بحث پیش ہوئی کہ اردو زبان میں شناخت تذکیر و تانیث کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں۔ سب کو اس رائے سے اتفاق تھا۔ لیکن مرزا صاحب نے کہا کہ آپ لوگ یہ کیا فرماتے ہیں۔ بعض مستثنیات سے قطع نظر کر کے باقی تمام الفاظ کے متعلق کلیے موجود ہیں جن سے (حضرت تسلیم کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ) شاید یہ بھی بخوبی واقف ہے۔ استاد تسلیم کا بیان ہے کہ خیر اس وقت تو یہ بات رفت و گذشت ہو گئی لیکن واپسی کے وقت میں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیا غضب کیا تھا۔ اگر کوئی صاحب مجھ سے کچھ پوچھ بیٹھتے تو میں کیا جواب دیتا۔ استاد نے میری ناواقفیت پر تعجب کیا اور پھر وہاں سے مکان تک پہنچتے پہنچتے ۱۲ کلیہ قاعدے ایسے بیان کئے جن سے تقریباً ہر لفظ کی تذکیر و تانیث باسانی دریافت ہو سکتی تھی۔

مشق و پر گوئی

فطری بے پروائی کی بنا پر مرزا صاحب کی اکثر غزلیں مختصر ہوا کرتی تھیں ایک روز

عبداللہ خاں مہر نے کہ استاد کی خدمت میں کسی قدر گستاخ تھے' ازراہ شوخی "جبین آیا" "یقین آیا" کے ردیف قافیے میں اپنا ۳۳ شعر کا ایک سہ غزلہ پیش کیا اور بطرز شائستہ استاد کی کم گوئی پر اعتراض کیا۔ مرزا ان کی گفتگو سن کر مسکرائے اور دوسرے وقت اسی زمین ستر اشعار کا ایک پنج غزلہ سنایا۔ جس میں سے ۴۰ شعروں کی دو غزلیں مطبوعہ دیوان میں بھی موجود ہیں غزل آخر کے مقطع (نسیم ایسی غزل لکھی کرامت جس سے پیدا ہے۔ ہوئے شرمندہ حاسد منکروں کو اب یقین آیا) میں مہر کی شرارت شاگردانہ کے جواب میں ان کو "منکر" کہہ کر شرمندہ کیا ہے۔

پر گوئی کی دوسری مثال

لکھنؤ کے عہد آخر میں قدر دانی اہل کمال کے باب میں منشی نو لکشور کا نام بھی خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مرزا صاحب نے بھی منشی صاحب ہی کی خواہش سے الف لیلہ کو نظم کرنا شروع کیا تھا لیکن ابھی پہلا ہی دفتر ختم ہوا تھا کہ منشی صاحب کی جانب سے کتاب کو جلد ختم کرنے کا اصرار ہوا۔ مرزا صاحب کو یہ امر ناگوار ہوا اور انہوں نے اس شعر پر دفتر اول کو ختم کر کے چھوڑ دیا۔

لکھا یہاں تک نسیم دہلوی نے　　لکھا آگے سے طوطا رام جی نے

اسی زمانے میں منشی صاحب نے ایک گلدستہ نکالنا شروع کیا تھا۔ جس میں ماہوار مشاعرے کی غزلیں شائع ہوا کرتی تھیں ایک ماہ میں اتفاق سے مشاعرہ نہ ہوا اور غزلیں مہیا نہ ہو سکیں جب اشاعت گلدستہ کا وقت آیا تو مرزا صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے کہا کہ شام کو سب غزلیں مرتب ہو جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور شام کو طرح گلدستہ "پیکان کیا کیا" "مہمان کیا کیا" کی ردیف قافیے میں مرزا صاحب نے اپنے تمام شاگردوں کے نام سے غزلیں کہہ کر گلدستہ پورا کر دیا۔

مرزا غالب کی سند

کسی گلدستے میں نسیم کی ایک غزل دیکھ کر مرزا غالب نے منشی نو لکشور سے ان کا حال دریافت کیا اور ان کی چند دیگر غزلوں کا شوق ظاہر کیا۔ منشی صاحب نے ان سے بدقت تمام

سب حال پوچھ کر لکھا اور غزلیں بھی بھیجیں۔ غالب نے جواب میں اپنی کمال پسندیدگی کا اظہار کیا اور ان کا دہلوی ہونا معلوم کر کے لکھا کہ "کہربا جستم و عقیق یافتم"

پیروی عوام سے اجتناب

غالب کے ذکر کے ساتھ مرزا نسیم کے مزاج کی ایک اور خصوصیت بھی قابل فکر ہے وہ یہ کہ جس طرح مرزا غالب کو شرکت عوام سے حد درجہ انکار تھا۔ اسی طرح نسیم کو بھی اپنی روش خاص کا اس قدر لحاظ تھا کہ بعض امور میں ان کا طرز عمل لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہو گا مثلاً معاملہ مذہب میں کہ نسیم ابتدا میں شیعہ تھے لیکن لکھنؤ میں آکر جب اس مذہب کو مجموعہ بدعات عوام پایا تو مذہب اہل سنت اختیار کیا اور پھر اس پر آخر وقت تک قائم رہے اور شاعری میں بھی رعایات لفظی کی وبائے عام سے بالکل متاثر نہ ہوئے اور نہ صرف اپنے کلام کو اس عیب سے حیرت انگیز طور پر پاک رکھا بلکہ بہت سے باشندگان لکھنؤ کے مذاق کو تبدیل کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔

یہاں تک نسیم کا مختصر حال بیان کرنے کے بعد اب ہم ان کی شاعری کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

مرزا نسیم کی شاعری

دلفریبی خیال اور رنگینی بیان شاعری کے دو خاص جوہر نسیم کو مومن خاں سے بحیثیت میراث استاد حاصل ہوئے جن کو انہوں نے باضافہ تجدید زبان خوب سے خوب تر بنا کر دنیائے شاعری میں اس آن بان کے ساتھ پیش کیا کہ لکھنؤ کے لفظ پرستوں نے بھی داد دی اور اظہار پسندیدگی سے باز نہ رہ سکے۔ لکھنؤ کی زبان اور دہلی کے بیان کی پسندیدہ اور معتدل ترکیب کا جلوہ جیسا مرزا نسیم کی شاعری میں نظر آتا ہے اس کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتی اور یہیں سے ہی کہ ہم نسیم کی منتخب غزلوں کو اردو شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

حجاب ابر مانع ہے گذر کیونکر ہو گلشن تک
وہ شبنم ہوں پہنچ سکتا نہیں پھولوں کے دامن تک

خطا میری نہیں صیاد میری آرزو لے جا
کہ مجھ کو کھینچ لائی تھی یہی دیوار گلشن تک
نگاہ قہر سے کیوں گھورتا ہے دم بہ دم ظالم
قسم لے لے جو میرا ہاتھ بھی پہنچا ہو دامن تک
بہار فصل گل آئی ہے میں کنج قفس میں ہوں
مبارکباد مجھ کو ڈھونڈھ جاتی ہے نشیمن تک
خوشا قسمت قفس میں ہم قفس پر سینکڑوں پردے
نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن تک
برستا ہے جو ابر تر تمنائیں ٹپکتی ہیں
ڈبو دے آب مے میں آج ساقی مجھ کو گردن تک

اس غزل کی خوشگوار مستی نتیجہ ہے سادگی الفاظ، تازگی خیال اور رنگینی ترکیب کا اور یہی چیزیں نسیم کی شاعری کی جان ہیں جس کی نیرنگی اور دلپذیری اس وقت کچھ اور بھی بڑھ جایا کرتی ہے جبکہ وہ تراکیب فارسی میں رنگینی کے ساتھ جدت کی شان کو بھی نمودار کر کے اپنے کلام کو بے مثالی کے عجیب وغریب عالم میں پہنچا دیتے ہیں۔ اشعار ذیل میں نشان زدہ ترکیبیں ملاحظہ ہوں۔

دیکھ او قاتل بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم
چارہ گر سے درد نالاں درد سے دل دل سے ہم
ہائے کیا بیجود کیا ہے غفلت امید نے
حال دل کہتے ہیں اپنا پھر اسی قاتل سے ہم
سینہ و دل میں ہجوم داغ حسرت ہے نسیم
پھول چن لیتے ہیں اپنے گلشن حاصل سے ہم
ساغر پلا کے بے خبر دو جہان بنا
او پیری فروش ہمیں بھی جوان بنا
اللہ رے درازی آغاز مدعا
نکلا جو حرف منہ سے مرے داستان بنا

لیل و نہار گیسو و رخسار یار میں
جی چاہتا ہے بیٹھ رہیں اک جہان بنا
عشاق جاں فروش کے دیکھو تو حوصلے
مقتل تمام معرکہ امتحان بنا

یہاں تک طول لیا ہے بنفس کل ہجر کی شب میں
دعائیں مانگ کر سو سو رہی آغوش مطلب میں
ہمیں حضرت سلامت کہہ کے صلواتیں سناتی ہیں
غضب کی شوخیاں ہیں ان کی دشنام مودب میں
مرے آنسو کے قطرے میں جسے شبنم سمجھتے ہو
ٹپکتا ہے زلال اشک چن کو دامن شب میں
یہاں تک راہ دیکھی زلف شب پر نور پیری ہے
کہیں آؤ کہ جھک آئی ہیں نیندیں چشم کوکب میں
لئے انکار ساقی نے ہزاروں خون گردن پر
نگاہیں ڈوب کر رہ رہ گئیں جام لبالب میں
بہا ہے نور کا دریا ترے چاہ زنخدان سے
بلندی حسن نے پائی نشیب سطح غبغب میں

چوتھے شعر میں نیند کا استعمال بصورت جمع کیفیت سے خالی نہیں اور یہ انداز مومن کے خاندان شاعری کے ساتھ مخصوص ہے مرزا نسیم کے کلام میں اس کی مثالیں اور بھی جابجا موجود ہیں مثلاً فرماتے ہیں

نسیم غفلت کی چل رہی ہے امنڈ رہی ہیں قضا کی نیندیں
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہیں

○○

کس کو غرض رہے جو اسیر بلا کے ساتھ
بے کس وہ ہوں اثر بھی نہیں ہے دعا کے ساتھ

جب لے چلے اٹھا کے جنازے کو اقربا
محرومیاں ہوئیں مری آنسو بہا کے ساتھ

○○

بہار آئی کھلے ہیں غنچے زمردیں ہے چمن کا سامان
وظیفہ گل ہے اندلوں میں ترانہ عندلیب نالاں
فسانۂ غم نے بعد مدت اثر دکھایا ہے غفلتوں کا
ہوئی ہیں مصروف چارہ سازی دل طپاں خاطر پریشان
سبو و ساغر چھلک رہی ہیں بہک رہی ہے زبان دہن میں
سرور مے سے ہے لغزش پا بڑے ہیں افتادگی کے احسان

یہ تین شعر ایک قصیدے سے لئے گئے ہیں جن کو دیکھ کر ارباب بینش معلوم کر سکتے ہیں کہ مرزا نسیم نے اپنے رنگ سخن کو کسی حالت میں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے لیکن اختلاف مذاق کے کرشمے بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ جن باتوں پر دلدادگان نسیم مٹے ہوئے ہیں انہیں کو بعض خشک مزاج پیروان ناسخ و اسیر عیوب سمجھ کر قابل ترک قرار دیتے ہیں۔ مثلاً نسیم کے چند شعر ہیں

نہیں لگتی پلک اڑے ہوئے حسن کے جلوے
نگاہوں میں چمکتا ہے تصور روئے جاناں کا

○○

گر جانتے جگائے گی برخیز حشر کی
احسان نہ لیتے راحت خواب مزار کا

○○

لو فراغت ہو گئی کیسا سبک جان ہو گیا
چاک دامن ہو گیا ٹکڑے گریبان ہو گیا

○○

اڑے اوراق گل باد خزاں سے
ہوئی برہم کتاب گلستاں آج

نہ کیونکر شور ہو عالم میں میری فکر خاطر کا
دلوں کو کھینچ لیتا ہوں تمہارا رنگ رو ہو کر

○○

کاٹ لیں ہم آپ سر اپنا توقف کیا ضرور
ہے بعید از شرط الفت رنجش بازوی دوست
ہم گریہ گل رنگ سے یاد گل تر میں
صیاد بنا لیں گے قفس میں چمن اپنا

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی نے تذکرہ جلوہ خضر میں لکھا ہے کہ اہل لکھنؤ کی زبان کے مطابق شعر اول میں "حسن کے جلوے" کی جگہ "ہجوم جلوہ" شعر دوم میں "برخیز" کی جگہ "غوغا" شعر سوم میں "سبک جان" کی جگہ "سبک بار" شعر چہارم میں "برہم" کی جگہ "ابتر" شعر پنجم میں "فکر خاطر" کی جگہ "فکر طبع" شعر ششم میں "رنجش بازو" کی جگہ "رنج بازو" اور شعر ہفتم میں "گریہ گلرنگ" کی جگہ "اشک گلرنگ" لکھنا چاہئے۔ اگر اہل لکھنؤ صفیر کی رائے سے واقعی اتفاق کرتے ہیں تو ہم کو اس گستاخ دعویٰ کے اظہار میں مطلق تامل نہیں ہے کہ وہ مذاق سلیم سے یک قلم بیگانہ ہیں اصل یہ ہے کہ ہر زبان میں قریب قریب ایک ہی معنے کے متعدد الفاظ موجود ہوتے ہیں جن میں سے بعض خصوصیت کے ساتھ نظم میں مستعمل ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں اور اس امر کی دریافت کہ ان ہم معنی الفاظ میں سے شعر کے لئے سب سے زیادہ موزوں کون لفظ ہے' اعلیٰ درجے کے مذاق شاعری اور وسعت نگاہ کی محتاج ہوا کرتی ہے چنانچہ ہمارے نزدیک سخن ور کے رتبہ شاعری کے معلوم کرنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے کلام کی پختگی اور الفاظ کے انتخاب پر ایک غائر نظر ڈالی جائے مثلاً خوشی بہجت' انبساط' مسرت' خرمی' شادمانی میں سے شاعر صحیح المذاق نظم میں مسرت و خرمی و شادمانی کو یقیناً باقی تین لفظوں پر ترجیح دے گا لیکن بدمذاق خرمی کو لفظ غیر مانوس قرار دے کر اس کی جگہ خوشی کا استعمال بہتر سمجھے گا یا مثلاً مذکورہ بالا اشعار میں صفیر بلگرامی سبک جان کی لطیف اور نئی ترکیب سے سبک بار کی پامال ترکیب کو بہتر بناتے ہیں اور برخیز و برہم و خاطر وغیرہ شاعرانہ الفاظ کے مقابلے میں غوغا و ابتر و طبع کے بھدے الفاظ کو ترجیح دیتے ہیں اور آخر میں سب سے بڑھ کر غضب یہ

ڈھاتے ہیں کہ "گریہ گلرنگ" کی خوشگوار اور رنگین ترکیب کی جگہ اشک گلرنگ کی عامیانہ ترکیب کے استعمال کی سفارش کر کے اپنی مذاقی کی داد چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس گناہ کو معاف کرے۔

خاتمہ

اب ہم نسیم کی بعض غزلوں کا انتخاب درج کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

دید کے قابل نہیں ہے محفل رندانہ آج
دختر رز کو لئے ہے گود میں پیمانہ آج
بے خبر ہے انجمن بے ہوش ہو جانا نہ آج
خوب چکر دے رہی ہے گردش پیمانہ آج
کیا ادب ہے محفل رندان ساغر نوش کا
کرتی ہے موج حیا بھی لغزش مستانہ آج
محتسب نے آ کے محفل کو نمازی کر دیا
جھک گئے خم گر پڑا سجدے میں ہر پیمانہ آج
چھپ گئے پردے میں خم آتے ہی مجھ سے نوش کے
چین گیسو ہو کے سمٹا دامن میخانہ آج
ہے ہجوم کیف مستی لڑکھڑاتے ہیں قدم
لے چلے دیکھیں کدھر کو لغزش مستانہ آج
شمع بالیں کی تمنا ہے نہ پروائے چراغ
بے کسی دکھلا رہی ہے ہمت مردانہ آج
جوش مستی پاؤں کس کس کے نہ ڈالے گا نسیم
گردشیں کیا کیا نہ دے گی گردش پیمانہ آج

○○

میں وہ ایذا دوست ہوں راحت سے مجھ کو غم ہوا
زخم کو ناخن سے چھیڑا درد دل جب کم ہوا

شب گھٹی ہر پردہ دار عشق محو غم ہوا
رک گئیں آہیں مزاج آرزو برہم ہوا

○○

مبدل بے سبب کب ہے احبا رنگ رو میرا
کسی کی جستجو میں ہے دل پر آرزو میرا
پریشانی کے پہلو میں دل افگاری کی شکلیں ہیں
خبر کچھ اور دیتا ہے یہ لطف گفتگو میرا
نہیں ممکن ہو کچھ ممکن نہ ہو مر جانے والوں کو
لب خنجر کا فاقہ توڑ دیتا ہے لہو میرا
انہیں رسوا کرے گا مجھ کو نادم غیر کو دشمن
غضب کیا کیا نہ لائے گا یہ جوش آرزو میرا
نہ چھوٹے گا چھڑائے سے ہزاروں صورتیں بدلے
بہار دامن جلاد دیکھے گا لہو میرا

○○

عروش فکر رنگین کو خیال آیا جو تزئین کا
شگاف خامہ شانہ بن گیا زلف مضامین کا
بلا ٹلتی ہے بخشش سے بہا اے چشم تر آنسو
ملے کچھ دامن خالی کو صدقہ روح غمگین کا
بہار آئی جھکائے سر گلوں نے کیف مستی سے
پڑا ہے گردن ہر شاخ تر میں ہاتھ گلچین کا
بشکل مرغ بسمل اور بڑھ جاتی ہے بے تابی
دل مضطر کو طعنہ ہو گیا ہے نام تسکین کا
وہ سرعت دی دعا کو مطلب بیتاب نے میرے
کہ برسوں قافلہ ڈھونڈا کیا فریاد آمین کا
نسیم اب قدردانی اشتیاق سامعین پر ہے
دکھایا لطف ہم نے ہر طرح سے طبع رنگین کا

اشرف

جواب تک بھی نہیں مہرباں منہ میں
یہ خامشی ہے کہ گویا نہیں زبان منہ میں
حلاوتیں سخن رفتگاں نے دیں مجھ کو
شکر فروش ہوئی گرد کارواں منہ میں
نہ نکلی حسرت دل طول عرض مطلب سے
تمام رات رہا دامن بیان منہ میں
رہے لحاظ کہ میں بھی زبان رکھتا ہوں
کہے نہ جایئے جو آیئے مہربان منہ میں
ادب سے شکوہ قاتل زباں پہ لا نہ سکے
لبوں پہ زمزمہ شکر، الاماں منہ میں
پس فنا ہوئی حاصل سعادت ابدی
لئے ہے آج سگ یار استخواں منہ میں
رہا نہ صدمہ فرقت سے بات کے قابل
عوض کلام کے ہے نالہ و فغاں منہ میں
کچھ ایسی آپ کو بھائی ہے لذت انکار
نہیں کی جا کبھی آتا نہیں ہے ہاں منہ میں
وہ آب دار کہے شعر تو نے اے اشرف
بھریں گہر تو عجب کیا ہے قدر داں منہ میں

شیخ اشرف علی نام، اشرف تخلص، مرزا نسیم مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے جیسا

کہ مرقومہ بالا غزل پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی اہل نظر کی دریافت میں آ سکتا ہے۔

خصوصاً گرد کارواں کی شکر فروشی، سخن رفتگان، دامن بیان، زمزمہ شکر، لذت انکار کی تازہ اور توانا ترکیبیں، حلاوتیں بصورت جمع۔ یہ لطافتیں نسیم کے خاندان کا حصہ ہیں۔

توابع لکھنؤ سے مصطفیٰ آباد عرف کمندی ایک چھوٹا سا مقام ہے ایسا کہ قصبے کا بھی اطلاق اس پر بہ مشکل ہو سکتا ہے۔ تاہم قرب لکھنؤ کی وجہ سے گمنام نہیں ہے۔ اشرف کے والد شیخ مظہر علی یہیں کے باشندے تھے۔ لیکن بہ استثنائی عہد طفلی، اشرف کا زیادہ حصہ عمر لکھنؤ میں بسر ہوا اور وہیں ۱۹۰۲ء میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وہ انا الیہ راجعون۔

دائرہ علم ان کا وسیع نہ تھا لیکن اردو شاعری کی ضرورتوں کے لئے غالباً کافی تھا، اول درجے کے خوشنویس تھے، چنانچہ اسی بنا پر ۴۰ برس تک آپ کو منشی نو لکشور کے مطبع سے تعلق رہا۔ ملازمت کی یہ مدت دراز آپ کی اور منشی نو لکشور دونوں کے پاس وضع پر دلالت کرتی ہے اس موقع پر منشی نو لکشور کی قدر دانی اہل کمال کا ذکر نہ کرنا ایک ظلم صریح ہو گا یعنی اس لئے کہ سلطنت اودھ کے آخر وقت میں اور اس کے بعد بھی مروت اور شرافت کا جیسا برتاؤ خصوصاً بعض شعرائے وقت کے ساتھ آپ سے ظاہر ہوا اس کی بہت کم مثالیں ملیں گی۔ مالی اعانت کرنا اور پھر اس طور پر کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو یہاں تک کہ جس کی مدد کی جائے اسے بھی اظہار احسان مندی کی ضرورت نہ محسوس ہو، آسان کام نہیں ہے لیکن منشی نو لکشور نے ایسا ہی کیا۔ خیر اس کی تفصیل کا اس وقت موقع نہیں ہے۔ اب اشرف کی وضع داری کی کیفیت سنئے کہ لباس و خوراک، طریق ماند و بود، محبت، ملاقات، برتاؤ غرضیکہ جملہ امور میں ان کا جو رنگ جوانی میں تھا وہی عہد پیری میں اور وہی مرتے دم تک رہا۔ جس سے ملاقات تھی اس سے ہمیشہ وہی ارتباط لطف قائم رہا۔ جس کام کے لئے جو وقت مقرر تھا وہ ہمیشہ اسی کام کے لئے مخصوص رہا۔ استاد تسلیم کہ مرحوم کے آشنایان قدیم میں سے ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ۶۰ برس تک اشرف اور جب حضرت تسلیم بھی لکھنؤ میں موجود ہوتے تھے تو اشرف و تسلیم دونوں ایک وقت مقررہ پر چوک سے گذرتے تھے اور کسی صاحب کی دکان پر، جن کا نام یاد نہیں رہا، بلاناغہ کچھ دیر ضرور قیام ہوتا تھا سنا ہے کہ مرحوم کے اس معمول میں مرتے دم تک فرق نہ آیا۔ نئی تہذیب اس پابندی وضع کو

سادہ لوحی پر محمول کرے گی اور ممکن ہے کہ بعض حق ناشناس اس کا مضحکہ بھی اڑائیں لیکن راقم الحروف کے نزدیک استواری طینت' پابندی اصول' خلوص نیت' سادگی طبیعت' بے شری مزاج کا جیسا ثبوت اس انداز زندگی سے ملتا ہے اس کا ایک شمہ بھی آج کل کی ظاہری مروت' دورنگی طبیعت' پیچیدگی اغراض' خود غرضی محبت میں نظر نہیں آتا۔

اس زمانے میں لکھنؤ کے رنگ صحبت کا خیال فرمایئے اور پھر اشرف کے تمام عمر شادی نہ کرنے اور بہ نیک نامی بے داغ زندگی بسر کرنے پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس نامناسب طریق معاشرت میں بھی کس استواری اتقا' پختگی ارادہ اور مضبوطی طبیعت کا جلوہ نظر آتا ہے غرضیکہ اشرف بحیثیت انسان وضع قدیم کی آخری یادگاروں میں سے ایک ممتاز یادگار تھے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ بحیثیت شاعری بھی وہ لکھنؤ کی جدید طرز تکلف کی بہ نسبت دہلی کے قدیم سادہ انداز سے زیادہ گرویدہ معلوم ہوتے ہیں۔ سنئے۔

جینا غم فراق نے دشوار کر دیا
پرہیز نے حضور کے بیمار کر دیا
جوش کرم سے بڑھ گئی امید مغفرت
رحمت نے تیری مجھ کو گنہگار کر دیا
کوئی گھڑی نہیں مرے پہلو میں دل کو چین
ضبط غم فراق نے بے کار کر دیا
جنبش محال کاہش پیہم سے ہو گئی
بستر کو ہم نے وقف تن زار کر دیا
اشرف مرے کلام کی رنگینیوں نے آج
دامن سخن کا دامن گلزار کر دیا

"جوش کرم" اور "کاہش پیہم" خاص خاندان مومن کی ترکیبیں ہیں اور یہ وہی خصوصیت ہے جس کا ذکر شگفتہ کے بیان میں کیا گیا تھا کہ مومن کے سلسلہ شاعری سے جن کو تعلق ہے وہ اپنے خاندانی طرز سخن کی پیروی کو اپنے لئے موجب افتخار سمجھتے ہیں اور اس کا علانیہ اظہار کرتے ہیں دیکھئے اشرف لکھتا ہے۔

ہم نہیں وہ، فرق ہو کیونکر نہ ہر دستور میں
خود غلط ہیں اشتیاق دلبر مغرور میں
بعد مردن بھی نہ تاثیر سیہ بختی گئی
تیرگی ہے کس قیامت کی سواد گور میں
دل کھنچا جاتا ہے از خود، دیکھ لطف ماہتاب
ہے کوئی خلوت نشیں شاید حجاب نور میں
دامن شب کو جلایا بلبے آہ آتشیں
آ گیا جوش حرارت صبح کے کافور میں
وقت فکر شعر رکھ اشرف ذرا اس کا خیال
آ نہ جائے فرق طرز مومن مغفور میں

"سواد گور" اور "حجاب نور" خاص ترکیبیں ہیں اور نور کے ساتھ گور کے قافیے کا جائز رکھنا یہ بھی قدیم روش کی ایک مثال ہے۔

مرزا نسیم مرحوم جس زمانے میں کہ دہلی سے لکھنؤ تشریف لائے ہیں۔ وہاں آتش و ناسخ کا آخری اور ان کے شاگردوں کا ابتدائی دور تھا اور بہ اقتضائے وقت ہر شخص رعایات لفظی کا شیدا تھا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جمہور شعرائے لکھنؤ کے خلاف جو لوگ طرز دہلی کو پسند کر کے نسیم کی شاگردی اختیار کرتے تھے ان کا مذاق کس قدر صحیح ہوتا ہو گا۔ اُس شاگردی کی بنا چونکہ خلوص پر ہوتی تھی اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا نسیم کے ساتھ ان کے تلامذہ کی گرویدگی بلا مبالغہ عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ مثلاً اشرف اکثر غزلوں کے مقطعوں میں اپنی اس ارادت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے ؎

کیوں نہ ہوں اشرف ہوا خواہ نسیم دہلوی
ایک ہی شاعر نظر آیا ہمیں سودا کے بعد

دوسری جگہ غزل لکھی ہے ؎

کیا چاہئے ہے عاشق ناشاد کے لئے
پیدا ہوا ہے نالہ و فریاد کے لئے

عالم میں ہر جگہ ہیں مرے دم سے چہچہے
ہوں عندلیب گلشن ایجاد کے لئے

برگشتہ بخت وہ ہوں نہ پاؤں رہ مراد
گر آئیں خضر بھی مری امداد کے لئے

قاتل اٹھائیں خوب دم ذبح لذتیں
بوسے گلو نے خنجر فولاد کے لئے

مضمون نیا، زمین نئی طرز بھی نیا
اشرف یہ ہے نسیم سے استاد لے لئے

اشرف کے دو دیوان مکمل و مرتب مدت سے موجود تھے لیکن اپنے خلقی انکسار کی بنا پر انہوں نے کبھی ان کی اشاعت کی اجازت نہ دی۔ اب انتقال کے بعد بھی اگر کچھ دنوں ان کی اشاعت ملتوی رہی تو ان کے تلف ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ان میں سے بعض غزلیں اس موقع پر درج کی جاتی ہیں ۔

یہ حال ضعف ہجر بت ماہرو میں تھا
سو من کا طوق طوق گریبان گلو میں تھا

سرگوشیاں رقیب کی تاثیر کر گئیں
پہلو کچھ اور آج تری گفتگو میں تھا

ہاتھ اس کے ٹوٹیں توڑے ہیں جس نے ظروف مے
سرمایہ میری زیست کا دست سبو میں تھا

سنتے ہی میرا حال اُنہیں رحم آ گیا
حرف فسوں کوئی سخن آرزو میں تھا

او بے وفا نہ حال شب انتظار پوچھ
مشتاق دید آنکھ تھی، دل جستجو میں تھا

سر شمع کا کٹا تو بڑھی اور روشنی
پنہاں فروغ زیست جفائے عدو میں تھا

اشرف کرو جلائے وطن اختیار اب
جب تک کہ سلطنت تھی مزا لکھنؤ میں تھا

سرگوشیاں بصورت جمع اور "حرف فسوں" "سخن آرزو" "فروغ زیست" کی ترکیبیں۔ خاص مرزا تسیم کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ دوسرے شعر میں مضمون کی لطافت اور تیسرے شعر میں شادابی مضمون کے علاوہ لفظ "سرمایہ" کی خوبی ملاحظہ طلب ہے۔ اسی طرح چھٹے شعر میں "فروغ" کے لفظ سے شعر بہت بلند ہو گیا ہے۔

مقطع اس جوش حسرت کی تصویر ہے جس کا اثر ان سب لوگوں کی تحریر و تقریر میں پایا جاتا ہے جنہوں نے گلشن لکھنؤ کی بہار دیکھی اور پھر اس کی خزاں بھی دیکھی۔

ناسخ کی مشہور غزل پر تقریباً تمام شعرائے لکھنؤ کی غزلیں ہیں۔ چنانچہ اشرف کی غزل بھی ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

ابھی کیوں ذبح کرتے ہو نہیں دن عید قرباں کا
ہوا مد نظر شاید تماشا چشم حیراں کا
اٹھا وحشت میں یہ طوفان اشک چشم گریاں کا
ہوا دریا کی صورت موجزن دامن بیاباں کا
مٹایا اک جہاں کو بلبے مشق ناوک اندازی
گلی میں یار کی تو وہ بنا خاک شہیداں کا
تکلف ظاہری بھاتا نہیں رنگین مزاجوں کو
نہیں کرتے گلہائے چمن بخیہ گریباں کا
فسون بے اثر سے خاک ہو تسکین بلبل کی
قفس پر دم کیا صیاد نے فقرہ گلستاں کا
ہوئی فرقت کی رات آخر فروغ نالہ دل سے
شب غم نے ملا منہ پر سپیدہ صبح احسان کا
چمن میں ہر طرف بوئے محبت مجھ کو آتی ہے
گلوں پر پڑ گیا شاید پسینہ روئے تاباں کا

غزل میں بندش مضمون رنگین چاہئے اشرف
ترا دیوان گلدستہ ہے بزم سخن داں کا

پانچویں شعر کو دیکھئے کس قدر اچھوتا مضمون ہے اور کتنے اچھوتے الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔ چھٹے اور ساتویں شعر کی بھی چستی بندش اور خوبی ترکیب خصوصاً "فسوں بے اثر" اور "سپیدہ صبح احسان" کی ترکیبیں قابل ملاحظہ ہیں۔

اس تذکرہ شعرا کے آغاز میں ہم نے جو ایک نقشہ سلسلہ شاہ حاتم کا دیا تھا اس میں شاگردان نسیم میں باعتبار ترتیب' اشرف کا دوسرا درجہ ہے اور تسلیم کا اول۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ بلحاظ خوبی ترکیب و لطف مضمون و سادگی بیان اشرف تسلیم سے کم نہیں ہے۔ لیکن درستی زبان اور پختگی کلام کے مقابلے میں اشرف کا رتبہ بہت کم ہے۔ یعنی اشرف کے دیوان میں اگر کوئی کمزوری ہے تو یہ کہ ان کا سارا کلام مستند نہیں ہے۔ نیز یہ کہ ان کی ہر غزل سے ان کی پختہ مشقی کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ ان کے دونوں دیوانوں میں اکثر ایسے الفاظ بھی نظر سے گذرتے ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ چنانچہ زیادہ تر اسی وجہ سے ان کے چھوٹے بھائی نے ان کے دیوانوں کی اشاعت کو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا ہے کہ وہ جناب تسلیم کی نظر سے گذر جائیں اور ان مشکوک الفاظ کی درستی عمل میں آ جائے۔ مثلاً ان کی ایک غزل ہے

اے فلک شیوہ نہ بدلے اس ستم ایجاد کا
ہے ہمارے دل میں جب تک حوصلہ فریاد کا
ایک جا ممکن نہیں نازک مزاجی سے قرار
میں ہوں پروردہ کنار تکلت برباد کا
اس حسین سے صحبت آئینہ کیا کیا گرم ہے
آج طوطی بولتا ہے بیضہ فولاد کا
نعش عاشق شامیانے کی نہیں محتاج ہے
میری میت پر ہے سایہ دامن فریاد کا
آسماں سے شکوہ وابستگی بے کار ہے
بڑھ گیا ان سے تعلق خاطر آزاد کا
بندشیں ہیں ست مضمون خبط للیں ہیں ثقیل
نام کیوں بدنام اشرف کرتے ہو استاد کا

یہ غزل اپنی خوبیوں کے اعتبار سے کسی دوسری غزل سے کم نہیں ہے مثلاً دوسرے تیسرے اور پانچویں شعر کی خوبی مضمون ہر طرح سے قابل ستائش ہے لیکن مقطع میں لفظ کی جمع "للیں" مشکوک ہے ـــــ پھر بھی مشکوک ہے نہ غلط۔ کیونکہ اضلاع اودھ میں بشمول لکھنؤ' اکثر لوگوں کی زبان سے یوں بھی سننے میں آتا ہے۔

یا ان کی ایک اور غزل (مندرجہ عنوان مضمون) میں دو شعر ہیں۔

بسان آسیا گردش ہے بخت کو ہر دم
پہنچے دے گا نہ دانا بھی آسماں منہ میں
حدیث وحشت دل سے بہک رہی ہے زبان
بناؤں رشتہ تقریر بیڑیاں منہ میں

یہاں پہلے شعر میں "آسیا" کا الف حد سے زیادہ دب کر نکلتا ہے اور دوسرے شعر میں "رشتہ تقریر" کے بعد "کو" کی اور ضرورت ہے۔

اب اشرف کی غزلوں سے گذر کر دیکھئے تو قصیدے ان کے چند ہیں اور معمولی البتہ تاریخ گوئی کے بادشاہ تھے۔ ان سے جتنی تاریخیں یادگار ہیں' اتنی کسی اور نے مشکل سے کہی ہوں گی مثلاً منشی نو لکشور کے مطبع سے' نیز لکھنؤ کے دیگر مطابع سے اس زمانے میں جتنی کتابیں شائع ہوئیں ان سب کے آخر میں اشرف کی تاریخ ضرور ہے۔ یہ تاریخیں اگرچہ اکثر اوقات معمولی ہوتی ہیں پھر بھی ان کی کثرت شاعر کی قدرت تاریخ گوئی پر دلالت کرتی ہے۔ فقط

مصحفی

(۱۱۶۴ھ تا ۱۲۴۰ھ)

نام و تخلص

شیخ غلام ہمدانی نام مصحفی تخلص خلف شیخ ولی محمد امروہہ کے رہنے والے تھے زمانہ طالب علمی دہلی میں بسر کیا اور کسب کمال کے بعد لکھنؤ میں اقامت گزیں ہو کر وہیں کے ہو رہے۔ یہاں تک کہ ۱۲۴۰ھ میں ۷۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

عادات و مشاغل

خوش خلقی اور خوش مزاجی کے ساتھ ادب و لحاظ کی پابندی کے باعث سے جہاں رہتے تھے عزیز دلہا ہو کر رہتے تھے۔ تباہی دہلی کے بعد بعد نواب آصف الدولہ بہادر لکھنؤ آئے اور مرزا سلیمان شکوہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلی کی سرکار میں ملازم ہوئے اور آخر وقت تک شغل شعروشاعری میں مصروف رہے اور اس درجہ استعداد مشق بہم پہنچائی کہ دنیائے استادی میں عدیم المثال قرار پائے۔

کہنہ مشقی و تصنیفات

ان کی کہنہ مشقی سے متعلق تذکروں میں اکثر روایتیں نظر سے گزرتی ہیں مثلاً مضمون نثر کو دیکھ دیکھ کر اس طرح پر بے تکلف نظم کر دیتے تھے کہ دیکھنے والوں کو نقل کا گمان ہوتا تھا یا طرح مشاعرہ پر لاتعداد اشعار لکھتے چلے جاتے ہیں جن میں سے بعد کو مشاعرے میں اپنے نام سے

پڑھنے ۔ لئے لوگ غزلیں چھانٹ کر مول لے جاتے تھے۔ اس پر بھی اردو کے آٹھ دیوان ایک دیوان فارسی اور دو تذکرے شعرائے اردو فارسی کے ان سے یادگار باقی ہیں جن کے مطالعے کے بعد ان کی استادی اور مشاقی کے ثبوت کے لئے پھر کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔

شاگرد و معاصر اور اس سے بڑھ کر ثبوت ان کے کمال فن کا یہ ہے کہ جتنے استاد ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں میں سے نکلے اتنے ولی سے لے کر اس وقت تک کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئے۔ چنانچہ ان کے معاصر استادوں مثلاً میر حسن جرات و انشا کے شاگردوں کی تعداد ان کے متوسلین کے دسویں بلکہ بیسویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہے حتیٰ کہ میر حسن کے صاحبزادے میر خلیق خود اپنے والد کے اشارے سے انہیں کے شاگرد ہوئے اور شاگردی پر قائم بھی رہے۔ مصحفی کے بعد لکھنؤ کے تمام مشہور استاد انہیں کے حلقہ بگوش تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں کی تحقیق کے مطابق شیخ ناسخ کو بھی بواسطہ محمد عیسیٰ تنہا انہیں سے تلمذ تھا۔ چنانچہ دیباچہ دیوان ششم مصحفی کی عبارت سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے جس میں مصحفی لکھتے ہیں کہ "حصہ نعمت الوان این خوان بہ شیخ ناسخ کہ یکے از دوستان محمد عیسیٰ تنہا ست و بفقیر ہم رسوئے از تہ دل دارو مقسوم گشت"

مصحفی کی شاعری

مصحفی کی ہمہ گیر و ہمہ رنگ طبیعت نے کسی خاص رنگ سخن پر قناعت نہ کر کے مشاہیر شعرائے متقدمین و متاخرین میں سے تقریباً ہر ایک کے انداز سخن کا پسندیدہ نمونہ پیش کیا ہے چنانچہ ان کی غزلوں میں کہیں میر کا درد ہے تو کہیں سودا کا دبدبہ۔ کسی مقام پر فغاں کی رنگینی ہے تو کسی جگہ سوز کی سادگی۔ کہیں واقعات میں جرات کی سلاست و حقیقت نویسی سے کام لیا گیا ہے تو کہیں ترکیب الفاظ اور انداز بیان میں انشا کا طنطنہ اور جبروت صرف ہوا ہے۔ کہیں پر غزلوں کو قطعات مسلسل پر ختم کرنے میں جعفر علی حسرت کا رنگ کلام پیش نظر ہوتا ہے تو کہیں مشکل ردیف قافیوں کو بخوبی و صفائی نباہنے میں شاہ نصیر کا کمال سامنے آ جاتا ہے اور پھر ان سب کے علاوہ جن غزلوں اور بیتوں میں ان تمام اساتذہ کی خوبیوں کو ان کی کہنہ مشقی اور

استادی یکجا کر دیتی ہے ان کا شمار لاریب اردو شاعری کے بہترین نمونوں میں کیا جا سکتا ہے۔ مصحفی کی زبان اگرچہ میر و سودا کی قدیم زبان سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے لیکن اس درجہ شیریں اور سبک واقع ہوئی ہے کہ اکثر اس کی حلاوت اس زمانے میں بھی ناظرین کے دلوں میں اس کے متروک الاستعمال ہونے کا گمان نہ پیدا ہونے دے گی ملاحظہ ہو۔

جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم
عالم کے میاں خانہ بر انداز ہوئے تم

○○

رات پردے سے ذرا منہ جو کسو کا نکلا
شعلہ سمجھا تھا اسے میں پر بھبوکا نکلا

○○

اس نازنیں کی باتیں کیا پیاری پیاریاں ہیں
پلکیں ہیں جس کی چھریاں آنکھیں کٹاریاں ہیں
جاگا ہے رات پیارے تو کس کے گھر جو تری
پلکیں او نیندیاں ہیں آنکھیں خماریاں ہیں

○○

ترسا نہ مجھ کو کھینچ کے تلوار مار ڈال
گر مار ڈالنا ہے تو ایک بار مار ڈال
صیاد تجھ کو کس نے کہا تھا کہ فصل گل
مجھ کو قفس میں کر کے گرفتار مار ڈال

"تجھ سے کہا تھا" کی جگہ "تجھ کو کہا تھا" قدیم زبان ہے اگرچہ بعض لوگ حکم کے معنوں میں اب بھی اس کا استعمال جائز سمجھتے ہیں۔

عارض نہ تری زلف پریشان میں دیکھا
یوسف کو زلیخا کے زندان میں دیکھا

فارسی اضافت کے ساتھ اعلان نون بھی غالب کے وقت تک جائز تھا اب اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ میں کا استعمال بحذف "نے" علامت فاصل بھی قدیم شیوہ سخن طرازی ہے۔

فارسی محاوروں کے ترجموں کا اردو الفاظ سے جوڑ ملانا بھی شعرائے متقدمین کا خاص جوہر ہے چنانچہ مصحفی نے بھی بعض محاوروں کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ اردو زبان میں آمیختہ کیا ہے کہ ارباب بینش ان کو دیکھیں گے اور تعجب کریں گے۔

زلفوں کی برہمی نے برہم جہان مارا
پلکوں کی کاوشوں نے سینوں کو چھان مارا

○○

جب کوہ بیاباں میں جا ہم نے قدم مارا
فرہاد نہ کچھ بولا مجنوں نے نہ دم مارا
تھا نہ دل اپنا ہی میں زیر و زبر دیکھا
اس جنبش مژگاں نے عالم کو بہم مارا
میں تیرے تغافل کا کشتہ ہوں کہ عاشق کو
معشوق کی آنکھوں نے اس لطف سے کم مارا
اے مصحفی جو میرے اشعار بیاضی تھے
میں صاد کیا ان پر اور سب کو قلم مارا

○○

مجھ صید ناتواں سے مگر عار لے گیا
قاتل جو اپنی کھینچ کے تلوار لے گیا

اب ہم اپنے بیان کی تائید میں دواوین مصحفی سے ہر رنگ کا کلام پیش کر کے مختلف اساتذہ کے انداز سخن سے اس کا موازنہ کریں گے۔ اول چھوٹی بحر میں ان کی دو غزلیں ملاحظہ طلب ہیں

گر ابر گھرا ہوا کھڑا ہے
آنسو بھی تلا ہوا کھڑا ہے
ہے موسم گل چمن میں ہر نخل
پھولوں سے لدا ہوا کھڑا ہے
شمشاد برابر اس کے قد کے
دہشت سے بچا ہوا کھڑا ہے

خونین کفن شہید الفت
دولہا سا بنا ہوا کھڑا ہے
اے جان نکل کہ مصحفی کا
اسباب لدا ہوا کھڑا ہے

○○

دیکھ اس کو اک آہ ہم نے کر لی
حسرت سے نگاہ ہم نے کر لی
کیا جانے کوئی کہ گھر میں بیٹھے
اس شوخ سے راہ ہم نے کر لی
جب اس نے چلائی تیغ ہم پر
ہاتھوں کی پناہ ہم نے کر لی
نخوت سے جو کوئی پیش آیا
کج اپنی کلاہ ہم نے کر لی
دی ضبط میں جب کہ مصحفی جان
شرم اس کی گواہ ہم نے کر لی

ان دونوں غزلوں کی سادگی اور صفائی خصوصاً دوسری غزل کا درد میر تقی میر کے کلام سے یاد دیتا ہے اگرچہ بحیثیت مجموعی، مصحفی کا کلام میر سے دوسرے درجے پر ہے۔ میر کی سادگی اور درد کے ساتھ ہی ساتھ سودا کا زور اور دبدبہ بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

منظور گر تمہیں بھی تماشائے خلق ہے
وابستہ اک نظر کی تمنائے خلق ہے
کس طرح کوئی چین سے بیٹھے کہ رات دن
دور سپہر در پے ایذائے خلق ہے
چل تو بھی مصحفی کہ وہ نکلا ہے بزم میں
ہے بار عام نوبت مجرائے خلق ہے

تم گرم ملے ہم سے نہ سرما کے دنوں میں
پیش آئے بہ گرمی بھی تو گرما کے دنوں میں
نے غرفے سے جہاں کے نہ کبھی بام پر آئے
پنہاں رہے تم حسن دل آرا کے دنوں میں
جی ہی میں رکھی اپنے میاں جی سے جو اُپجی
کچھ ہم نے کہا تم سے تمنا کے دنوں میں

○○

بلبل خوش صفیر ہوں گلشن روزگار کا
کچھ میں نشید خواں نہیں زمزمہ بہار کا

○○

لالہ ہوا بروئے خاک رنگ قفس بر آسماں
خون کہاں کہاں گرا زخم دل فگار کا

خالص عاشقانہ انداز میں سادگی بیان کے ساتھ وقعیت مضمون کا نباہنا جرات کا حصہ ہے لیکن مصحفی نے بھی جا بجا اپنی غزلوں کو اس رنگ میں جرات سے ملا دیا ہے مثلاً لکھتے ہیں

چھپایا تم نے منہ ایسا کہ بس جی ہی جلا ڈالا
تغافل نے تمہارے خاک میں ہم کو ملا ڈالا
نہ اٹھا حشر میں بھی اس کی تیغ ناز کا مارا
کیا خون اس نے اک عالم کا اور وہیں چھپا ڈالا
مرض تھا مصحفی کو صعب تر یہ خوب وہ سمجھا
کہ جوں توں آپ کو اس نے ترے کوچے میں لا ڈالا

○○

شب گھر سے جو سیٹی کی وہ آواز پہ نکلا
نکلا تو وہ لیکن عجب انداز پہ نکلا
دل مجلس خوباں میں جو گم رات ہوا تھا
صد شکر اُسی محرم ہم راز پہ نکلا

اے مصحفی حسن اس کا جو دیکھے ہے کہے ہے
یہ طرفہ ستارا فلک ناز پہ نکلا

اس غزل کے دوسرے شعر میں "کے پاس" کی جگہ "پہ" استعمال کیا گیا ہے۔ یہ محاورہ نواح بداؤں وغیرہ میں اب بھی مستعمل ہے۔

حسن اس کا اب سماں کچھ اور دکھلانے لگا
چاند سا پردے سے وہ مکھڑا نکل آنے لگا
میں ہی کچھ بے صبر و طاقت عشق میں اس کے نہیں
دل بھی اب بے طاقتی کو کام فرمانے لگا
یا وہ عالم تھا کہ کوئی اس سے واقف ہی نہ تھا
یا یہ عالم ہے کہ عالم اس پہ مر جانے لگا
کان میں قاصد نے کچھ ایسا ہی آ کر کہہ دیا
جس کو سن کر سر میں دیواروں سے ٹکرانے لگا
مجھ کو ساقی کی یہ محفل میں ادا بھائی بہت
مصحفی کو جام خالی سے جو ڈھکانے لگا

○○

ہے ہے ٹک اس طرف کو اجی پھر کے دیکھ لو
اک ناتواں کا جائے ہے جی پھر کے دیکھ لو
کیا مجھ کو چھوڑ نزع میں جانا ضرور ہے
اور یونہی ہے خوشی تو ذرے پھر کے دیکھ لو
مارا ہے جس کو کج نظری سے اُسے میاں
ابرو کی یوں کہے ہے کجی پھر کے دیکھ لو
تم مصحفی کو چھوڑ کے بسمل چلے گئے
رخصت حیا نے اتنی نہ دی پھر کے دیکھ لو

مصحفی کے کلام کی خوبی زیادہ تر شگفتہ و دراز قافیوں اور ردیف کی تلاش اور پھر ردیف کو مختلف طور پر نباہنے کی ترکیب پر منحصر ہے اور یہی مسلک تھا تقریباً تمام پرانے شاعروں کا جو

لکھنؤ میں مصحفی کے بعد بھی ہوس و عیشی تک اور دہلی میں شاہ نصیر کے بعد ظفر تک قائم اور پسندیدہ اہل نظر رہا۔

مندرجہ ذیل منتخب غزلوں کو پڑھ کر ارباب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ مختلف ردیفوں کو استاد نے کن کن پہلوؤں سے نباہا ہے اور قادرالکلامی و مشاقی کی کیسی کیسی مثالیں بروئے کار آئی ہیں۔

بھیگے سے ترا رنگ حنا اور بھی چمکا
پانی میں نگارین کفِ پا اور بھی چمکا
جینے کا نہیں کوئی اگر یونہی عزیزو
یہ طفل پری زاد ذرا اور بھی چمکا
دھویا نہ گیا خون مرا تیغ سے اس کی
کمبخت یہ پانی جو پڑا اور بھی چمکا
اے مصحفی کیا بات کہوں درد جگر کی
جوں جوں کہ میں کی اس کی دوا اور بھی چمکا

○○

از بسکہ مرے دیدہ حیران میں کچھ ہے
اک آن میں دل کچھ ہے تو اک آن میں کچھ ہے
خالی ہی چلے آتے ہیں ہم سیر چمن سے
دامان میں کچھ ہے گریبان میں کچھ ہے
جادو تو میں کہتا نہیں پر سمجھوں ہوں اتنا
واللہ تری نرگس فتاں میں کچھ ہے
اے مصحفی مرنے کی مرے سن کے وہ بولا
کیا لگتا ہے مر جانے کو انسان میں کچھ ہے

○○

جس کشتے کا زخموں میں ہو چور بدن سارا
خون نہ بھرے کیونکر پھر اس کا کفن سارا

گر شمع کے رونے میں ہے ایسی ہی رنگینی
بھر جائے گا لو ہو سے تا صبح لگن سارا
اے مصحفی تو واں سے کیوں روٹھ کے اٹھ آیا
دیوانے تیری خاطر کڑھتا ہے وطن سارا

○○

جس دم کہ وہ کمر میں رکھ کر کٹار نکلا
جس رہ گذر سے نکلا عالم کو مار نکلا
آئی زبان جو اپنی جنبش میں نزع کے دم
تیرا ہی نام منھ سے بے اختیار نکلا
تہمت ہے مصحفی پر سیر چمن کی یارو
کب گھر سے اپنے باہر وہ سوگوار نکلا

○○

اک تیغ کے لگتے ہی لگی جان ٹھکانے
اچھا تو ہے لگ جائے اگر انسان ٹھکانے
نومید پھرا واں سے تو قاصد نے کہا یوں
یہ خط نہیں لگتا کسی عنوان ٹھکانے
اے دست جنوں تیری مدد ہووے تو اب بھی
اک جھٹکے میں لگتا ہے گریبان ٹھکانے
تھی تھوڑی سی کچھ رات یہ پروانہ کہے تھا
جس وقت لگی شمع شبستان ٹھکانے
گہہ دوش پہ پڑتی ہے تو گہہ دوش کمر پر
ڈھونڈے ہے تری زلف پریشان ٹھکانے
الجھا ہے تو کس سے جو ترے جامے کے پیارے
نے چین ٹھکانے ہے نہ دامان ٹھکانے
آویزہ بنا محمل لیلیٰ کے جرس کا

صد شکر لگا اب دل نالاں ٹھکانے
پھر کھینچو تلوار میاں غصے میں آ کر
عاشق کو لگاتی ہے یہی آن ٹھکانے
اے مصحفی اس زلف میں لاکھوں کو ملی جا
لیکن نہ لگا اک یہ پریشان ٹھکانے

○○

یاران عدم رفتہ گئے دور بہت سے
ہمسار کے پیچھے رہے رنجور بہت سے
ٹپکی جو کہیں ہاتھ سے شب اس نے گلابی
مجلس میں ہوئے شیشہ دل چور بہت سے
اے مصحفی جھانکیں نہ کبھی اس کی گلی لیک
ہاتھوں سے ہم اس دل کے ہیں مجبور بہت سے

○○

دیکھ اس کی شب وصل میں اوسان ہمارے
پھر پھر کے فلک ہووے ہے قربان ہمارے
جب ہو نہ سکا ضبط غم عشق تو آخر
کیا پھوٹ بہے دیدہ گریان ہمارے
کل پان کا رنگ آئینے میں دیکھ وہ بولے
کیا لال ہوئے لب و دندان ہمارے
پہنے ہوئے دیکھا ہے اسے سرخ جو جامہ
ہے دجلۂ خون تا بہ گریبان ہمارے
اور اس سے سوا مصحفی کیا ہووے گی شہرت
جیتے ہی لکھے جاتے ہیں دیوان ہمارے

ان غزلوں کے دیکھنے سے ثابت ہو گا کہ میر تقی کے رنگ میں میر حسن کے ہم پایہ سودا کے انداز میں انشا کے ہم پایہ اور جعفر علی حسرت کے طرز میں جرات کے ہم نوا ہیں لیکن بحیثیت

مجموعی اپنے ان سب ہم عصروں سے باعتبار کمال سخن دانی و مشاقی برتر ہیں اور یہیں سے ہے کہ راقم کی نگاہ میں میر و مرزا کے بعد اور کوئی استاد ان کے مقابلے میں نہیں جچتا۔ معلوم نہیں کہ صاحب آب حیات نے کس بنا پر سید انشا کو مصحفی پر ترجیح دینے کی جا بجا کوشش کی ہے۔ سید انشا کی طباعی اور قابلیت میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن دربار لکھنؤ کی مجبوریوں نے ان کی ظرافت کو دائرہ اعتدال سے خارج کر کے ان کے کلام کو بقول شیفتہ ساقط الاعتبار بنا دیا تھا۔ چنانچہ نظر بحالات موجودہ انہیں مصحفی کے مقابل لانا مصحفی کے کمال کی توہین کرنا ہے اور بس۔

اب ہم اپنی اس مختصر تحریر کو مصحفی کے چند متفرق مطلعوں پر ختم کرتے ہیں جن کی خوبی اور دلفریبی میر کے نشتروں اور سودا کے خنجروں سے کسی حال میں کم نہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں اور مسرت اندوز ہوں۔

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

○○

زلفوں سے اس کی میں نے جس دن کہ ہاتھ دھویا
ابر سیاہ آ کر تربت پہ میری رویا

○○

تھا سرخ پوش وہ گل شاید چمن کے اندر
شعلہ سا شب پھرے تھا سرو و سمن کے اندر

○○

دل لے گیا ہے میرا وہ سیم تن چرا کر
شرما کے جو چلے ہے سارا بدن چرا کر

○○

شب ہجراں تھی میں تھا اور تنہائی کا عالم تھا
غرض اس شب عجب اک بے سروپائی کا عالم تھا

○○

بن دیکھے جس کے پل میں آنکھیں بھر آئیاں ہوں

کیا قہر ہے جو اس سے برسوں جدائیاں ہوں

○○

میں وہ نہیں ہوں کہ اس بت سے دل میرا پھر جائے
پھروں جو اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

○○

راہ میں کشتہ پڑے ہیں کئی ارمان بھرے
بچ کے چلیو نہ ترا خون سے دامان بھرے

○○

ہے غریبی میں خبر کس کو وطن والوں کی
کیا گرفتار سے پوچھو ہو چمن والوں کی

○○

اک ذرا دیکھیو اس رشک پری کا سونا
میں تو دیکھا نہیں اس بے خبری کا سونا

فقط "حسرت"

سحر لکھنوی

(از ۱۸۰۴ء (غالباً) تا ۱۸۵۸ء)

نام خاندان و شاعری

شیخ امان علی نام ولد شیخ محمد امین لکھنوی سحر تخلص، پہلے ناسخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے ان کے بعد برق شاگرد ناسخ سے نسبت تلمذ درست کی غرضیکہ سلسلہ ناسخ ہی کا قائم رہا۔ چنانچہ ایک موقع پر خود کہا ہے۔

ہو قیامت شعر میں اپنے نہ کیونکر اے سحر
مدتوں صحبت اٹھائی ناسخ مغفور کی

طرز معاشرت

لاابالی مزاج اور وارستہ طبیعت ایسے تھے کہ رفع شر کے خیال سے متروکہ پدری سے خود دست بردار ہو گئے اور فرمایا۔

ترکے کے لئے کون عزیزوں سے لڑے
جیتے ہیں سدا دہر میں چھوٹے نہ بڑے
باپ آج مرا بیٹے کو کل مرنا ہے
دو دن کے لئے کون بکھیڑے میں پڑے

قرب امرا کے بھی بہت کم خواہاں ہوئے کیا معنی کہ بجز نواب محمد احسن خاں کی سرکار کے کہ وہاں بھی چند روز تک نواب موصوف کی قدر دانی و سخن شناسی نے انہیں بر سرِ ملازمت رکھا[1] اور کسی رئیس کی نوکری انہوں نے نہیں کی۔ امجد علی شاہ کے عہد میں دربار شاہی

---

[1] اس باب میں ایک موقع پر لکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں آج کل جتنے طبیعت دار ہیں — دام کیسوئے سخن کی یہ کشش ہے اے سحر
بندہ احسان ہیں سب نواب فیض آثار کے — ہم سے آزاد اور یوں پابند ہوں دربار کے

سے بھی توسل ہو گیا تھا مگر وہ بھی چند روزہ ثابت ہوا۔ مشاعرہ شاہی میں شرکت کے علاوہ یہ ایک ہفتہ وار مشاعرہ اپنے مکان پر بھی کیا کرتے تھے چنانچہ ایک غزل کے آخر میں لکھتے ہیں

ے

کفش خانے کو جو احباب سر افراز کریں
آٹھویں روز اسی طرح کا جلسا ہو جائے
چار غزلیں ہوں مہینے کی تو کیا کم ہیں سحر
کاش اسی حیلے سے دیوان ہمارا ہو جائے

لیکن یہ حالت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی اور گردش روزگار نے روشناس بے زری کر کے انہیں کانپور پہنچایا۔ جس کا کچھ بیان انہیں کے الفاظ میں اس طرح پر ہے کہ

ے

جب سے ہم لکھنؤ سے آئے ہیں
بخدا پندرہ اٹھائے ہیں
آج تمباکو تک بھی پاس نہیں
مفلسی نے دھوئیں اڑائے ہیں

واضح ہو کہ اس عہد میں کانپور ملک اودھ کا کالا پانی سمجھا جاتا تھا اور اہل لکھنؤ کی عیش پسند طبیعتوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی سزا نہ تھی کہ وہ گنگا پار کر دیئے جائیں۔ یہی سبب ہے کہ لکھنؤ کے جن جن شعرا کو کانپور آنا پڑا ان سب نے اس کی ہجو میں بہت کچھ مبالغے سے کام لیا ہے۔

وضع و لباس

حضرت صفیر بلگرامی لکھتے ہیں کہ "سحر وضع کے یکتا تھے۔ جب پہنا ایک ہی رنگ کا لباس پہنا جس کپڑے کی ٹوپی اسی کا انگرکھا اسی کا پائجامہ بلکہ جوتے پر بھی وہی کپڑا منڈھا ہوا آدمی حسین جامہ زیب تھے اس پر وارستگی کی بہار۔ اکثر کمل کی پوشاک کبھی گیروے کبھی صندلی مگر سب ایک رنگ بلکہ محمد تقی خان صاحب کانپوری شاگرد حضرت رشک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ خس کی پوشاک بھی زیب بر کر کے اس رنگ سے

نکلا کرتے تھے کہ انگرکھے پائجامے ٹوپی کے علاوہ آپ کا جوتا اور عصا بھی خس پوش ہوتا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد خادم آپ پر پانی چھڑکتا جاتا تھا۔

شاگرد

سحر کے شاگردوں میں سے قدرؔ بلگرامی، صفیرؔ بلگرامی اور نواب محمد تقی خان لکھنوی حسامؔ تخلص صاحب دیوان گذرے ہیں۔ قدرؔ کا تذکرہ درج اردوئے معلی ہو چکا ہے۔ صفیرؔ اور حسامؔ کا حال بھی کسی موقع پر لکھا جائے گا۔

خاتمہ

غدر میں ان پر بڑی مصیبت پڑی۔ بھاگڑ میں پیدل چلنا پڑا۔ کچھ دنوں کاکوری میں رہے کچھ دنوں بلگرام میں اور کچھ دنوں فرخ آباد میں یہاں تک کہ غدر تمام ہوا ..... ان کو بے لکھنؤ کے کل کہاں چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں کسی گاؤں میں ہیضہ کر کے انتقال کیا۔ نہ اس گاؤں کا نام معلوم ہے اور نہ ان کے مزار کا پتہ سچ ہے شاعر کی زبان فال ہوتی ہے خود کہہ گئے ہیں۔

دنیا میں نام مرد بہ از مرد ہے سحر
یوں مٹئے گور کا بھی نہ باقی نشاں رہے

سحر کی شاعری

شعرائے لکھنؤ کے مشترک عیوب یعنی (۱) ضلع جگت کی کثرت (۲) بد مذاقی اور (۳) پست مذاقی کی بنا پر عامیانہ قوافی کا انتخاب (۴) نیز بے اثری کے لحاظ سے سحر کا کلام بھی رند و صبا کے کلام سے بہت کچھ مشابہ ہے البتہ ایک خصوصیت ان کی شاعری میں ایسی ہے جس کا جواب لکھنؤ کے بھی کسی شاعر کے دیوان میں نہیں مل سکتا حالانکہ یہ امر مسلم ہے کہ سخن سنجان لکھنؤ نے لطف زبان اور خوبی محاورہ کو مضمون اور بیان پر ہمیشہ ترجیح دی۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ لکھنؤ کی اصلی زبان اور سچے محاوروں کو انہوں نے اس بے مثال خوبی

اور بے تکلفی کے ساتھ اپنی شاعری میں صرف کیا ہے کہ ہر پایہ شناس اور انصاف پسند طبیعت کو ان کی یک رنگی اور یکتائی کا مجبوراً قائل ہونا پڑتا ہے۔

ضلع جگت کی مثالیں

دو منزلے پہ اگر سونے کے چھڑی بولے
جنوں میں توڑ کے لوہے کی بیڑیاں پہنچا
تصور قبر میں آیا جو اس قاتل کی افشاں کا
میں سمجھا کوئی توڑا کھل گیا گنج شہیداں کا

نمونہ بد مذاقی

بو کبابوں کی غضب آتی ہے میخانہ سے
اک بھگت ہوتا ہے ہر روز مسلمان نیا

○○

قبر میں رہ رہ کے جی گھبرائے گا
یار کا کمرہ بہت یاد آئے گا

○○

کار چوبی چاہئے موباف روز
عشق گیسو ایک دن بند ہو جائے گا

پستی مذاق کی بنا پر عامیانہ قوافی کا انتخاب

بجلی چمکی کمر یار نے لچکا کھایا
جھک پڑی کالی گھٹا زلف نے جھونکا کھایا
دوڑ کر ابرو قاتل کی بلائیں لے لیں
بیٹھے بٹھلائے اٹھے ہاتھ میں چرکا کھایا

طائر مرغ کو دانے پہ لگایا قاتل
دل پہ ہم نے تری بندوق کا چھرا کھایا
دشت غربت میں جو یاد آیا بگڑنا ان کا
چوم کر شیر کا منہ ہم نے طمانچہ کھایا
یہ بھی گھر بیٹھے ملے جائے تو نعمت ہے سحرؔ
دیکھتا کون ہے غم کھایا کہ کھانا کھایا

خاص لکھنؤ کی زبان اور محاورے

احباب کی صحبت سے دل اپنا نہ اٹھے گا
ٹکڑی کا کبوتر ہے اکیلا نہ اٹھے گا
اللہ کے گھر میں بھی میں گھوروں گا بتوں کو
تحسین کی مسجد سے مصلا نہ اٹھے گا
نقد دل و دین جائیں گے یہ مال ہے کیا مال
پریوں میں جو بیٹھے ہیں تو کیا کیا نہ اٹھے گا
ہر وقت ہی دل میں تری پلکوں کا تصور
ہر گز مری کوٹھی سے یہ پہرا نہ اٹھے گا
نالے شب فرقت میں سحرؔ ہوں گے نہ موقوف
جب تک کہ محلے کا محلہ نہ اٹھے گا

○○

ہم تو مطلب ہی کی کہتے ہیں نہیں بات کی گون
بے غرض کون سی آتی ہے ملاقات کی گون
ایسے جھیٹوں میں کب آتا ہوں میں اے برق و شو
آمد و رفت یہاں کس کو ہے برسات کی گون
عشق گیسو میں سرِ شام سے مر رہتا ہوں
دن کو تشریف وہ لائیں میں نہیں رات کی گون

حال پوچھو نہ شبِ وصل کہ ہے صبح قریب
وقت اے یار نہیں حرف و حکایات کی گون
ہنس کے کہتے ہیں سحر تیرے سخن میں ہے کلام
قدرت اللہ کی ہے بت بھی ہوئے بات کی گون

○○

اڑتا ہے عاشقوں کا تری اردلی میں رنگ
ہولی کا جیسے کھیلتے ہیں ہر گلی میں رنگ
تاثیر دیکھنا لبِ رنگین یار کی
کھینچا ہے دم کہ پھونک دیا ہے کلی میں رنگ
نکلے ہزار گیروے کپڑے پہن کے ہم
لیکن کبھی جما نہ تمہاری گلی میں رنگ
سرخی گلے سے پھوٹی نکلتی ہے پان کی
آیا کہاں سے یار کی چمپا کلی میں رنگ
رندو چلو ابھار کے زاہد کو لے چلیں
نو روز ہے وہ کھیل رہی ہیں گلی میں رنگ

○○

بے محل عاشقی سے در گذرے
کہیں پرچہ لگے خبر گذرے

تاثیر کلام کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ شاعر کا دل عشق حقیقی یا مجازی کی کیفیت سے آشنا ہو لیکن چونکہ لکھنؤ کے عہد شاہی میں ہوس پرستی کے سوا دو میں سے کسی کا وجود نہ تھا اس لئے اس زمانے کے تقریباً کل شاعروں کی غزلیں اثر سے بیگانہ نظر آتی ہیں البتہ عیش پسندی اور عشرت پرستی کی بنا پر اہل لکھنؤ کو دنیائے لکھنؤ اور بادشاہ لکھنؤ کے ساتھ بے شک خالص محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ان کی شاعری اس قسم کے مضامین سے متعلق ہوتی ہے وہاں حقیقت کا لطف اور اثر کی جھلک بھی ضرور نمودار ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جمع ہیں رنگین ادا میلا ہے قیصر باغ میں
ہر روش پر نور کا جلسا ہے قیصر باغ میں
سامنا سلطان عالم کا ہے قیصر باغ میں
سب کو اپنے رنگ پر کھینچا ہے قیصر باغ میں
گیروا ہر ایک کا جوڑا ہے قیصر باغ میں

سچ اگر پوچھو تو سب ہیں جان عالم پر فقیر
بھرتے ہیں الفت کا دم طفل و جوان بر ناو پیر
جس گرو کے سب ہیں چیلے ہے بڑا روشن ضمیر
مرشدِ کامل ہے فنِ عشق میں ہے بے نظیر
جو ہے اس کے رنگ میں ڈوبا ہے قیصر باغ میں

پاک و پاکیزہ زمیں دھویا دھلایا آسمان
تازہ و تر ہر شجر نکھرا ہوا ہر نوجوان
باغ سب شاداب سبزہ لہلہا آب رواں
نہریں جاری ہر طرف لبریز پختہ کیاریاں
تختہ جنت اتر آیا ہے قیصر باغ میں

سبزہ رنگوں کا ذخیرہ[1] مجمع اہل سخن
اپنے اوپر شعر خود پڑھتا ہے یار گل بدن
آنکھیں ہیں بادام لب عناب ہیں پستہ دہن
اک درخت اور اتنے میوہ کیوں نہ ہو زیب چمن
جو شجر ہے غیرت طوبیٰ ہے قیصر باغ میں

سامنا اس باغ میں آٹھوں پہر حضرت کا ہے
بوٹیاں اکسیر کی ہیں یہ اثر حضرت کا ہے
ورد مرغان چمن ہر شعر تر حضرت کا ہے
نو عروسان چمن کے دل میں گھر حضرت کا ہے
واہ کیا کیا نور کا کمرا ہے قیصر باغ میں

---

[1] اس موقع کے لئے مخصوص ہے۔

خوب نظروں میں تڑی[1] ہے آنکھ ہر معشوق کی
پتی پتی پر گڑی ہے آنکھ ہر معشوق کی
ہر شگوفہ سے لڑی ہے آنکھ ہر معشوق کی
نونہالوں پر پڑی ہے آنکھ ہر معشوق کی
ہر شجر نرگس کا گلدستہ ہے قیصر باغ میں

نہر پر کس برق وش نے آ کے چھیڑا ہے ملار
آسماں کا عکس ہے پانی میں یا ابر بہار
ہے زبان موج پر ہر دم یہ شعر آب دار
ساقیا تجھ کو مبارک ہو بطاے کا شکار
نہر کاہے کو ہے اک دریا ہے قیصر باغ میں

صورت سرو لب جو لم[2] گڑے ہیں بے شمار
ہیں ہزارے نور کے ایک ایک لم میں چار چار
شعلہ آواز سے روشن ہے جو کہ پیش یار
آگ پانی میں لگانے کی ہر صنعت آشکار
چشمہ خورشید کا جلوہ ہے قیصر باغ میں

اے سحر بعد از نماز اپنی دعا ہے صبح و شام
جان عالم ہیں حقیقت میں خدا کے رکھے یہ نام
سیر کرنے کو غریبوں کے دیا ہے حکم عام
شعر پڑھتے پھرتے ہیں رنگین بیان رنگین کلام
ہر چمن میں ڈھیر پھولوں کا ہے قیصر باغ میں

خوش رہیں سلطان عالم یہ چمن پھولے پھلے
ہر برس سیریں کریں ہم یہ چمن پھولے پھلے
جمع ہوں یک رنگ باہم یہ چمن پھولے پھلے
کہتی ہیں پریاں بھی جم جم یہ چمن پھولے پھلے
کیا اکھاڑا راجہ اندر کا ہے قیصر باغ میں

---

1. مصدر تاڑنا سے مشتق ہے اور خاص لکھنوی زبان ہے۔ 2. تھف ہے لیمپ کا خاص لکھنوی لفظ ہے

دیکھو بہار حسن خدا داد باغ میں
کیا سرو قد کھڑے ہیں پری زاد باغ میں
خیمہ بھی ہے سحاب کا استاد باغ میں
پہرے پہ ہیں صنوبر و شمشاد باغ میں
شاید حضور آئے ہیں سجاد باغ میں

لالے کی پلٹنیں ہیں برابر جمی ہوئی
وردی سیاہ و سرخ نئی قطع کی ہوئی
موج ہوا کے ہاتھوں میں کرچیں اپی ہوئی
غنچوں کی رفلیں لیس پڑاتے چڑی ہوئی
کھولے نشان سوسن آزاد باغ میں

میلہ ہے نونہالوں کا اللہ رے اژدہام
گل کا کٹورا بجتا ہی رہتا ہے صبح و شام
شادی کے گھر میں ہوتی ہے جس طرح دھوم دھام
کھینچا ہے نقشہ گلشن ایجاد کا تمام
کیا کیا ہیں بیل پتری کے ایجاد باغ میں

جھولے پہ لطف دیتی ہیں مینہ کی پھوار کیا
بائیں کی کیا کمک ہے صدائے ستار کیا
اک برق وش نے چھیڑا ہے آ کر ملار کیا
آتا ہے جھوم جھوم کے ابر بہار کیا
اترے گا بن کے تخت پری زاد باغ میں

رنگ بہار عیش ہے ایسا جما ہوا
گل کا پیالہ بجتا ہے دورہ ہے پھول کا
شمشاد جھومتے ہیں لب نہر جا بجا
مینائے سرو کو نہ کہیں لے اوڑے صبا
سو بار پڑ چکی ہے یہ افتاد باغ میں

اب کی بہار ایسی مبارک ہوا ہے سحر
باغ جہاں میں نخل تمنا ہو بار ور
نخل مراد میں نئے آیا کریں ثمر
سر سبز یہ چمن رہے گل اس کے اہل زر
دن رات چہچہے رہیں سجاد باغ میں

اک رنگ خاص ہے کہ وہ اپنی سخن میں ہے
مشہور دور دور ہوں مسکن وطن میں ہے
فانوس میں یہ شمع ہے نور انجمن میں ہے
بلبل کے چہچہے کا تکلف چمن میں ہے
نواب نامدار کریں یاد باغ میں

ارباب بصیرت دیکھیں گے کہ مندرجہ بالا تخموں اور ان کے اس واسوخت سے، جسے ہم حصہ نظم میں درج کریں گے۔ لکھنؤ کی زبان اور محاوروں کے علاوہ وہاں کے طرز معاشرت اور رجحان طبائع کی ایک ایسی تصویر سامنے آ جاتی ہے جس کا نظارہ اور کسی صورت سے نہ ہو سکتا تھا۔ اب آخر میں ہم سحر کی چند پسندیدہ غزلیں اور متفرق اشعار نقل کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے
اب تو وہ دھیان سے اتر بھی گئے
تیرے آتے ہی جی اٹھے مردے
مرنے والے ہزاروں مر بھی گئے
واہ رے پیچ و تاب گیسو کے
بال بکھرے بھی اور سنور بھی گئے
آج واں یاد عاشقوں کی ہوئی
کوئی کہتا تو تھا سحر بھی گئے

نزدیک ہیں دلوں سے بظاہر ہیں سب سے دور
بیٹھے ہیں بزم یار میں پاس ادب سے دور

افسردہ دل ہیں اور کو افسردہ کیا کریں
خود بھاگتے ہیں محفل عیش و طرب سے دور

یہ بات بزم اہل مروت سے ہے بعید
اتنا نہیں ہے پاس کہ بیٹھے ہیں کب سے دور

حیواں تک سمجھتے ہیں مرزا منش مجھے
بیٹھا ہے آ کے کیا سگ جاناں ادب سے دور

مغفور کہہ کے نام سحر کا نہ لو بتو
قرآن درمیان رکھو اور اب سے دور

منہ سے جب حرف ناسزا نکلا
پھر لطیفے کا لطف کیا نکلا

سڑی سودائی ہوں ہمیشہ کا
آج اس کوچہ میں بھی آ نکلا

منتظر کب سے ہیں صبوحی کے
آفتاب اب تو ساقیا نکلا

ذکر گیسو پہ یار سے بگڑی
یہ لڑائی کا سلسلہ نکلا

○○

حور ہے قبر میں وہ پاس نہیں
بندہ اتنا تو بدحواس نہیں

○○

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے
یہ سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے

قلق

نام و تخلص

خواجہ ارشد علی خاں معروف بہ خواجہ اسد اللہ مخاطب بہ آفتاب الدولہ قلق تخلص زمانہ شاہی کے دورِ آخر میں لکھنؤ کے دوم درجے کے شاعروں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اور اپنے ماموں خواجہ وزیر کے اچھے شاگردوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اپنے ایک قصیدے میں انہوں نے واجد علی شاہ مرحوم کی بھی شاگردی کا اظہار فخریہ انداز میں یوں کیا ہے۔

ترا یہ منہ تھا کہ سلطان عالم و عادل
بنائیں دست مبارک سے خود ترے اشعار
خوشا نصیب و خوشا قسمت و خوشا طالع
کہ ہو حضور کے شاگردوں میں ترا بھی شمار

لیکن ہمارے خیال میں امرائے دربار کا شاگردی بادشاہ میں داخل ہونا عملی قصیدہ گوئی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ بادشاہ کو رستم سے زیادہ قوی قرار دینا خیالی تعریف ہے لیکن اسیر مرحوم کا واجد علی شاہ کی غزل پر مصرعے لگانا یا قلق کا اپنے تئیں شاگرد اختر بتانا عملی قصیدہ گوئی ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور صورت خوشامد کی نہیں ہو سکتی۔ افسوس کہ اس قسم کی صریح خوشامد کی مثالیں اس زمانے میں بھی موجود ہیں۔ خیر

قلق کی شاعری

قلق کی مشاقی اور استادی میں کوئی شبہ نہیں لیکن دیگر اساتذہ لکھنؤ کے مانند ان کے کلام سے بھی بجز اس کے کہ بوقت ضرورت بطور سند استعمال کیا جائے دل یا روح کو اور

کسی قسم کا سرور حاصل نہیں ہو سکتا عام طور پر ان کی غزلوں میں یا تو رعایت لفظی کا جنجال ہوتا ہے جو متبدیوں اور ظاہر بینوں کو بصورت حسن نظر آتا ہے یا مصنوعی عاشقی کا غیر مہذب چوچلا جس کو عیاشوں کے سوا کوئی دوسرا شاعر یا غیر شاعر دل سے پسند نہیں کر سکتا ملاحظہ ہو۔

ازل سے ہوں میں کشتہ آپ کے حسن و ملاحت کا
نمک چھڑکا ہے میں نے زخم دل پر شور الفت کا
صدائے آہ ہے مضراب غم کی چھیڑ سے پیدا
دل نالاں نیا پردہ ہے قانون محبت کا
جو وقت قتل اس کے لعل شیریں کا پڑا پرتو
پلایا آب تیغ یار نے شربت شہادت کا

○○

حسن جاتا رہا موقوف ہے ملنا ان کا
خط رخسار ہوا یعنے مچلکا ان کا
بام پر دیکھیں گے غیار جو ہم کو تم کو
دیکھ لینا کہ بدل جائے گا کوٹھا ان کا
گل جو ہم کہا چکے تو چھین کے اک داغ دیا
دے گیا خوب نشانی ہمیں چھلا ان کا

ان خرابیوں کا الزام قلق سے زیادہ اس عہد کے مذاق پر ہے جبکہ لوگوں نے عیش و عشرت میں پڑ کر حقیقی محبت کے مفہوم کو فراموش کر دیا تھا اور بوالہوسی کو عشق کا قائم مقام سمجھ کر قلق و رند کی بیسوا شاعری کو نہ صرف گوارا بلکہ پسند بھی کرتے تھے۔ رند و قلق چونکہ مصنوعی محبت کی تصویر کھینچتے ہیں اس لئے ان کی غزلوں میں عموماً اس اثر اور درد کا نام بھی نہیں ہے جو ان کے ہم عصر و ہم پایہ دہلویوں میں مثلاً نسیم و شیفتہ کی شاعری میں بمنزلہ جان پایا جاتا ہے۔ اور اگر کہیں ہے بھی تو صرف ان موقعوں پر جہاں ان کے قلم سے جو کچھ نکلا ہے اسے ان کے دل نے بھی محسوس کیا ہے مثلاً واجد علی شاہ مرحوم کی سرگذشت سفر میں یا قیصرباغ کے قافیئے کی مندرجہ ذیل غزل میں۔

لٹ رہی ہے دولت دیدار قیصر باغ میں
مثل گل سب ہو گئے زردار قیصر باغ میں
گاتے ہیں مرغاں گلشن پینگ دیتی ہے صبا
جبکہ جھولا جھولتا ہے یار قیصر باغ میں
بے خودی چھائی ہوئی ہے یہ شراب عیش کی
مست دو باہر پڑے ہیں چار قیصر باغ میں
آمد آمد ہے سلامی کو ہمارے شاہ کی
ہیں جوانان چمن تیار قیصر باغ میں
محتسب کے ہاتھ سے تنگ اس قدر ہیں اے قلق
آئے ہیں نالش کو سب مے خوار قیصر باغ میں

غزلیات قلق کی بے اثری کے باب میں ہم نے "عموماً" کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جس طرح کبھی کبھی دہلویوں کے ہاں رعایت لفظی کی بھی مثالیں نظر آ جاتی ہیں اسی طرح لکھنؤیوں کے کلام میں کہیں کہیں بے تکلفی اور درد کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے مثلاً قلق کی مشہور غزل (ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا) اپنے خاص رنگ کے لحاظ سے ان کے تمام دیوان میں فرد ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک زبان زد خاص و عام ہے اسی رنگ کے اور بھی چند شعر ملاحظہ طلب ہیں ۔

صلح ٹھہری فیصلہ با ہمدگر ہونے لگا
عذر ادھر ہونے لگا شکوہ ادھر ہونے لگا

○○

چپ رہ اے مرغ قفس نالہ و فریاد نہ کر
موسم گل میں اسیری کے مزے یاد نہ کر

○○

کچھ گلا اس کا نہیں ہے مے اگر ملتی نہیں
آنکھ بھی اے ساقی رشک قمر ملتی نہیں

○○

یہ دعا دے کے در یار سے ہم رات چلے
خانہ آباد کہ مشتاق ملاقات چلے

کیا کیا نہ امتحان میں ہم سرخرو رہے
تیغ نگاہ یار تری آبرو رہے

○○

دنیا ہو اور گلشن کوئے حبیب ہو
جنت کی گر ہوس ہو تو دوزخ نصیب ہو

خاتمہ

دوم درجے کی مثنویوں میں قلق کی مثنوی طلسم الفت مشہور پسندیدہ اور مقبول ہے واجد علی شاہ کی مدح میں ان کے قصائد بھی برے نہیں اور بحیثیت مجموعی متاخرین اساتذہ لکھنؤ میں ان کا بھی شمار بے جا نہیں ہے۔ فقط

سفر آشوب[1]

متضمن کیفیت سفر سلطان عالم محمد واجد علی شاہ از قلق لکھنوی

دھوم ہے شہر میں وارفتہ اختر آیا
خوش جمالوں میں یہ چرچا ہے کیونکر آیا
شاد آیا ہے چلو دیکھیں کہ مضطر آیا
اور کوئی مژدہ جاں بخش بھی لے کر آیا
کچھ کریں فکر علاج غم و درد محن آج
پوچھیں حال سفر شاہ غریب الوطن آج

صبح سے شام تلک لوگ چلے آتے ہیں
خلق امڈی ہوئی ہے بار نہیں پاتے ہیں
بھیڑ سی بھیڑ ہے انسان پسے جاتے ہیں
ایسی مشتاق کب انبوہ سے گھبراتے ہیں

---

[1] تباہی سلطنت اودھ کا ہر لکھنوی کو واقعی افسوس تھا۔ یہی سبب ہے کہ اس مضمون کے متعلق قلق کا کلام بھی اثر سے خالی نہیں لیکن پستی خیالات کا اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ زوال سلطنت پر قلق محض اسلئے رنجیدہ تھے کہ اختر کے ساتھ لکھنو کے عیشہائے عیش کا خاتمہ ہو گیا ہے جیسا کہ سفر آشوب میں صاف ظاہر کر دیا ہے۔

کثرت اہل تمنا ہے بڑا ریلا ہے
میرے غم خانے کے دروازے پر اک میلا ہے

پوچھتے ہیں ادھر آنا ہوا تیرا کیونکر
چین تیرے دل بے تاب نے پایا کیونکر
رنج جان کاہ جگر سے تیرے اٹھا کیونکر
درد فرقت یہ ہوا تجھ کو گوارا کیونکر

چھیڑ کچھ اے فلک آوارہ کہانی اپنی
نقل کر اس سفر غم کی زبانی اپنی

عذر کرتا ہوں کہ اتنا نہ تم اصرار کرو
ہر گھڑی مجھ سے نہ اس امر کی تکرار کرو
مجھ ستم کش سے نہ حجت کوئی زنہار کرو
پرسش حال دل زار نہ ہر بار کرو

کیا مصیبت ہو یاں غم گرفتاروں کی
حیرت آگیں ہے کہانی وطن آواروں کی

میں ہی اس شمع کا تنہا نہیں پروانہ ہوں
میں ہی کیا اس نگاہِ مست کا مستانہ ہوں
میں ہی ان گیسوؤں کا کچھ نہیں دیوانہ ہوں
میں ہی الفت میں نہیں اپنوں سے بیگانہ ہوں

اور بھی شاہ کے دم ساز غلام آئے ہیں
اور بھی عاشق جاں باز غلام آئے ہیں

سب وہ اس حال سے آگاہ ہیں پوچھو ان سے
وہ بھی اس غم میں اسیر آہ ہیں پوچھو ان سے
حامل صدمہ جانکاہ ہیں پوچھو ان سے
خاص وہ بندہ درگاہ ہیں پوچھو ان سے

چین درد دل بے تاب ذرا لے تو کہوں
نفس سرد بھی دم لینے مجھے دے تو کہوں

کیا کروں حال میں اظہار نہ چھیڑو مجھ کو
درد فرقت کا ہوں بیمار نہ چھیڑو مجھ کو
ہوں مصیبت کا گرفتار نہ چھیڑو مجھ کو
پکا پھوڑا ہے دل زار نہ چھیڑو مجھ کو

میرا افسانہ ہو اظہار کے قابل تو کہوں
میرے قابو میں اگر ہووے میرا دل تو کہوں

آہ و زاری سے سروکار رہا کرتا ہے
بحر خوں دیدہ گریاں سے بہا کرتا ہے
رنج بے حد دل غم دیدہ سہا کرتا ہے
داستاں اپنی مصیبت کی کہا کرتا ہے

یاس و اندوہ ہے اور عالم تنہائی ہے
ہم ہیں اور پاس ہمارا دل سودائی ہے

جس کی دم بھر نہ جدائی ہو گوارا مجھ کو
جو سوا جان سے بھی اپنی ہو پیارا مجھ کو
دم سے جس مہ کی ہو جینے کا سہارا مجھ کو
اس سے چھڑوا دے سپر ستم آرا مجھ کو

قہر بیداد ستم تفرقہ پردازی کی
نئی صورت کی جفا تازہ دراندازی کی

ایسے ملتے ہیں غلاموں کو کہیں یار آقا
ایسے دنیا میں کہاں مونس و غم خوار آقا
ایسے کم ہوتے ہیں عالم میں طرح دار آقا
اس مروت کے تو دیکھے نہیں زنہار آقا

شرق سے غرب تلک ڈھونڈنے گر جاؤں گا

ایسا آقائے خوش اخلاق نہ میں پاؤں گا

اب جو چھیڑا ہے تو حال غم غربت سنیئے
ماجرائے سفر دشت مصیبت سنیئے
الم بے کسی و رنج مشقت سنیئے
صدمہ آفت و ایذائے ہلاکت سنیئے

خانہ ویران وطن آوارہ و برباد ہوئے
جلائے الم و مورد بیداد ہوئے

شہر سے جبکہ مقدر نے نکالا ہم کو
سخت آفت عجب اندوہ میں ڈالا ہم کو
کر دیا مثل زمانہ تہ و بالا ہم کو
یہی کہتا تھا ہر اک دیکھنے والا ہم کو

بلبل ہند اب آوارہ وطن ہوتا ہے
حیف صد حیف کہ ویراں یہ چمن ہوتا ہے

تالب گنگ جو وہ خسرو یکتا جائے
تو تو ہمراہ رکاب ایک زمانہ جائے
سفر وادی اندوہ جو پیش آ جائے
ایک بجھی پہ وہی یکہ و تنہا جائے

گھر سے باہر بھی جو اپنے نہ کبھی نکلا ہو
وہ گل حسن ہو اور منزلوں کا صحرا ہو

رات کو کوچ کیا کرتے تھے تو دن کو مقام
ایک منزل پہ نہ پایا کہیں دن بھر آرام
نہ سر انجام سفر کچھ نہ کسی جا پہ قیام
بس کہ تھا طبع کی ناسازی کا وہ ہی ہنگام

شب روی میں بھی جو تکلیف سوا پاتے تھے
سب کا منہ دیکھ کے کس یاس سے رہ جاتے تھے

چند دن بعد جو کنپو سے ہوئے شب کو سوار
ہو گیا کاٹنا رستے کا سحر تک دشوار
دن چڑھے پہنچے جو تربینی پر آ کر یکبار
دھوپ کی گرمی سے گلنار ہوئے تھے رخسار

فرط ایذا سے نہ تھا ہلنے کا یارا اس وقت
تھام کر ہاتھوں کو بگھی سے اتارا اس وقت

اترے اس کوٹھی میں آ کر مع سازو ساماں
لے رکھی تھی جو برٹن نے کرائے کو وہاں
حال کچھ اس کی خرابی کا بھی کرتا ہوں بیاں
جھونجھ ابابیلوں کی اور چھت کے ٹپکنے کے نشاں

ڈھیر خاشاک کی تھی چاروں طرف جالے تھے[1]
دھوپ چھنتی تھی وہ ٹوٹے ہوئے پرنالے تھے

دے کے کچھ اپنا تصدق اسے اسوار ہوئے
کوس بھر شہر سے دریا ہے جو ہیں پار ہوئے
پھنس گئی ریتے میں بگھی تو یہ ناچار ہوئے
مستعد کھینچنے پر لوگ اسے ہر بار ہوئے

ریت میں برہنہ پا خود بھی اتر کر کھینچا
الغرض دور تلک سب کے برابر کھینچا

شاہ کرتے تھے جہاں شکوہ ایذائے سفر
جتنے ہمراہی تھے سب کرتے تھے افسوس آ کر
یہ نہ معلوم تھا ہے کون سا ان میں افسر
انتظام اس کا ہے موقوف الٰہی کس پر

کار پردازوں نے دھیان اتنا بھی نہ کیا
کھینچنے والا مقرر کوئی اس جا نہ کیا

---

[1] اس موقع پر شاعر نے نہایت سخت الفاظ میں انگریز منتظم کی شکایت کی ہے جسے کرائے کے لئے بادشاہ کی سی روکنے کا ارادہ کیا تھا ہم نے اس قصہ ناگوار کے چند بند حذف کر دیئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

پہنچے شب بھر کی مشقت میں جو تا گوپی گنج
صبح ہوتے ہوئے آباد کیا گوپی گنج
قدم شہ سے منور ہوا کیا گوپی گنج
غیرت افزائے فرح بخش بنا گوپی گنج
رات کے جاگنے سے تھی جو حرارت طاری
نیند کب آتی تھی دن بھر رہی غفلت طاری

چند دن بعد بنارس میں تو پائی راحت
وہاں کے راجہ نے بڑی ختم کی انسانیت
اپنے مالک کی ہر اک طرح ادا کی خدمت
شاہ کے آنے کی تھی دل میں جو اس کے حسرت
شادی و فرح سے پھولے نہ سماتا تھا وہ
اپنے جامے ہی سے باہر ہوا جاتا تھا وہ

تھالی بھر کر تو روپے آتے ہی صدقہ بھیجا
پے کشی اور زر نقد بھی شہ کا بھیجا
کیا بیاں کیجئے ایک ایک کو کیا کیا بھیجا
جتنا سامان تھا راحت کا وہ سارا بھیجا
جیسے کرتے ہیں غلام ایسی وفا کی اس نے
سب نمک خواری سرکار ادا کی اس نے

آرزو مند زیارت جو ہوا بلوایا
بعد مجرے کے وہ اشک آنکھوں میں بھر بھر لایا
نذر دے کر قدم شاہ پہ سر نہڑایا
شہ نے الطاف کیا بیٹھنے کو فرمایا
بیٹھتے ہی کرم شہ کی ثنا کی اس نے
بہر افزائش اقبال دعا دی اس نے

جب قدم دیکھ کے مالک کے ہوا وہ رخصت
شرم سے کہنے لگا وہ شہ عالی ہمت

ہاتھی اور پالکی سے ہم تمہیں دیتے خلعت
پر کریں کیا کہ نہیں آج وہ باقی حشمت
اس کی قیمت کے موافق زر نقد ان کو دو
جس قدر ان کے ہے لائق زر نقد ان کو دو
پیشکش بھی میری جانب سے اب ان کا انہیں دو
کہہ دو مقبول ہوا دل میں کچھ آزردہ نہ ہو
جبکہ دکھلائے گا وہ دن مرا قادر مجھ کو
میں یہ لے لوں گا امانت ہے میری رکھ چھوڑو
عرض کی میں بھی اسی روز یہ خلعت لوں گا
اور جو کچھ کہ میرے دل میں ہے حسرت لوں گا
واہ رے پاس جو کہتا تھا کوئی اس کا یار
نہ کیا اب کی برس آپ نے کوئی تہوار
تو وہ کہتا تھا کہ ہوں عیش سے ہم تو سرشار
اور اس طرح سے لٹ جائے ہماری سرکار
شاد کیا خاک ہوں کس سے کہیں کس غم میں ہیں
اپنی سرکار کے مٹ جانے کے ماتم میں ہیں
آرزو تھی کہ مرے گھر مرا آقا آئے
تا نمک خوار بھی ہم چشموں میں عزت پائے
یا فلک دفعتہً اس قہر کی آفت ڈھائے
کہ وہ آئے بھی تو تشریف یہاں یوں لائے
ہائے کیا روؤں میں اس پھوٹی ہوئی قسمت کو
دیکھوں آوارہ وطن اپنے ولی نعمت کو
جب چلے وہاں سے تو دریا کا سفر ٹھہرایا
اک جہاز ایسا پرانا سا دخانی پایا
جس سے کشتی فلک کہنگی میں ہم پایا

بادو باراں نے بھی اس دن سے کرم فرمایا
جب ہوا زور کی چلتی تھی تو گھبراتی تھی
کثرت بارش ہر روزہ سے ہول آتی تھی

خوش فزا ایک نظر آیا مگر سندر بن
فی الحقیقت کہ وہ صحرا ہے برنگ گلشن
حسن میں گلشن شداد پہ ہے چشوک زن
وہ ہوا اس کی معطر صفت دشت ختن

بیچ میں آب چپ و راست وہ پیارے اشجار
دست قدرت کے تراشے ہوئے سارے اشجار

تیسرے روز ہوا قطع وہ صحرا جس دم
سمجھے اب منزل مقصد کے قریب آئے ہم
صدمہ آب رواں کا نہ رہا اب کچھ غم
دل میں اپنے ہوا ہر ایک مسافر خرم

نظر اتنے میں سمندر کا مہانا آیا
اس تلاطم میں تو بس منہ کو کلیجا آیا

ہو گیا موج کے صدموں میں گرفتار جہاز
دفعتہ" چلنے لگا مست کی رفتار جہاز
سوچتا ہو گا یہ کس طرح سے اب پار جہاز
بچ گیا ڈوبنے سے اس میں کئی بار جہاز

مارے دہشت کے نہ تھا دید کا یارا اس دم
نظر آتا تھا کسی جا نہ کنارا اس دم

دیکھتا کوئی میرے شاہ کا عالم اس وقت
اس تلاطم میں نہ تھا چین کوئی دم اس وقت
گو کہ بہلاتے تھے پر ڈرتے تھے خود ہم اس وقت
حال ایک ایک کا تھا درہم و برہم اس وقت

ناخدا لاکھ ہر اک شخص کو سمجھاتا تھا
مگر ایک ایک کا منہ زرد ہوا جاتا تھا

سہ پہر تک تو رہا ایک تلاطم برپا
شام کو قافلہ سب داخل کلکتہ ہوا

اس مصیبت سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے ذرا
کہ چلی گوشۂ غربت میں کس آفت کی ہوا

چین غربت میں بھی لینے نہ دیا قسمت نے
سخت اندھیر غضب قہر کیا قسمت نے

دفعتہً مادر و فرزند و برادر چھوٹے
زیست کا جن سے مزا تھا وہی یکسر چھوٹے

جی نہ انسان کا کس طرح یہ سن کر چھوٹے
سلطنت ساری چھٹے شہر چھٹے گھر چھوٹے

اس پہ بھی چین نہ لے چرخ یہ آفت ڈالے
ایسی غربت میں مصیبت پہ مصیبت ڈالے

کچھ عجب چرخ ستم گار بھی ہے بد خصلت
طرفہ ڈالی ہے غریب الوطنی میں آفت

ناز پروردوں پر اندوہ کی اتنی کثرت
آ کے پردیس میں کن کن سے ہوئی ہے فرقت

ایک کی نور نظر نور نظر ایک اپنا
زور بازو و دل و روح و جگر ایک اپنا

ماں بھی وہ ماں کہ جو پروانہ شمع رخسار
نام فرزند پہ جس کی ہو سدا جان نثار

دم بھر آنکھوں سے گر اوجھل ہوں تو آئے نہ قرار
روز منگوایا کریں دن میں خبر سو سو بار

فرط الفت سے جو وسواس بہت آتے تھے

صدقے ہر روز ہزاروں ہی دیئے جاتے تھے
دیکھنا نام سے دریا کی جسے خوف آئے
سوئے لندن وہی رستے سے تری کی جائے
ملکہ شہر اودھ کی جو سدا کہلائے
آسماں اس پہ ضعیفی میں یہ آفت ڈھائے
یوں جدا بیٹے سے پردیس میں ماں ہو نہ کوئی
ایسا غربت میں تہ خاک نہاں ہو نہ کوئی

منصفی کیجئے جو ماں ہو نثار فرزند
دیکھنے پائی نہ پھر آ کے جمال دل بند
ملک بیگانہ میں وہ خاک کا ہووے پیوند
حسرتیں دل کی رہیں دل ہی میں اور آنکھ ہو بند
رنج ناکامی مطلب سے جگر پارہ ہو
خانہ ویراں و تباہ و وطن آوارہ ہو

بھائی وہ بھائی کہ ہر گز نہ برادر سمجھا
ہر طرح والد ماجد کی برابر سمجھا
بھائی نے بھی اسے فرزندوں سے بہتر سمجھا
یہ محبت تھی کہ معشوق سے بڑھ کر سمجھا
ایسے ملتے ہیں کہیں تابع فرماں بھائی
ایسے دیکھے ہیں کہیں بھائی پہ قربان بھائی

قہر دیکھو وہی پردیس میں بازو ٹوٹے
نقد جاں رہزن مرگ اس کا سفر میں لوٹے
آس ملنے کی بھی جس کی نہ ہو ایسا چھوٹے
کیوں نہ اس رنج میں ہر اک سرد سینہ کوٹے
پھر کے غربت سے نہ وہ یوسف ثانی آئے
نوجواں بھائی کی افسوس سنانی آئے

اور بیٹا بھی وہ بیٹا کہ سعید ازلی
خورد سالی میں فراست ہے بزرگوں کی سی
دیکھ کر طبع مبارک کی بہت ناسازی
پیار سے عرض حضور پدر آ کر خود کی
آپ تشریف نہ لے جائیں ہمارے ہوتے
کہیں تکلیف نہ فرمائیں ہمارے ہوتے

ہم ہیں اس دن کے لئے ہم کو روانہ کیجئے
آپ تشویش نہ کچھ دل میں خدارا کیجئے
گو کہ کم عمر ہیں پر دھیان نہ اس کا کیجئے
مورد طعن زمانہ ہوں نہ ایسا کیجئے
سعی زیبا ہے ہمیں اپنی ریاست کے لئے
آدمی کیا نہیں کرتا ہے حکومت کے لئے

للہ الحمد کہ خالق نے یہ دن دکھلایا
ایک لندن کا مسافر تو سلامت آیا
حق تعالیٰ نے بڑا اپنا کرم فرمایا
یوسف ہند کو یعقوب زماں نے پایا
حق ولی عہد بہادر کو سلامت رکھے
سایہ شاہ میں تا دور قیامت رکھے

ذی لیاقت بہت افضال الٰہی سے ہے
بامروت بہت افضال الٰہی سے ہے
اہل ہمت بہت افضال الٰہی سے ہے
اور غیرت بہت افضال الٰہی سے ہے
کتنا خوش وضع ہے بانکا میرا مرشد زادہ
فہم و جرات میں ہے یکتا میرا مرشد زادہ
اور اس چرخ ستم گار کے سنئے نیرنگ

شاہ غربت زدہ پر دیکھئے بیداد کے ڈھنگ
ایسا پروردہ ناز و نعم اور قید فرنگ
بوئے گل سے بھی جو ہو جان نزاکت دل تنگ
مثل بلبل وہ گرفتار قفس میں ہو جائے
خود جو حاکم ہو وہ یوں غیر کے بس میں ہو جائے

ہر برس سینکڑوں خس خانے ہوں جس کے تیار
ایک ٹٹی کا وہ حکام سے ہو شکر گذار
برف کا جس کے غلاموں کے ہو گھر گھر انبار
آٹھ سیر اس کو کرے برف عنایت سرکار
کیا کہوں حال میں اس وقت کہ ہے کیا میرا
شق ہوا جاتا ہے اس غم سے کلیجا میرا

کیا کروں نقل میں اس ماہ کی بربادی کو
یوں اجڑتے نہیں دیکھا کسی آبادی کو
دیکھنا ساری نمک خواروں کی ناشادی کو
قید کرتا ہے کوئی بھی کہیں فریادی کو
گھر لٹا مال لٹا شہر لٹا وائے نصیب
مال چھٹی بھائی چھٹا دیس چھٹا وائے نصیب

ہائے اللہ سوا تیرے کہوں اب کس سے
غم جانکاہ سوا تیرے کہوں اب کس سے
دل دل آہ سوا تیرے کہوں اب کس سے
تو ہے آگاہ سوا تیرے کہوں اب کس سے
وقت بد میں کوئی بے تیرے مددگار نہیں
تجھ سا ہم بے کسوں کا کوئی طرف دار نہیں

مجھ کو آنکھوں سے دکھائے یہ مقدر سامان
میرا یوسف مرے آگے ہو اسیر زندان

اور میں اس پہ تصدق نہ کروں دولت جان
صدمہ درد جدائی سے رہوں سینہ زنان
سخت جاں مجھ سا زمانے میں نہ ہو گا کوئی
زندہ رہتا نہیں ان صدموں میں اصلاً کوئی

لے چلے میرے مسافر کو جو ہیں کر کے اسیر
خود ہی پوچھا کہ کوئی جرم مرا کچھ تقصیر
یہی فریادی کی ہوتی ہے جہاں میں توقیر
واقعی میری اطاعت کی یہی تھی تعزیر
ایک نے رحم غریب الوطنی پر نہ کیا
دھیان کچھ اپنی بھی بیاں شکنی پر نہ کیا

پھر تو اس وقت زن و مرد میں تھا اک کہرام
صورت ماہی بے آب تڑپتے تھے غلام
ہوش میں اپنے نہ تھے خاص سے لے کر تمام
زندہ درگور تھے ارباب محلات تمام
غل تھا پردیس میں ہم آ کے لئے صد افسوس
قدم شاہ سے غربت میں چھٹے صد افسوس

غرض اس دن سے یہی رہتی تھی باہم تقریر
اپنے مالک کے رہائی کی کرو کچھ تدبیر
نکلے آخر کو اس امید میں ہم بے تاخیر
ہو گئے راہ ہی میں خوبی قسمت سے اسیر
بے خطا سات مہینے تو گرفتار رہے
اپنے خالق سے رہائی کے طلب گار رہے

فضل سے اس کے جو ہیں ہم نے رہائی پائی
اسی غم خانے میں تقدیر ہمیں پھر لائی
جبکہ خالی نظر آرا کہ شاہ آئی

نہ رہا آپ میں پھر اپنا دل سودائی
اسی وحشت میں دم الٹا جو کئی بار اپنا
لے چلا گھر کی طرف کو یہ دل زار اپنا

جب وطن میں ہمیں غربت سے مقدر لایا
دل یہاں آ کے وہاں سے بھی سوا گھبرایا
شدت درد جدائی نے تو قہر اک ڈھایا
شہر کا ہم نے عجب رنگ کچھ آ کر پایا

چوک ویران گلی کوچے میں سناٹا ہے
شہر سارا دل بے کس کی طرح سونا ہے

نہ وہ چہلیں نہ وہ دھومیں نہ وہ چرچے باہم
ایک جا بیٹھے ہوئے دو کو نہ دیکھا خرم
شہر کے لٹنے کا کرتا ہے زمانہ ماتم
والئے ملک کی غربت کا ہے ایک ایک کو غم

بند دروازے کئے بیٹھے ہیں ارباب نشاط
خستہ و برہم و درہم ہیں سب اسباب نشاط

تین حصے سے سوا شہر کھدا پایا تمام
جس طرف دیکھو نظر آتا ہے ایک ہو کا مقام
مہر وش سینکڑوں رہتے تھے جہاں گرم خرام
ٹھوکریں کھا کے بشر چلتے ہیں اس جا ہر گام

اجنبی ہو گئے ایسے یہ بھٹک جاتے ہیں
ساکن شہر تلک راہ نہیں پاتے ہیں

ہو نہ اس طرح کوئی شہر الٰہی تاراج
لکھنؤ والے ہوئے جیسے تباہ و محتاج
جن میں شاہی کوئی کرتا تھا ہمیشہ کوئی راج
ان مکانوں کے نشاں ڈھونڈو تو ملتے نہیں آج

بستیاں ایسی اجڑتی نہیں دیکھیں ہم نے
قسمتیں ایسی بگڑتی نہیں دیکھیں ہم نے

برسا کرتا ہو شب و روز جہاں پر کنچن
ان محلات میں ہوں زاغ و زغن کے مسکن
کوٹھیاں یوں ہوں بجی جیسے کہ اک شب کی دلہن
خس و خاشاک کے ہوں ڈھیر وہاں سیکڑوں من

جو نہ دیکھا تھا ان آنکھوں نے دکھایا ہم کو
نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا ہم کو

جس جگہ کل تک ان آنکھوں سے یہ سلطان دیکھا
جا پڑی آنکھ جدھر ایک پرستان دیکھا
جس کو دیکھا صفت گل اسے خنداں دیکھا
آج اجڑا ہوا ہم نے وہ گلستاں دیکھا

سبق دفتر آرام نہ زنہار پڑھو
آیۂ معتبر و ایا اولی الابصار پڑھو

کثرت لالہ و گل سے جو ہو گلو گلزار
عندلیبوں کو قدم رکھنا ہو جن شاخوں پہ بار
زر گل روز لناتی ہو جہاں باد بہار
ہر چمن میں ہوں وہاں برگ خزاں کے انبار

جائے گل خار ہوں باغی عوض گل چیں ہوں
بدلے سرخی کے لہو سے روشیں رنگیں ہوں

لکھنؤ ایسی تباہی کے سزا وار نہ تھا
اور عشرت کدہ ایسا کوئی زنہار نہ تھا
یوں کبھی جان سے اپنے کوئی بیزار نہ تھا
اس طرح موت کا ہر ایک طلب گار نہ تھا

ان بلاؤں سے تو واقف بھی غم دیدہ نہ تھے

ایسی آفت زدہ ایسے یہ ستم دیدہ نہ تھے
یہی سرکار وہ پارس تھی جو چھو جاتا تھا
چار ہی دن میں اسے مال یہ ہاتھ آتا تھا
خوبی بخت سے توقیر بھی یہ پاتا تھا
کبر سے ایک کو خاطر میں نہ وہ لاتا تھا
روز سامان نئے سب کو نظر آتے تھے
دم میں بنتے تھے کئی کتنے بگڑ جاتے تھے

اور اقلیموں کے لوگوں کی طبیعت یہ کہاں
آدمیت یہ مروت یہ حمیت یہ کہاں
پاسداری و وفاداری وہ ہمت یہ کہاں
جرات و غیرت و اخلاق و محبت یہ کہاں
کہیں یہ وضع ہے اور طرز لباس ایسا ہے
کہیں انسان کا کوئی قدر شناس ایسا ہے

کہیں جانباز و نمودار جوان ہیں ایسے
ٹھاٹھ امیروں کے سواری کے کہاں ہیں ایسے
کس جگہ اہل زباں سحر بیان ہیں ایسے
نہ کہیں ایسے کہیں ہیں نہ مکاں ہیں ایسے
اہل ثروت کا تجمل یہ کہیں اور بھی ہے
اہل ہمت کا تو غل یہ کہیں اور بھی ہے

یہ لگاوٹ یہ بناوٹ یہ زباں پیاری ہے
یہ تراش اور یہ خراش اور یہ طرح داری ہے
آشنا پروری و دوستی و یاری ہے
یہ یہی شہر ہے جس میں کہ یہ غم خواری ہے
مارے غیرت کے تو خود فاقہ کیا کرتے ہیں
آشناؤں کے کہلانے پہ مگر مرتے ہیں

یہی وہ گھر تھا غلام اس کا جو کہلاتا تھا
جس جگہ جاتا تھا توقیر بڑی پاتا تھا
اک جہاں اس کی زیارت کے لئے آتا تھا
جان کر فخر ہر اک آنکھوں پہ بٹھلاتا تھا
ہائے کیا قہر یہ ڈھایا ہے سپردوں نے
ہائے کیا شہر مٹایا ہے سپردوں نے

ایسے ہر فن کی کہیں اہل کمال اور بھی ہیں
امرا کی کہیں یہ ٹھاٹھ ہیں یہ دور بھی ہیں
سارے دنیا میں ملاقات کی یہ طور بھی ہیں
مہ جبینوں کی یہ طرز ستم و جور بھی ہیں
ایسے ہر بات میں ایجاد کہیں ہوتے ہیں
ایسے ہر علم کی استاد کہیں ہوتے ہیں

ایک اس گھر کے بگڑنے سے زمانہ بگڑا
لکھنؤ شہر اجڑنے سے زمانہ بگڑا
جان عالم کے بچھڑنے سے زمانہ بگڑا
بدمعاشوں کے بھی لڑنے سے زمانہ بگڑا
جو جو عشرت کدہ تھا آج وہ غم خانہ ہے
گنج لٹتے تھے جہاں اب وہیں ویرانہ ہے

جس گھڑی ہوتا ہے اس تازہ خرابی پہ گذر
یہ گماں کرتا ہے ہر ایک ستم دیدہ بشر
نہیں اڑتا ہے یہ سڑکوں پہ غبار آٹھ پہر
فرقت شہ میں زمیں شہر کی ہے خاک بسر
دل پہ صدمے جو گذرتے ہیں وہ سب سہتے ہیں
باغ شاہی میں سڑک دیکھ کے یہ کہتے ہیں

چھٹ گیا ہے جو شہ داد گر قیصر باغ

شق ہوا ہے یہ الم سے جگر قیصر باغ
نہر کو کہتے ہیں سب چشم تر قیصر باغ
چشم حیراں کی طرح وا ہے در قیصر باغ
جائے گل خار مغیلاں ہیں عجب ساماں ہے
باغباں آفت تازہ ہے خزاں دربان ہے

خاص بازار کی صورت نہ خدا اب دکھلائے
یا تو اک خلق زیارت کے لئے جس کے آئے
حسن میں مصر کا بازار بھی جس سے شرمائے
راہ چلتے ہوئے یا دن کو وہاں ہیبت چھائے
جلسہ ہر روز جہاں ناچنے والوں کا ہو
اس جگہ رات کو ہنگامہ شغالوں کا ہو

زرد کوٹھی کی وہ آگے کی گجر دم صحبت
کہ نہ تھی بزم سلیماں سے وہ کچھ کم صحبت
نور کے لوگ وہ جو شاہ کے تھے ہم صحبت
چرخ بے مہر نے یوں کر دی وہ برہم صحبت
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

رہس منزل کے وہ جلسے وہ مزے آٹھ پہر
جس کی آراستگی قصر جناں سے بہتر
نشہ حسن میں سرشار ہر اک رشک قمر
ناچ گانے کے تماشے ہی میں ہوتی تھی بسر
کر دیا تھا مے عشرت نے یہ مدہوش ہمیں
فکر کونین کی رہتی تھی فراموش ہمیں

وہ ہوا دار پہ سلطان ملائک منظر
مثل خورشید درخشندہ جمال انور

تھے ساتھ وہ خوباں جہاں کے اکثر
جیسے گل بلبلوں میں اور ستاروں میں قمر
داخل اس طرح سے ہوتے تھے پری خانوں میں
ہائے اب ذکر ہیں ان جلسوں کے افسانوں میں

دو گھڑی دن سے وہ بجھی پہ حسینان جہاں
صورت تخت سلیماں چمنستاں میں رواں
ہائے اللہ یکایک یہ ہوا کیا سامان
نہ وہ گل ہے نہ وہ بلبل نہ چمن نے وہ سماں
یہ گلستاں تو نہ تھا جور خزاں کے قابل
نغمہ سنج اس کے نہ تھے شورو فغاں کے قابل

شہر کو میرے نظر کھا گئی کس کی یارو
ہائے ہونسا تھا یہ کس اہل حسد نے اس کو
نام کو اس کا نشاں رہ گیا باقی اب تو
وصف اس معدن اوصاف کی کیا پوچھتے ہو
ہفت اقلیم میں تو شہر نہیں ایسا تھا
واقعی سچ ہے طلسمات کا یہ خطا تھا

دل خراش ایسی الٰہی کوئی روداد نہ ہو
اس طرح گھر کسی دشمن کا بھی برباد نہ ہو
مدعی ایسا پھر ستم ایجاد نہ ہو
کسی بے جرم پہ دنیا میں یہ بیداد نہ ہو
ایسی سرکار کسی کی نہ لٹے دنیا میں
یوں وطن سے کوئی اپنی نہ چھٹے دنیا میں

اے شہ کشور الطاف و عطا میں صدقے
اے مہ برج عنایات و سخا میں صدقے
اے نہال چمن صدق و صفا میں صدقے

اے میرے مجرم بے جرم و خطا میں صدقے
مجھ کو پھر آنکھوں سے دکھلائے خدا اوج وہی
سلطنت کا وہی سامان ہو پھر فوج وہی

لکھنؤ آپ کا اب بے کس و بے والی ہے
چرخ نے آہ مصیبت یہ نئی ڈالی ہے
در دولت پہ نہ نوبت ہے نہ گھڑیالی ہے
قصر و گلزار کی بربادی و پامالی ہے

جس جگہ آگے پری زادوں کا مجمع دیکھا
کچھ عجب رنگ کا آ کر وہ مرقع دیکھا

شہر میں گاتا ہے جب کوئی بدیسی بالم
ساری عالم کا عجب ہوتا ہے اس دم عالم
روتے روتے کہیں ہو جاتا ہے کوئی بے دم
کوئی کہتا ہے نثار اے میرے جان عالم

دم اب آنکھوں میں ہی دیدار دکھاؤ آ کر
اپنا اجڑا ہوا پھر شہر بساؤ آ کر

منتیں مانی گئی ہیں یہ ہوا خواہوں میں
چلے باندھے ہیں پری زادوں نے درگاہوں میں
اثر اللہ عنایت کرے ان آہوں میں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں جا جا کے تمہیں راہوں میں

جس گلی کوچے میں گذرو یہی چرچا سن لو
جس کا دکھ پوچھو یہی اس کی تمنا سن لو

ایک عالم ہے خریدار مرے یوسف کا
رات دن گرم ہے بازار مرے یوسف کا
لکھنؤ بھر ہے طلب گار مرے یوسف کا
ہے ہر اک طالب دیدار مرے یوسف کا

میں ہی مرتا نہیں کچھ اس بت لاثانی پر
جان عالم کی نکلتی ہے مرے جانی پر

جوگنیں آپ کی اک جوگ لئے بیٹھی ہیں
سر پہ کھیلے ہوئے ہیں جان دے بیٹھی ہیں
سر بصحراہوں یہی عزم کئے بیٹھی ہیں
چاک دل سوزن مژگاں سے سئے بیٹھی ہیں

دو کسی روز کسی جا جو بہم ہوتے ہیں
کیسا آپس میں گلے ملتے ہیں اور روتے ہیں

منہ لپیٹے ہوئے دن رات پڑی رہتی ہیں
شدتیں درد جدائی کی بہت سہتی ہیں
ضبط غم کرتی ہیں کچھ منہ سے نہیں کہتی ہیں
دونوں آنکھیں صفت بحر رواں بہتی ہیں

واقعی درد جدائی بھی بلائے بد ہے
اس میں ایذائے غم و رنج و الم بے حد ہیں

ٹھہرائے دیدہ گریاں کہ شگون بد ہے
دیکھ چپ رہ دل نالاں کہ شگون بد ہے
کیا کریں چاک گریبان کہ شگون بد ہے
بال کیونکر ہوں پریشان کہ شگون بد ہے

وہ دم اللہ زمانے میں سلامت رکھے
قائم اس نام کو تا روز قیامت رکھے

جلد اللہ بدیسی کو ہمارے لائے
پھر ہمیں چاند سی صورت وہ کہیں دکھلائے
چین اس وقت کچھ اپنا دل نالاں پائے
یہ مصیبت غم فرقت کی کہیں کٹ جائے

زیب پہلو جو ہمارے وہ گل رعنا ہو

گرم آغوش تمنا ہو جگر ٹھنڈا ہو

یاد آتا ہے وہ اے یار اکڑ کر چلنا
بانکپن سے دم رفتار اکڑ کر چلنا
شیر کی طرح وہ ہر بار اکڑ کر چلنا
لے کے وہ ہاتھ میں تلوار اکڑ کر چلنا

بانکی ٹوپی کی ادا یاد جب آ جاتی ہے
ایک برچھی سی کلیجے پہ لگا جاتی ہے

اتنے میں پڑ گئی اک دھوم مبارک ہووے
شاد ہوں جو کہ ہیں مغموم مبارک ہووے
یاوری پر ہور مقسوم مبارک ہووے
وصل انہیں جو کہ ہیں محروم مبارک ہووے

یوسف مصر اودھ قید محن سے نکلا
آفتاب فلک ہند کہن سے نکلا

منتیں لوگ بڑھائیں کہ مراد آج پائی
حق نے عشاق کی تاثیر دعا دکھلائی
تازگی کشت تمنائی جہاں نے پائی
غمزدوں کو یہ عجب خوش خبری سنوائی

سوئے درگاہ خدا سجدۂ شکرانہ کیا
کس مسرت سے ادا سجدۂ شکرانہ کیا

کہیں صحنک کہیں کونڈے ہوئے مشتاقوں میں
گلگلے جا کے بھرے مسجدوں کے طاقوں میں
عید وصلت ہوئی غم خواری کے مشاقوں میں
مجلسیں سینکڑوں محتاجوں نے کیں فاقوں میں

دونے دینے کی ہوئی رسم ہوا خواہوں میں
سینکڑوں حاضریاں چڑھ گئیں درگاہوں میں

کوئی یہ مژدہ جاں بخش جو ہم تک لایا
اس نے اعجاز مسیحا کی طرح دکھلایا
دم اسی دم تن مردہ میں ہمارے آیا
دل بے تاب نے ہم کو یہ قلق سمجھایا
رخ تم اب اپنا سوِ قبلہ حاجات کرو
یہ دعا دل سے پے خسرو خوش ذات کرو

کہ الٰہی پئے توقیر امام مام سموم
بہر بے آئی شاہ شہدائی مظلوم
اور از بہر گجر سوزیئے طفل معصوم
از پئے عصمت و اعزاز جناب کلثوم
تو مرے شاہ کو سلطان اودھ پھر کر دے
در مقصود سے دامان تمنا بھر دے

میر حسن

(۱۱۴۰ھ تا ۱۲۰۱ھ)

نام و خاندان

میر غلام حسن نام حسن تخلص خلف میر غلام حسن ضاحک' اباؤ اجداد ان کے ہرات کے رہنے والے تھے۔ امامی ہروی نے' کہ میر حسن کے جد تھے' انقلاب زمانہ کے ہاتھوں وطن اصلی کو چھوڑ کر پرانی دہلی میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ میر ضاحک دہلی ہی میں پیدا ہوئے اور میر حسن کا بھی ابتدائی زمانہ وہیں بسر ہوا۔

وضع و عادات

اس باب میں منشی کریم الدین نے ۱۸۴۸ء کی زبان میں گارسنڈ تسی کا قول اس طرح پر ترجمہ کیا ہے کہ "میر حسن اپنے باپ کے خلاف اس بات میں تھا کہ ڈاڑھی اپنی بالکل صف چٹ کرواتا اور پگڑی اگلے وقت کے لوگوں کی سی باندھتا اور پوشاک[1] اپنے باپ کی سی پہنتا تھا۔ قد اچھا بڑا تھا۔ رنگ بھورا۔ وہ ظریف اور خوش خلق آدمی تھا مگر بیہودہ اور کلام معیوب زبان سے کبھی نہ نکالتا تھا۔ سوائے ازیں شیریں مزاج اور پسندیدہ تعلیم یافتہ تھا۔ کسی نے اس کو برا نہیں لکھا اور نہ کچھ الزام لگایا" لیکن بعض کتابوں میں جو ان کی تصویر دیکھنے میں آئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب

---

[1] بجز عمامہ و ریش اقبہ میر صاحب کی خاص وضع تھی

آب حیات "ان کے سر پر بانکی ٹوپی تن میں تنزیب کا انگرکھا' پھنسی ہوئی آستینیں' کمر سے دوپٹا باندھا ہوتا تھا۔ گمان غالب یہ ہے کہ دہلی میں ان کا طرز لباس وہی ہو گا جو ان کے والد کا تھا لیکن قیام لکھنؤ کے زمانے میں اس میں بہت کچھ تبدیلی ہو کر آخر کار وہی وضع قرار پائی ہو گی جس کا نقشہ آزاد نے کھینچا ہے۔

سلسلہ شاعری

میر حسن کو لڑکپن ہی سے شعر و شاعری کا بدرجہ کمال شوق تھا چنانچہ بزمانہ نوعمری "شاہجہاں آباد میں مصلح غزل کے میر درد صاحب تھے اور آخر میں بعد بربادی سلطنت اس شہر کے مصنف مع والد بزرگوار فیض آباد میں آکر آباد ہوا ضیاء الدین ضیاء اصلاح دیتے رہتے کبھی کبھی مرزا رفیع السودا سے بھی کہ ضیاء ان کے ہم مشق تھے مشورہ کا اتفاق ہوا۔" [1]

اس بیان سے معلوم ہو گا کہ میر حسن کہ استادی کا فخر ایک سے زیادہ لوگوں کو حاصل ہے۔ لیکن درد اور سودا کی شاگردی کو عارضی سمجھنا چاہیے کیونکہ درد نے ابتدا میں اور سودا نے آخر میں صرف چند روز انہیں اصلاح دی تھی۔

درحقیقت میر حسن مستقل شاگرد میر ضیاء الدین ضیاء کے ہیں جن کی نسبت مصحفی اپنے تذکرہ شعرا میں لکھتے ہیں کہ "میر ضیاء الدین ضیاء استاد میر حسن شاگرد میر تقی میر... میر حسن بسیار ثنا خوان و معتقد او بود" آزاد نے اساتذہ میر حسن کے زمرے میں ان کے والد میر ضاحک کو بھی شامل کیا ہے جو بالکل قرین قیاس ہے۔

علمی استعداد

میر حسن کی علمی قابلیت کے باب میں بھی تذکرہ نویسوں کے اقوال مختلف ہیں میرزا علی لطف اپنے تذکرہ گلشن ہند میں کہتے ہیں کہ "اقسام علمی سے توجمیع علوم میں انہیں اقرار ہمدانی ہے' ہاں مگر اشعار میں ان کے البتہ ایک صفائی اور روانی ہے۔" لیکن حکیم عبدالماجد لکھنوی مثنوی بدر منیر کے دیباچے میں فرماتے کہ "میر حسن طبقہ سادات عظام

---

[1] دیباچہ مثنوی میر حسن از حکیم عبدالماجد

سے ہے اور تحصیل علم اور فن شعر کی اس کے خاندان میں قدیم الایام سے ہے۔ چنانچہ مقبول الکونین میر غلام حسین ضاحک والد اس بزرگوار نے عربی میں شرح ملاتک اور فارسی میں استعداد تمام بہم پہنچائی تھی اور شعر فارسی ہندی اور ظرافت طبعی میں بھی کہ تخلص سے ظاہر ہے اسے کمال رسائی تھی۔ چنانچہ یہ رباعی فارسی نمائش شاہد استعداد اس استاد کے لئے آرسی ہے۔ رباعی

فریاد دلاں کہ غمگساران رفتند
سیمیں بدناں و گلذاراں رفتند
چوں بوئے گل آمد نہ برباد سوار
در خاک چو قطرہ ہائے باراں رفتند

اور دادا نے بھی اس کے بامداد الہی علاوہ حاجی ہونے کے فضیلت میں خوب داد دی تھی۔ حقیقت حال غالباً یہ ہے کہ اس باب میں مولوی کریم الدین کا یہ قول صحیح[1] ہے کہ "حسن عربی بالکل نہ جانتا تھا لیکن فارسی سے آگاہ تھا اس لئے اس زبان میں شعر بھی لکھے ہیں۔" کیونکہ حکیم عبدالماجد نے بھی علم و فضل کے بیان میں حسن کے بجائے ان کے باپ اور دادا ہی کی تعریف کی ہے اور وہ بھی اس قدر کہ "والد اس بزرگوار نے عربی میں شرح ملاتک استعداد بہم پہنچائی تھی۔"

البتہ میر حسن کی فارسی دانی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ علاوہ متفرق فارسی اشعار کے ان کی اردو شاعری میں بھی فارسی ترکیبوں یا ان کے ترجموں اور عام فارسی انداز بیان کی ایسی لطیف مثالیں[2] کثرت کے ساتھ موجود ہیں جن کا کسی فارسی نہ جاننے والے شاعر کے کلام میں موجود ہونا ناممکنات سے ہے۔

اولاد و شاگرد

حسن نے باوجود کامل استاد ہونے کے کسی کو اپنا مستقل شاگرد بنانا پسند نہ کیا حتیٰ کہ اپنے صاحبزادے میر مستحسن خلیق کو بھی خود اصلاح نہ دی بلکہ مصحفی کے سپرد کر دیا یہی وجہ ہے کہ دنیائے غزل گوئی میں ان کا سلسلہ شاعری بہت جلد ناپید ہو گیا۔ لیکن جو کچھ ان سے

---

[1] ترجمہ شعرائے اردو از گارسنڈ تیسی صفحہ ۲۱۴۰

[2] آگے میر حسن کے کلام کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے اس میں اس بیان کا کافی ثبوت مل جائیگا۔

نہ ہو وہ باامرالٰہی ان کی اولاد سے ظاہر ہوا اور اس شان سے ظاہر ہوا کہ ان کے پوتے انیس و مونس وانس اردو زبان کی ایک صنف کے موجد قرار پائے اور فن مرثیہ گوئی کا ایک ایسا نمونہ چھوڑ گئے جس کے اس وقت ہزاروں پیرو موجود ہیں اور غالباً ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

میرحسن کے چار بیٹوں میں سے تین شاعر تھے۔ میر مستحسن خلیق، میر احسن خلق اور میر محسن محسن ان سب کا قیام فیض آباد میں رہتا تھا۔ چنانچہ خلیق و محسن بہو بیگم صاحبہ والدہ نواب آصف الدولہ کے داماد میرزا تقی کی سرکار سے متعلق تھے اور میر خلق داراب علیخان کی خدمت میں رہتے تھے۔ خلیق و خلق سے ایک ایک دیوان بھی یادگار موجود ہے۔

تصانیف

میر حسن کے تصانیف سے دیوان[1] حسن مشتمل برجملہ اقسام سخن اور مثنوی بدرمنیر معروف اس وقت تک موجود مشہور ہیں۔ اگرچہ دیوان چونکہ چھپا نہیں ہے اس لئے کمیاب ہے یہاں تک کہ آبحیات میں اس کی نسبت لکھ دیا گیا ہے کہ "اب نہیں ملتا" تذکرہ شعرائے ریختہ نایاب ہے اور یہی حال ان کی دو اور مثنویوں کا بھی ہے جن میں سے ایک کا قصہ اس طرح پر ہے کہ ایک موقع پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چھڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا۔ چنانچہ سفرمذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے۔

اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں کے جانے والوں کے جزیات رسوم کیا کیا ہے

خاتمہ

دہلی چھوڑنے کے بعد میر حسن فیض آباد اور بعد ازاں لکھنؤ میں جا کر مقیم ہوئے جہاں انہوں نے بڑی شہرت پائی اور نواب سالار جنگ نیز ان کے بیٹے نواب مرزا نوازش علیخاں صفدر جنگ کی مصاحبت میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کی اور آخرکار وہیں عشرہ اول

---

[1] آب حیات آزاد صفحہ ۲۶۲

ماہ محرم ۱۲۰۹ھ میں بعہد نواب آصف الدولہ وفات پائی اور عقب باغ نواب قاسم علی خان واقع محلہ مفتی گنج میں مدفون ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر[1] ۶۰ سال سے زیادہ تھی "شیخ مصحفی نے تاریخ کہہ کر حقِ آشنائی ادا کیا"

چوں حسن آں بلبل خوش داستان
رو ازیں گلزار رنگ و بوبتافت
بسکہ شیریں بود نطقش مصحفی
شاعر شیریں زباں تاریخ یافت

میر حسن کی شاعری

حسن کا طرز کلام زیادہ تر میر اور کمتر سودا کے انداز شاعری سے ملتا جلتا نظر آتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ سودا سے بلاواسطہ اور میر سے ضیاء کے واسطے سے ان کی شاگردی مسلم ہے۔ بیان سے گزر کر زبان کو دیکھئے تو وہ بھی انہیں دونوں بزرگوں کی سی ثابت ہوتی ہے۔ وہی "میں دیکھا" "میں کیا" جو میر و سودا درد کے کلام میں پایا جاتا ہے ان کے ہاں بھی موجود ہے "دیکھوں ہوں" اور دیکھے ہے" اس کے تئیں "ٹک" کی سادگی اور شیرینی حسن کے دیوان میں بھی وہی کیفیت پیدا کرتی ہے جس کی بہار میر کے کلام کی جان ہے فارسی ترکیبوں کے ترجمے ان کی غزلوں میں بھی دلپذیری کی اسی شان میں نمودار پائے جاتے ہیں جس کا جلوہ سودا اور قائم کی سحر طرازیوں کے ساتھ مخصوص ہے ملاحظہ ہو۔

دور سے باغ جہاں دکھلا کے دیوانا کیا
متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانا کیا
دیکھتے ہی مے کو ساغر کا نہ کھینچا انتظار
مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا
طرفہ تر یہ ہے کہ اپنا بھی نہ جانا اور یہ نہیں
اپنا اپنا کہہ کے مجھ کو سب سے بے گانا کیا

---

[1] آزاد اور مولوی کریم الدین کا قول ہے کہ میر حسن نے ۵۰ سے کچھ زیادہ عمر پائی لیکن ہم عمر مصحفی کی ۶۰ سال والی روایت قابل ترجیح ہے۔

بے وفائی نے یہ کس کی تجھ کو سمجھایا حسن
ان دنوں کیوں تو نے کم اس طرف کا جانا کیا

دل بچھڑ کر جو چلا اس بت مغرور تلک
دیکھنے میں بھی گیا اس کے تئیں دور تلک
مر گئے دن ہی کو ہم ہجر میں بارے صد شکر
کام پہنچا نہ ہمارا شب دیجور تلک

اصناف سخن میں سے میر حسن قصیدے کے مرد میدان نہ تھے البتہ غزل سرائی میں ان کا صاحب اختیار اور مثنوی گوئی میں یکتائے زمانہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہے جس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں بقول حضرت آزاد "بے نظیر و بدر منیر کا قصہ لاجواب لکھا' زمانے نے اس کی سحرالبیانی پر تمام شعراء اور تذکرہ نویسوں سے مختصر شہادت لکھوایا۔ اس کی صفائی بیان اور لطف محاورہ اور شوخی مضمون اور طرز ادا کی نزاکت اور جواب و سوال کی نوک جھوک حد توصیف سے باہر ہے۔" جس طرح قصیدے کے لئے بلاغت و شکوہ الفاظ' قطعات کے لئے تسلسل و نوی مضمون' رباعیات کے لئے برجستگی مضمون و الفاظ لازم وملزوم ہیں اسی طرح ذوق سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ بیانیہ مثنوی کے اسلوب نظم میں سادگی و روانی کے بجائے تصنع و مخدوفات کو دخل نہ ہو۔ کیونکہ اس سے مثنوی کی اصلی غرض فوت ہو جاتی ہے اور سامع یا ناظر کی طبیعت اصل قصے سے ہٹ کر رعایات لفظی کے پھیر میں پڑ جاتی ہے۔

افسوس کہ اکثر شعرائے متاخرین نے اس خیال کو پیش نظر نہ رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم کو مثنوی گلزار نسیم کی تعریف کے لئے ضلع جگت' اختصار الفاظ' ابہام مضمون اور اسی قسم کے دیگر مشتبہ صفات کی جانب توجہ کرنا پڑتی ہے۔ ورنہ صرف مثنوی یا بیان حکایت کے لحاظ سے دیکھئے تو پنڈت دیا شنکر کی تصنیف کوئی چیز نہیں ہے اور مثنوی کے برابر بلند نہیں ہے۔ پھر بھی بقول صاحب آب حیات ان کے اشعار غزل کے اصول میں گلاب کے پھول ہیں اور محاورات کی خوش بیانی مضامین عاشقانہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ پہلے غزلوں کی عام خوبی ملاحظہ ہو۔

رو رو کے کیا ابتر سب کام مرے دل کا
کھویا مری آنکھوں نے آرام مرے دل کا
آغاز محبت میں دیکھا تو یہ کچھ دیکھا
کیا جانیے کیا ہو گا انجام مرے دل کا
طوفان ہے زلفوں پر بہتان ہے کاکل پر
ہے رشتہ الفت ہی یہ دام مرے دل کا
جب تک میں جیا مجھ کو قاصد نہ ملا آخر
اب جی ہی چلا لیکر پیغام میرے دل کا
معشوق کی الفت سے مت جان حسن خالی
لبریز محبت ہے یہ جام مرے دل کا

دل خدا جانے کس کے پاس رہا
ان دنوں جی بہت اداس رہا
کیا مزا وصل میں ملا اس کے
میں رہا بھی تو بے حواس رہا
یوں کھلا اپنا یہ گل امید
کہ سدا دل پہ داغِ یاس رہا
شاد ہوں میں کہ دیکھ میرا حال
غیر کرنے سے التماس رہا
جب تک میں جیا حسن تب تک
غم مرے دل پہ بے قیاس رہا

مزا ہے استقامت سے مثال شمع مر جانا
جہاں ثابت قدم رکھنا وہاں سر سے گزر کرنا

کوئی دن کے ہیں مہماں اس چمن میں ایک دن آخر
مثال نکہت گل شام جانا یا سحر جانا
یہی گر خوف ہے تو زندگی کیونکر حسنؔ ہو گی
کہ جب کچھ بات کرنا روبرو اس کے تو ڈر جانا

کیا جانے اس کے جی پر کیا کچھ خیال گزرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گزرا
ایسی ہی آہ باتیں اس بے وفا نے چھیڑیں
روتے ہی روتے جس میں روز وصال گزرا
غیروں میں دیکھ تجھ کو بیٹھے ہوئے کہیں کیا
جو کچھ کہ اپنے دل پر گزرا خیال گزرا
پر منصفی سے اتنا فرمایئے کہ بارے
خدمت میں آپ کی یہی کچھ انفعال گزرا
کن تلخ کامیوں سے راتیں حسن نے کاٹیں
پر تو نہ اس تک اک دن شیریں مقال گزرا

رات غیروں کا بیان آہ و زاری کر گئے
آپ اچھی آ کے میری غمگساری کر گئے
لے کے دامن منہ پر اپنے اس کے کوچے کی طرف
جب ہم آئے موسم ابر بہاری کر گئے
باد چل کر جس طرح مینہ برس جاتا ہے کہیں
آہ بھرتے آن نکلے اشکباری کر گئے
اب کہاں آہوں کے دستے اور کہاں وہ فوجِ اشک
ہم بھی کوئی دن غموں کی فوجداری کر گئے
حال میرا اس سے جو پوچھا کسی نے تو کہا
اے وہی جو آ کے یاں کل بے قراری کر گئے

کل محلے سے حسن کے دل طلب کرتے تھے جو
آج یاں بھی آ کے وہ خانہ شماری کر گئے

اس کے بعد محاورات کی بے تکلفی اور روانی پر نظر کیجئے کہ شاعر نے کس جادو نگاری سے کام لیا ہے۔

اتنی جگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا
تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
گھر سے باہر جو نکلنا ہے تو جلدی سے نکل
ورنہ دھونی میں لگاتا ہوں یہیں مجھ کو کیا

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
دیکھنا زلف و رخ تمہیں ہر وقت
شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
گل ہوئے جاتے ہیں چراغ کی طرح
ہم کو ٹک جلد آن کر دیکھو

اترائیو مت حسن پہ ناداں بہت کچھ
دیکھا ہے ان آنکھوں نے میری جان بہت کچھ

ابرو سے اور مژہ سے عالم کی جان لی ہے
پہلے پہل یہ اس نے تیر و کمان لی ہے

ہر ایک دل و جان کے مرغوب نظر آئے
میں خوب تمہیں دیکھا تم خوب نظر آئے

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاباں دیکھ کر

اب ہم ہجو لکھنؤ میں حسن کے چند شعر نقل کر کے اس تحریر کو ختم کرتے ہیں۔

زبس یہ ملک ہے پتھر پہ بستا
کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا
سیہ گل سے گلی یوں تر رہی ہے
بغل جس طرح زنگی کی بے ہے
کنواں بھی یوں ہی پھر اس تنگ گھر میں
پڑے پتلی کا تل جیسے نظر میں
ہزاروں راہ اس میں پیچ در پیچ
ولیکن مثل زلف زشت رو ہیچ
زبس کوفے سے یہ شہر ہم عدد ہی
اگر شیعہ کہے نیک اس کو بد ہے
کسی کا آسماں پر گھر ہوا میں
کسی کا جھونپڑا تحت الثریٰ میں
فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہے
ہر اک گھر نحس کا سا دل یہاں ہے
کنواں کہنا اسے ہے عقل سے دور
کہ ہے اس گھر کی چھاتی کا وہ ناسور
جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر
پھرے گلیوں میں ٹکراتا وہ در در
سوائے قندیاں دیکھا نہ کچھ اور
سو ہے روپوش وہ بھی دیکھ یہ طور

کیف لکھنوی

(از ۱۲۲۹ھ تا ۱۲۹۲ھ)

نام و خاندان

شیخ فضل احمد نام کیف تخلص خلف شیخ اکبر علی کشمیری لکھنوی میر وزیر صبا کے بہترین شاگردوں میں بجا طور پر صاحب امتیاز خاص سمجھے جاتے ہیں۔ [1]

امیر مینائی مرحوم کی سند

منشی امیر احمد مینائی مرحوم نے امیر اللغات میں سند کے طور پر ان کے اشعار بکثرت نقل کئے ہیں جن سے ان کا مسلم الثبوت استاد ہونا قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔

حضرت تسلیم کی رائے

نیز استادی منشی امیر اللہ تسلیم لکھتے ہیں کہ "اس دور آخر میں سرمست بادہ نازک خیالی پیمانہ پیمائے انجمن مضامین عالی جناب شیخ فضل احمد کیف تخلص شاگرد آتش مغفور کا عجب دم تھا۔ ہمیشہ ان کی خوشگوئی اور معاملہ بندی کا مقر ایک عالم تھا۔"

"ان کا دیوان سبحان اللہ عجیب دیوان ہے جس کو دیکھ کر روح نظیری قربان ہے۔ بلاغت معانی سے دمساز، فصاحت پر الفاظ کو ناز، مصرع چست، بندش درست، تراکیب پسندیدہ، محاورے سنجیدہ، کہیں درشتی کلام نہیں، الفاظ غیر مستحسن کا نام نہیں۔" حضرت

---

[1] سا مرحوم لکھنوی کا قول ہے کہ یوں تو صبا کے سینکڑوں شاگرد تھے مگر شاگرد رشید فضل احمد کیف تھے (حسرت)

تسلیم کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیف آتش کے شاگرد تھے اور راقم حروف کے نزدیک بھی یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ کیف کا پایہ استادی کسی طرح صبا سے کم نہیں ہے۔ حقیقت حال غالباً یہ ہے کہ آتش و صبا دونوں نے ان کو اصلاح دی ہو گی۔ لیکن عام طور پر ان کی شاگردی آتش کا حال نہ لوگوں کو معلوم ہے نہ تذکروں میں درج ہے۔

اخلاق و عادات

آزاد روی و بے نیازی یعنی خصوصیات اہل کمال سے کیف بھی بہرہ وافر رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر انہوں نے اپنی ساری عمر تنہائی اور شخصی گمنامی میں بسر کر دی۔ حضرت تسلیم فرماتے ہیں کہ "جب تک اس خاکدان کدورت نشان میں زندہ و سلامت رہے۔ تنہائی دوست دشمن کثرت رہے۔ آزادگی کہ خاصہ اہل کمال ہے دل کو نہایت مرغوب تھی۔ اس عالم اسباب میں سوائے بے تعلقی کوئی چیز نہ محبوب تھی نہ مطلوب تھی۔ بدولت بے نیازی اور استغنا کے ارباب دول سے نہ ملتے۔ کبھی بے ضرورت اپنے گوشہ خلوت سے نہ ہلتے۔ اکثر خاموش رہتے۔ کونین فراموش رہتے۔ صورت سے پایا جاتا تھا کہ دل میں کچھ اشغال معنوی کا بھی مزا تھا۔

شاگرد و تصانیف

لکھنؤ میں آپ کے بہت سے شاگرد تھے جن میں سے خواجہ حسام الدین حسام اور مولوی انعام اللہ انعام کے "قطعات تاریخ وفات استاد" دیوان کیف کے آخر میں درج ہیں۔ حضرت حسام کی تاریخ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کیف خواجہ آتش کے شاگرد تھے واللہ اعلم۔

دیگر حالات و خاتمہ

آخر عمر میں انہوں نے مولوی محمد انعام اللہ صاحب نجم تخلص ڈپٹی کلکٹر غازیپور کے

مکان پر بمقام فرنگی محل لکھنؤ اقامت اختیار کر لی تھی۔ بقول حضرت تسلیم "مولوی صاحب ممدوح ہر حال میں شرط خدمت بجا لاتے تھے... آخر کار ۶۳ برس کی عمر پا کر.... ۴ ربیع الثانی ۱۲۹۲ء شب جمعہ ۱۱ بجے راہی عالم بقا ہوئے۔ شاگردان راسخ الاعتقاد کے دلوں کو سوز غم واندوہ نے جلایا۔ یاران غمگسار کے لب پر اناللہ وانا الیہ راجعون آیا۔ مولانا انوار کے باغ میں آپ زیب آغوش لحد ہوئے۔"

میر ولد حسن فوق، مولوی فصیح اللہ وفا، مرزا مچھو بیگ عاشق شیخ اشرف علی اشرف منشی امیر اللہ تسلیم اور خواجہ عزیزالدین وغیرہم نے وفات کی تاریخیں کہیں۔ خواجہ صاحب کی تاریخ درج ذیل ہے

فضل احمد چو رفت ہاتف
پر سید چہ رفت برنوائے کیف
گفتا کہ باست گنہگار
فضل احمد بود بہر کیف

کیف کی شاعری

کیف کی شاعری لکھنؤ کے اکثر شعرائے دور آخر کی صفائی اور محاورہ بندی کا بہترین نمونہ ہے شیخ ناسخ کے عہد سے قبل لکھنؤ میں بھی جرات و مصحفی و عیشی کا رنگ مقبول تھا جس میں زیادہ تر تاثیر مضمون اور درد انگیزی بیان کی خصوصیتیں شعرا کے مدنظر ہوتی تھیں یا بالفاظ دیگر یہ کہ دہلی اور لکھنؤ کے شاعروں میں بہت کم بلکہ کچھ بھی فرق نہ تھا۔ لیکن شیخ ناسخ کی تجدید نے صورت حال کو بالکل تبدیل کر دیا اور ان کے عہد میں خوبی شعر کا معیار زیادہ تر صحت زبان پر منحصر ہوگیا اور بیان کی طرف سے لوگوں کی توجہ اس درجہ ہٹ گئی کہ ناسخ و اسیر کا کلام از سرتاپا اور آتش کا کلام جا بجا خشک کلامی کا ایک ایسا نمونہ بن گیا جس سے تدوین لغات میں حصول اسناد کے علاوہ سخن سنجی کا اور کوئی لطف نہیں حاصل ہو سکتا اور یہیں سے ہے کہ ہم ناسخ کو بلا خوف تردید اردو زبان کا بنانے والا لیکن اردو شاعری کا

بگاڑنے والا قرار دیتے ہیں۔ ناسخ کے اکثر شاگردوں نے استاد کا پورا پورا تتبع کیا مثلاً میر علی اوسط رشک اور خواجہ وزیر کی شاعری صنائع لفظی کی بہترین لیکن بے رنگی اور بے لطفی کی بدترین مثال ہے۔

لیکن بعض شاگرد ان کے ایسے بھی ہوئے جنہوں نے طرز تو لکھنؤ ہی کا قائم رکھا لیکن اسے گوارا بنانے کی ایک پسندیدہ ترکیب دریافت کرلی وہ یہ کہ درد و تاثیر کی کمی کو زبان کی صفائی اور محاورے کی بے تکلفی سے پورا کر دیا مثال کے لئے شیخ امان علی سحر اور مرزا محمد رضا برق اور ان کے شاگرد رشید میر وزیر نور کا کلام ملاحظہ طلب ہے۔

آتش کے ہاں پہلے ہی سے درد کی چاشنی موجود تھی۔ صبا نے اس میں صفائی اور سادگی کے جوہر زیادہ کئے اور کیف نے ان سب خوبیوں میں ایک صفت اور بڑھائی اور لکھنؤ کے محاوروں کو اس بے مثال طریق پر اپنی شاعری میں صرف کیا کہ طرز لکھنؤ میں باوجود بے لطفی ایک قسم کا وصف پیدا ہو گیا اور یہی ان کا کمال ہے۔ چنانچہ خود ہی ایک مقطع میں لکھتے ہیں۔

محاورے کا مزا ہو جن میں بہت اے کیف
مرا کلام سنیں وہ مری زبان دیکھیں

مندرجہ ذیل غزلوں میں نشان زدہ الفاظ اور محاوروں کی خوبی ملاحظہ طلب ہے۔

مے سے لبالب آج جو شیشہ اٹھا لیا
ساقی نے اپنے زعم میں اِکّا اٹھا لیا

ہم میں بھی اتنی طاقتِ صبر و قرار تھی
تیرا مزاج اے گلِ رعنا اٹھا لیا

اس سرو قد نے آج کیا انتہا کا زور
گل کو زمین سے قدِ بالا اٹھا لیا

کب سے جھکا ہوا ہے فلک جانبِ زمین
کیا جانیے کہ خاک سے کیا کیا اٹھا لیا

آرائشوں سے یار کو فرصت کہاں ملی
رکھا جو آئینہ کبھی شانہ اٹھا لیا

کن محنتوں سے ہم نے بنایا خدا کا گھر
ہم نے الگ خلیل سے کعبہ اٹھا لیا
دم بھر سرک گیا جو رخ یار سے نقاب
آنکھوں نے خوب لطف تماشا اٹھا لیا
ہم عاشقوں میں اس نے نہ دیکھا جو کچھ ہنر
آخر کو کارخانہ دنیا اٹھا لیا
لٹنے لگے جو روز ازل ظرف مے کشی
جم نے پیالہ کیف نے مینا اٹھا لیا

عام طور پر مگدروں کی جوڑی ہوتی ہے لیکن اکا صرف ایک بھاری مگدر کو کہتے ہیں جو دونوں ہاتھوں سے ہلایا جاتا ہے۔ اسی کا ذکر مطلع میں ہے۔ دوسرے شعر میں مزاج اٹھانا اور چھٹے شعر میں کعبہ اٹھا لیا بمعنی تعمیر کر لیا اردو کے خالص محاورے ہیں۔

یہ ہمیں ہیں کہ ہمارا نہ دل زار پھرا
اپنے اقرار سے کیا کیا وہ ستمگار پھرا
شب فرقت بھی کٹی اور وہ رونا بھی گیا
منہ پہ پانی نہ ترے اور دل بیمار پھرا
کیا کہوں میں حرم و دیر سے نکلا کیوں کر
توڑ کر سبحہ پھرا پھونک کے زنار پھرا
مجھ سا بے باک بھی ہو گا نہ شرابی کوئی
لڑکھڑاتا میں ہمیشہ سربازار پھرا
شام سے منتظر اے کیف یوہیں بیٹھا ہوں
ہو گئی صبح نہ اب تک وہ دل آزار پھرا

دوسرے شعر میں پانی پھرنا بمعنی رونق آنا اور چوتھے شعر میں پھرا بمعنی پھرا کیا یا پھرتا رہا اور مقطع میں پھرا بمعنی آیا مستعمل ہوا ہے۔

کشتہ تیغ ناز ہیں ہم لوگ
واہ کیا سرفراز ہیں ہم لوگ
پھاڑیں دامن کہ جیب چاک کریں
ہر طرح سے مجاز ہیں ہم لوگ
خانہ دل میں خاک اڑتی ہے
ایسے بے امتیاز ہیں ہم لوگ
کیا کمی ہے خدا پرستوں کی
ابھی بندہ نواز ہیں ہم لوگ
کہیں مہر سکوت ہیں اے کیف
کہیں افشائے راز ہیں ہم لوگ

دوسرے شعر میں ہم لوگ ہر طرح سے مجاز ہیں غور طلب ہے کہ مجاز کا استعمال صرف اسی صورت سے صحیح ہوتا ہے۔ چوتھے شعر میں "ہیں" بمعنی موجود ہیں یا زندہ ہیں خاص اہل زبان کی گفتگو ہے۔

مشغول ہیں وہ میر گل و لالہ زار میں
پھولے گا اک نہ ایک گل اب کی بہار میں
کیا جانیئے کہ ہوتی ہے وحشت کسے کسے
ہم کو تو ہوش ہی نہیں رہتا بہار میں
پایا لطیف اُسے جو بہت باغباں نے
جان اپنی گوندھ دی ترے پھولوں کے ہار میں
اللہ رے جوش گل کہ شگوفوں کے بار سے
کھل کھل گئے درخت تک اب کی بہار میں

پہلے شعر میں گل کھلے گا کی جگہ گل پھولے گا لکھا ہے راقم الحروف کو اس محاورے کی صحت کا تحقیقی علم نہیں ہے۔ چوتھے شعر میں "کھل کھل گئے" بمعنی شق ہو ہو گئے مستعمل ہوا ہے۔

کب دخت رز کے واسطے قصے بڑے نہیں
تھانے گئے نہیں کہ عدالت چڑھے نہیں
کرنی ہے روشنی ہمیں کنج مزار میں
اے دل چراغ داغ محبت بڑھے نہیں
قاصد ہمارے نامے کا لایا ہے یہ جواب
خط پرزے کر کے پھینک دیا اور پڑھے نہیں
کرتے ہیں آپ وعدہ فردا اے حشر تو
اتنا رہے خیال ذرا دن چڑھے نہیں
اے کیف سچ ہے خاک رہے رتبہ سخن
کہتے ہیں اب وہ شعر جو کچھ بھی پڑھے نہیں

مطلع میں عدالت چڑھنا عوام الناس کا ٹھیٹ روزمرہ ہے۔ دوسرے شعر میں بڑھے نہیں بمعنی گل نہ ہونے پائے "نہایت خوبی کے ساتھ آیا ہے۔ تیسرے شعر میں "پڑھے نہیں" "محاورہ اردو کے بالکل مطابق ہے۔ ایسے موقعوں پر حرف "نے" کا حذف کر دینا ہی فصیح سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کہیں گے کہ "آج مجلس میں میر صاحب بہت اچھا "پڑھے" بمعنی میر صاحب نے خوب پڑھا۔

کرے جماؤ جو وہ گلعذار محفل میں
کھینچ آئے باغ کی ساری بہار محفل میں
فقیر ہوں کسے اے مے فروش ضامن دوں
کرے گا کون مرا اعتبار محفل میں
گلاب طرح ہو جیسے کہ اور پھولوں پر
اسی طرح ہے تمہاری بہار محفل میں
ہنسی میں کیا کوئی لے جائے بیش رفت ان سے
نہ راہ میں انہیں غیرت نہ عار محفل میں
گلے میں ڈال کے باہیں وہ سمتن بولا

ملا ہے کیف کو گوٹے کا ہار محفل میں

چوتھے شعر میں پیش رفت لے جانا کی ترکیب ملاحظہ طلب ہے کیونکہ اس محاورے کے صحیح استعمال کی صرف یہی ایک صورت ہے۔

اندوہ نشارتین سے ساقی امان دے
سبزی بھی تھوڑی بادہ گلگوں میں چھاندے
عالم خرام یار پہ کیونکر نہ جان دے
قامت وہ ہے جو صاف قیامت کی شان دے
تیغ ادا سے قتل پہ باندے اگر کمر
پیر فلک کو بھی نہ طرح وہ جوان دے
لڑکوں کے بر زبان ہے یہ اب کی بہار میں
آئے جنوں کا اپنے کوئی امتحان دے

دوسرے شعر میں شان دے کا مفہوم یہ ہے کہ "جس سے قیامت کی شان پیدا ہو" اور پانچویں شعر میں "لڑکوں کے برزبان ہے" صحت محاورہ کی بہت اچھی مثال ہے۔

خم مے ساتھ لئے پیر مغاں آتا ہے
میں وہ پیاسا ہوں مرے پاس کنواں آتا ہے
بادہ خواروں کی جو کرتا ہے مذمت واعظ
بند کرنے کو ترا منہ رمضان آتا ہے
نالے ان تک جو پہنچتے ہیں تو وہ کہتے ہیں
ہڈیاں کس کی یہ جلتی ہیں دھواں آتا ہے
اشک خونی سے مقدم نہ ہو کیونکر نالہ
پہلے جنگاہ میں لشکر سے نشان آتا ہے
شب کو اک ایک ملک بھیس میں پروانوں کے
دیکھنے کو تری محفل کا سماں آتا ہے

Library
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

پہلے اور تیسرے شعر میں کنوئیں اور دھوئیں کے قافیوں کا لانا کیف ہی کا کام تھا۔
چوتھے شعر میں رواج عام کے مطابق جنگ گاہ کا جنگاہ لکھا ہے۔

جان عیسیٰ کی مرے غم میں سدا جلتی ہے
اس قدر گرم نفس ہوں کہ دوا جلتی ہے
دیکھتا ہے جو کبھی سیر چراغاں ساقی
بدلے روغن کے مے ہوش ربا جلتی ہے
سوزش غم سے یہ دل خاک ہوا جاتا ہے
لے حویلی تری اے ماہ لقا جلتی ہے
شوخ رنگت ہے مرے خون کی تو اس کو کیا
لال کیوں ہوتی ہے کیوں مجھ سے حنا جلتی ہے
تپ الفت کی حرارت نہیں کس کو اے کیف
ایک ہی آگ میں سب خلق خدا جلتی ہے

صباح عید جو وہ بت گلے ذرا ملجائے
نماز بعد ہو پہلے مجھ سے خدا مل جائے
گرا ہے خون جہاں پر ترے شہیدوں کا
وہاں کی خاک کو چھانو تو کیمیا مل جائے
عجب نہیں جو لگاوٹ یہی ہے قاتل سے
فریفتہ ملک الموت ہو قضا مل جائے
مجھے تو عشق کی راہیں ہیں اس قدر معلوم
بتوں کو ڈھونڈھنے نکلوں جو میں خدا مل جائے
کمر سے گیسو بھنگوں تمہارے سرکیں تو
پھر آگے ڈھونڈ نکالیں گے ہم پتا مل جائے
صدائے قلقل مے پر نہ کیوں ہو وجد ہمیں

مغنیوں سے صراحی کا جب گلا مل جائے
چلے بہار میں یوں کیفؔ دشت وحشت کو
کہ جیسے اپنی علاقے پہ کوئی عامل جائے

مطلع کی بے تکلفی آفریں کی مستحق ہے۔ دوسرے شعر میں اکسیر کی جگہ کیمیا عین روزمرہ عوام کے مطابق لکھا ہے۔ تیسرے شعر میں مل جائے معنی سازش کر لے اور ساتویں شعر میں معنی مطابق ہو جائے مستعمل ہوا ہے

ہجر میں نامہ نویسی کا نہ کیوں تار بند ہے
ایک اک شکوہ پہ اس طرح جو طومار بند ہے
رات کیا ہجر میں آئی کہ قیامت آئی
زندگی تلخ ہوئی موت کے آثار بند ہے
عاشق ابرو جاناں ہیں یہ جی سے بیزار
لڑ مریں اب کی اگر شہر میں تلوار بند ہے
ہو جو منظور تماشا مرے داغ دل کا
تیرے گلدستہ میں یہ پھول بھی اے پار بند ہے
آپ کے قد کو جو دی ہو قد یوسف سے مثال
سر بازار قیامت یہ گنہگار بند ہے

اس غزل میں قافیوں کے زور سے ردیف کے مختلف معنی اور پہلو پیدا کر کے کیف نے اپنے خاص رنگ کو بڑی خوبی کے ساتھ بنایا اور محاورہ بندی کا حق ادا کیا ہے۔ مذکورہ بالا انتخاب غزلیات کے مطالعے سے اہل نظر کے دل میں اس خیال کا پیدا ہونا ممکن ہے کہ کیف صرف محاورے کے بادشاہ ہیں لیکن جن لوگوں نے دیوان کیف کو بالا ستعیاب دیکھا ہے وہ ہماری اس رائے کی تائید کریں گے کہ اپنے خاص طرز میں ان کی طبیعت رنگینی سے بھی بیگانہ نہیں ہے۔ مثال کے لئے غالباً مندرجہ ذیل غزلیں کافی ہوں گی۔

اس قدر ہے شہر میں جوش بہار اب کے برس
گونجتی گلیوں میں ہے صوت ہزار اب کے برس

مینھ برستا ہے شرابیں پی رہے ہیں بادہ خوار
کس قدر ہے رحمت پروردگار اب کے برس
ہم وہ مے کش ہیں اگر ہوتا ہمارا دست رس
باندھ رکھتے سرو سے پائے بہار اب کے برس
مچھوں کے ساتھ میخانے میں ہولی کھیلئے
جی میں آتا ہے یہی بے اختیار اب کے برس
ہجر ساقی میں اگر مانگیں دعا برسات کی
پھٹ پڑے ہم پر یہ سقف زرنگار اب کے برس
بادہ خواری موسم گل پر اگر موقوف ہے
آئینہ میں دیکھ لو اپنی بہار اب کے برس
اختلاط بلبل و گل سے کھلا اے کیف یہ
ست ہے کچھ آمد فصل بہار اب کے برس

—— × ——

دیتے ہیں اس شرط پر اپنا دل دیوانہ دیکھ
ہم تجھے دیکھا کریں تو دیکھ ہم کو یا نہ دیکھ
بادہ گلگوں سے ہے اے یار گویا یک رنگ
اپنے ہونٹوں سے ملا کر تو لب پیمانہ دیکھ
ہم فقیر مست ہیں اے محتسب ہم سے نہ پوچھ
ٹوٹ جائے گا ہمارا مفت میں پیمانہ دیکھ
زاہد وہ ان کو جو تو غیرت سے آ سکتا نہیں
رات کو شمع حرم لا کر مرا بت خانہ دیکھ
بحث کرنا ہی عبث اے کیف علم عشق میں
بے حقیقت ہے ابھی جا کر خط پیمانہ دیکھ

غضب ہے اب بھی نہ ساقی اگر شراب چلے
بستے آئے برستے ہوئے سحاب چلے

جو بادہ خوار ہے اتنا تو نام روشن کر
کہ تیرے سائے میں چھپ چھپ کر آفتاب چلے

کسی نے جھونک دیا آتش جہنم میں
تیری گلی سے جو ہم خانماں خراب چلے

الٰہی وہ بھی دن آئے کہ پھر گلستان میں
ہوا اے سرد چلے ساغر شراب چلے

حریف تاڑ گئے بزمِ کیف کا جلسہ
کبابیوں کی دوکانوں سے جب کباب چلے

جمگھٹا ہے اب جو باغ میں مے خواروں کا
آج فردوس میں میلا ہے گنہگاروں کا

مفتوں کیا ہے یار کو حسن بیان سے کیا
نکلا ہے آج کام ہمارا زباں سے کیا

اے کیف چاہوں جب میں لگا لوں انہیں گلے
لوٹے ہوئے ہیں میرے دل بے قرار پر

آخر شیخ ناسخ کے رنگ کی بھی چند خشک اور بے کیف غزلیں بھی درج کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہو گا کہ لکھنؤ کے کسی شاعر کا کلام بے نمکی کے نقص سے خالی نہیں ہے اگرچہ کسی میں عیب کم ہے کسی میں زیادہ

درد دل سے حال اپنا طرفہ مضمون ہو گیا
جبکہ دو نالے کئے اک موزوں ہو گیا

واہ رے تحریر وصف روئے جاناں کا اثر
ہاتھ میں اپنے کیت خامہ گلگوں ہو گیا

دشت وحشت میں کوئی آتش قدم محب نہیں
نقش پا میرا چراغ گور مجنوں ہو گیا

بھول جاتا ہے کوئی جیسے پریشان خواب کو
محو یوں ویسے خیال زلف شبگوں ہو گیا
کیف بخل و حلم دونوں اختیاری امر تھے
کوئی موسیٰ ہو گیا اور کوئی قارون ہو گیا

مژدہ اے وحشت کہ پھر صحرا ہمارا گھر ہوا
داغ پھر دینے کو پیدا لالہ احمر ہوا
اس قدر جوش جنوں میں میں نے توڑیں پٹریاں
تنگ آکر سڑی ہر ایک آہنگر ہوا
دل کبھی ٹوٹا نہ اپنا حادثات دہر سے
ولولے اعجاز ہمت آئینہ پتھر ہوا
دے صدائے صور کا دھوکہ اگر پازیب یار
مردے قبر سے پکار اٹھیں بپا محشر ہوا
تھا نقاب روئے جاناں آپ ہی اے کیف میں
سب طرف دیکھا اسے جب آپ سے باہر ہوا

خوش رہو یوں بھی تمہیں راحت اگر ملتی نہیں
زندگی اے غافلو بار دگر ملتی نہیں
اہل زر کو بھی غریبوں کی تواضع چاہیے
کیا زمیں سے جھک کے شاخ بارور ملتی نہیں
کیوں نہ سر رگڑیں تری چوکھٹ پہ صندل کی طرح
ہم مریضوں کو دوائی درد سر ملتی نہیں
ہاتھ پھیلانا نہ پیش اغنیا اے مفلسو
آبرو بھی صورت آب گہر ملتی نہیں
چھوڑتا ہے کس لئے جام شراب ناب کو
کیف بہر تیغ غم ایسی سپر ملتی نہیں

(۲) سلسلہ مصحفی

ذاکر ثمر مفتوں سرسبز مسرور فرو خلیق غافل عیشی ہوش اسیر آتش ضمیر تنہا شہیدی شعور منتظر واقف خان مخمور گرم صبا ظریف عبرت ملتمس

قادر
شیدا

انعام — انس — مونس — انجم — اظہر

امانت — دبیر — اوج

لطافت — فصاحت

واسطی — جرار — افضل — امیر — حکیم — موزوں — افسوں — شوق

نواب — آہ — وفا — اختر — کوثر — وسیم — ریاض — جلیل — مضطر — حفیظ — شفق — ثاقب — جاہ — صفدر — حسرت — شرواقی — برہم — عزیز

بسمل — افضل — شیدا — اصغر — قدسی — فیض — اعظم — شناور — سلیم — شرف — خلیل — صبا — رند — شوق — منتہی — ماہ — نسیم — شمس — وحید — شاہی — شرر — عارف — سخن — اوج

افسر — اکبر — اکبر

قمر — بقا — آغا — مشرق — حنا — فوق — **کیف** — ازل — فروغ — حضور — سہا — وحید

انتخاب اردوئے معلّٰے

حصہ دوم سیاسی

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	ماخوذ از رسالہ	صفحہ
۱	مسلمانان ہند کا پولیٹکل مستقبل	ایڈیٹر اردوئے معلّٰی	جون ۱۹۰۷ء	۹۵
۲	ہندو و مسلمان اور ہندوستان	از مولوی برکت اللہ (نیویارک)	مئی ۱۹۰۷ء	۱۰۰
۳	فریق نرم کی بعض غلط فہمیاں نمبر ۱ و نمبر ۲	از حسرت موہانی	اگست و ستمبر ۱۹۰۷ء	۱۱۰
۴	اضطراری فوائد کا شکریہ لازمی نہیں	از حسرت موہانی	مئی ۱۹۰۷ء	۱۲۲
۵	مرحوم مصطفےٰ کامل پاشا	از حسرت موہانی	مارچ ۱۹۰۸ء	۱۲۵

مسلمانان ہندوستان کا پولیٹیکل مستقبل

اگرچہ بظاہر حالات دیگر اقوام ہند کے مستقبل و حال سے بالکل غیر مشابہہ نظر آتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے اور ہمارے خیال میں بہت ممکن ہے کہ آج سے بیس برس بعد ملکی معاملات میں مسلمانوں کی وہی پالیسی ہو جائے جو اس وقت کانگریس کے فریق نرم کی ہے اور تیس یا چالیس سال کے بعد مسلمان بھی وہی روش اختیار کر لیں جو اس وقت کانگریس کے گرم فریق نے اختیار کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نظر بحالت موجودہ بعض لوگوں کو ہمارا یہ قیاس غلط معلوم ہو گا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ غلط معلوم ہونا چاہیے کیونکہ مشرقی بنگال میں ہندو مسلمانوں کی باہمی کشمکش اور پنجاب میں ہندو لیڈروں کی گرفتاری پر مسلمانوں کا اطمینان یا کم از کم بے تعلقی یا سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی جدید سیاسی انجمن مسلم لیگ کے مقاصد کا نیشنل کانگریس کی مقاصد سے یک قلم مقتضاد ہونا یہ سب ایسی حوصلہ فرسا اور مایوسی افزا باتیں ہیں جن کے موجودہ ہوتے ہوئے ظاہرا ہندو مسلمانوں کے سیاسی مصالح کا متحد ہو جانا بہت بعید نظر آتا ہے۔

اس موقع پر شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے مقاصد مخالف کانگریس نہیں ہیں چنانچہ نواب وقار الملک بہادر نے اپنی ایک اسپیچ میں بمقام علی گڑھ فرمایا بھی تھا کہ "حاشا وکلاء ہم مسلمان کانگریس کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اپنی قوم کو اس نقصان سے محفوظ رکھیں جس کا ان کو اندیشہ ہے... کانگریس کی کوشش سے مثلاً نمک کا ٹیکس جو ہلکا ہو گیا ہے اس سے تمام "اہل ہند کو یکساں فائدہ پہنچا

ہے۔ علاوہ اس کے ان کی کوششوں سے ہندوستان کے خزانے پر سے مصارف کا بہت سا بار ٹل گیا ہے۔ وقس علی ہذا ایسی کوششوں میں کوئی وجہ نہیں کی کہ ہم ان کی مخالفت کریں اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کے احسان مند اور شکرگزار نہ ہوں۔"

لیکن کانگریس کے ان معمولی اغراض کی مزاحمت نہ کرنے سے یہ کس طرح نہیں ثابت ہو سکتا کہ مسلم لیگ کانگرس کی مخالف نہیں ہے۔ لاریب کانگرس کے مقاصد کو محصول نمک یا ملکی اخراجات کی تخفیف وغیرہ کے چند مسائل تک محدود سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ ہندوستان پر حکومت برطانیہ کا منشا ریل کی سڑکیں بنانا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ انگریز سڑکیں ضرور بنواتے ہیں لیکن ان کی حکومت کا اصلی مقصد سڑکیں بنانا ہرگز نہیں ہے اس طرح اگرچہ کانگریس کی کوشش سے محصول نمک میں ضرور تخفیف ہوئی ہے لیکن اس محصول کم کرانے کو کانگرس کا مقصد اصلی سمجھنا اول درجے کی غلطی ہے۔ کانگرس کا اصلی مقصد نرم و گرم دونوں کو اتفاق ہے حکومت خود اختیاری سلف گورنمنٹ یا سوراج ہے اور جو شخص یا جو معاملات میں وہ اہل کانگریس کا ہم خیال ہی کیوں نہ ہو اور اس لحاظ سے

مسلم لیگ نیشنل کانگرس کی قطعی مخالف ہے

کیونکہ نواب وقار الملک بہادر کی جس اسپیچ کا حوالہ ہم ابھی دے چکے ہیں اس کا تقریباً ۳/۴ حصہ اسی مضمون پر مشتمل ہے کہ مسلمانوں پر من حیث القوم تحریک حریت و حکومت خود اختیاری کی مخالفت کرنا سب سے بڑا پولیٹیکل فرض ہے۔ چنانچہ نواب صاحب نے ختم تقریر پر مدرسہ العلوم کے طالب علموں کو جو نصیحت فرمائی تھی اس کا حرف حرف قابل ملاحظہ ہے کہ "تم فٹ بال کھیلنے میں مشغول ہو یا کرکٹ کے میدان میں کود پھاند کر رہے ہو یا رائڈنگ اسکول میں گھوڑوں پر سوار ہو کر چکر لگا رہے ہو یا ٹینس کے کھیلنے میں سرگرمی دکھا رہے ہو غرضیکہ اس قسم کی ہر ایک حالت میں تم اپنے تئیں انگریزی فوج کے سولجر خیال کرو۔ تم تصور کرو کہ انگریزی پرچم تمہارے سروں پر لہرا رہا ہے۔ تم یقین کرو تمہاری یہ دوڑ دھوپ اس لئے ہے کہ تم ایک دن تاج برطانیہ پر اپنی جانیں نثار کرو۔" اور

ایڈیٹر صاحب وطن اس سے بھی بڑھ کر فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو انگریزوں کی طرف سے خلیفۃ المسلمین سے بھی جنگ کرنے میں دریغ نہ کرو۔ غرضیکہ مسلمانوں کی موجودہ پالیسی کا رجحان بظاہر مقصد حریت کی جانب نہیں معلوم ہوتا۔ تاہم ان کی گذشتہ اور موجودہ پولیٹکل حالت کا موازنہ کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ

قطعی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے

اس لئے کہ مسلم لیگ کا جو مقصد آخری (آئیڈیل) نواب وقار الملک بہادر نے قرار دیا ہے اس کا ہمیشہ کے لئے قائم رہنا کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ برخلاف اس کے گمان غالب یہی ہے کہ پولیٹکل میدان میں در آنے کے بعد جس وقت ان کے جذبہ حریت میں تحریک پیدا ہو گی اس وقت مسلمان کبھی محض انگریزوں کی اطاعت و خدمت کے افتخار پر قانع نہ رہ سکیں گے

مقام غور ہے کہ آج سے چند ہی سال قبل تک مسلمانوں کی مسلمہ پالیسی یہ تھی کہ ہم کو پالیٹکس میں مطلق حصہ نہ لے کر حکمران قوم کے انصاف پر کامل اعتماد رکھنا چاہیے۔ لیکن آج اس قسم کے خیالات کو تعلیم یافتہ مسلمان اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنا بھی گوارا نہ کریں گے اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ جس طرح زمانے نے پہلی حالت کو دوسری حالت میں تبدیل کر دیا اسی طرح سے دوسری حالت کو تیسری اور اس سے بھی بہتر حالت میں ضرور تبدیل کر دے گا چنانچہ۔

نیشنل کانگرس کی مثال

یہی اس دعویٰ کی تائید کرتی ہے اس لئے کہ آغاز کانگرس کے زمانے میں حفاظت حقوق کے متعلق ہنود اور پارسیوں کے خیالات بھی بعینہ اسی انداز کے تھے جیسے کہ آج کل مسلمان لیڈروں کے ہیں مثلاً دادا بھائی نوروز جی کو بھی انگریزوں کے انصاف و راستی پر ایسا ہی بھروسہ تھا جیسا اس وقت مسلمانوں کو ہے اور بنگالی پالیٹیشن بھی طلب حقوق و شکوہ جور کے لئے صرف رزولیوشنوں کا پاس کرنا اور ان رزولیوشنوں میں بھی اعتدال و ادب کا نخی

کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھنا ایسا ہی ضروری جانتے تھے جیسا کہ آج کل مسلمان جان رہے ہیں۔ پس جب مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہی ہے جیسی کہ کانگرس کی بیس سال قبل تھی بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اب رہی یہ بات کہ آئندہ ہمارے زیادہ آزاد خیال ہو جانے کی دلیل ہے اور

مسلمانوں کی موجودہ پالیسی کیوں کمزور ہے

اس کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً (۱) تعلیم کی کمی (۲) دولت کی کمی (۳) آغاز حریت کی قدرتی جھجک (۴) ملازمت سرکاری کا باسانی مل جانا (۵) دیگر اقوام ہند کے ساتھ رقابت کا جوش وغیرہ لیکن بزمانہ آئندہ ان تمام

اسباب کمزوری کا دور ہو جانا بھی یقینی ہے

اس طور پر کہ موجودہ رفتار تعلیم کے لحاظ سے بیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کا دیگر اقوامِ ہند کے برابر ہو جانا بہت ممکن ہے جس سے ان کو حصول دولت میں بھی کافی مدد ملے گی علاوہ بریں کچھ تو گورنمنٹ کی عنایت سے، جس کو مسلمانوں کے ادعائے وفاداری کا انعام سمجھنا چاہیے اور کچھ اس وجہ سے کہ فریق گرم کے موئد از خود خدمت حکومت سے بے زار ہو گئے ہیں آئندہ مسلمان کے لئے میدان ملازمت ضرور زیادہ وسیع ہو جائے گا اور ایک حد تک ان کی بے بضاعتی کی تلافی ہو جائے گی اور جس وقت ان کے پاس کافی سرمایہ جمع ہو جائے گا اس وقت یقیناً وہ طلب حقوق میں زیادہ بے باک ہو جائیں گے اور ابتدائی جھجک بھی جاتی رہے گی کیونکہ حریت کی خواہش ایک ایسی خواہش ہے جس کی ابتدا ضرور ہوتی ہے لیکن انتہا نہیں ہو سکتی یعنی ایک بار دل میں پیدا ہو کر پھر وہ برابر بڑھتی ہی رہتی ہے گھٹنے کا نام نہیں لیتی۔ پالیٹکس سے مسلمانوں کی بے تعلقی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی کمی تعداد کے باعث ابھی تک ان پر عرصہ ملازمت گورنمنٹ تنگ نہیں ہوا ہے اور ان کو بلا جدوجہد سامان فراغت میسر ہو جاتا ہے لیکن یہ حالت ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی ہے اور ایک حد معین کے بعد ان کو بھی صنعت و حرفت و تجارت کی

جانب متوجہ ہونا پڑے گا اور اس وقت حکومت غیر کے جبرو بے انصافی کی ان کو بھی ویسی ہی شکایت پیدا ہو گی جیسی کہ اس وقت دوسری آزاد قوموں کو ہے اور جب اس طرح پر ان کی آنکھیں کھل جائیں گی تو ہندو مسلمانوں کی باہمی رقابت اور بے اعتباری بھی بہت کچھ کم ہو جائے گی اور پولیٹکل حیثیت سے تمام باشندگان ہند ایک متحد قوم بن کر یقیناً اس حق کے دعویدار ہوں گے کہ

ہندوستان صرف ہندوستانیوں کے لئے ہے

اور اس دعویٰ میں ہندی مسلمان بھی یقیناً شریک ہوں گے کیونکہ سلف گورنمنٹ حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ہندو مسلمان متحد نہ ہوں اور اس لئے جب کبھی انشاء اللہ تعالیٰ اس کا وقت آئے گا اس وقت ان دونوں قوموں کے باہمی تعلقات ہرگز موجودہ تعلقات رشک و بے اعتباری کے مانند ہوں گے بلکہ حصول آزادی کی کشمکش ان کو خود بخود مراعات باہمی کی جانب مائل اور سلف گورنمنٹ کے قابل بنا دے گی اور جب یہ حالت ہو گی تو علی الرغم نواب وقار الملک بہادر مسلمانوں کو ہنود کی تعداد و کثیر کی جانب سے اپنے حقوق کی پامالی کا اندیشہ بھی باقی نہ رہے گا۔ فقط حسرت موہانی

ہندو و مسلمان اور ہندوستان

ہندو و مسلمان در ہندوستان

برروئی زمین عدد مسلمین بہ سی کرور نفوس (۳۰۰۰۰۰۰۰) میرسد گویا مسلمانان پنجم حصہ افراد نوع بشر اند۔ تقریباً زیادہ از نصف ایں اعداد در حمایت حکومت ہائے غیر اسلامیہ ہستند ہیچ ملک در دنیا نیست کہ در آں عدد مسلمانان آنقدر باشد کہ در ہندوستاں است عدد مسلمانان۔ ہندوستان بہفت کروڑ(۷۰۰۰۰۰۰۰) میرسد۔ پس صلاح و فلاح مسلمانان عالم متوط است .صلاح و فلاح مسلمانان ہند۔ زیاکو ہنیں۔ جم غفیر ازایشاں در دیگر ملک دریک جا موجود نیست و نجات و حیات مسلمانان ہند وابستہ شدہ است باتحد وممماشات باسائرین اہل وطن خود شان از ہنود وغیر ہم۔ موضوع ایں مقالہ کہ بالخصوص برای التفات علمائے عظام و دیگر ارباب بصیرت از اسلامیان ہند بزبان فارسی ہیئت اجتماعی گرفتہ ہمیں مسئلہ عظیم الشان است۔ دور صفحات ذیل توضیحش حسب اذعان وجدان کمینہ عرضہ داریم

مسلمانان ہندو و فرض واجب الادابر ذمہ خود دارند۔ یکی فرض وطنی است دوم فرض دینی۔ حب وطن مقتضی است کہ انسان در خدمت وطن جان و مال را دریغ ندارد و کسی کہ حسب وطن ندارد۔ .شہادت تاریخ امم از درجہ انسانیت خارج است

شمار مرد کا نراحب وطن نباشد ننگ بشرہمان است لعن خدابر آنست

فرض دینی اقتضا میکند کہ مسلمانان ہند بواسطہ اخوت اسلامیہ مسلمانان دنیا ہر کجا کہ باشند دوست باشند و وقت ضرورت اگر ممکن باشد اعانت کنند۔ دادئی ایں ہر دو فرض منحصر است بیک مسلک و بس و آن مسلک عبارت است از اتحاد سیاسی باہنود ہندوستان۔ حال یک سوال قابل التفات است چرا اہل یورپ مردم آسیارا بنظر حقارت مے بینند؟ بلکہ ایشانرا بہایم لا-عقل می شمرند؟ بیش زبونی اہل ہنداست۔ یک مشتے از تجار انگلش .ہندوستان آمدند و ملک رابا عانت اہل ہندیدست آوردند یک صدو پنجاہ سال است کہ ال و متاع ہندوستان رابا نگلستان می کشند۔ وہر طور میں خواہند قوانین اجرامی کنند وگران بار خراج بر سر مردم می نہند اما اہل ہند ہنوز بعلم سیاست توجہ نہ کروند نکات مالیات رانہ فہمیدند۔ وعادت کار کردن

باتفاق نیا موختند و شرف نفس ندارند- ودائم بحکومت نگرانند- وبذات خود ہیچ چیزے را آغاز نمیکنند- لامحالہ اہل یورپ گمان میکنند کہ این مردم از تمدن برہ ندارند- بلے درین نزدیکی زماں بعضے از سرکردگان ہنودے برموزسیاست بردہ اندو مسلک قوئم گرفتہ- امت رابشاہراہ فلاح ہدایت می کنندو می گویند کہ قوم راباید کہ تعلیم و تربیت ملت رابدست خود بگیرو- و محتاج حکومت بناشد و زمام صنائع و حرف وتجارت و زراعت کہ منبع تمول ست نیز ملت بدست خود بیارو و از خدمات حکومت ہندچہ ملکی وچہ فوجی احرازباید نمود- ونیل ایں مرام موقوف است براتفاق ہر فرقہ دار باب ہر پیشہ کمپنی ہا باید ساختن و اندک اندک پول رافراہم آوردن و بدیانت و دلسوزی کار پیش برد- ہمیں نکتہ است کہ یورپ و امریکہ رادارائے عالم ساختہ است- پول مردم زا فراہم آوردہ راہ ہائی آہنی میسازند و کشتیہای تجاری بنامی کنندواز بطن ارض جگر گوشہ ہائے معاون رابیروں می آرند و صاحب ثروت و دولت زاید الوصف می گردند

اگر مسلمانان ہند ہم ایں مسلک را اختیار کنند- لامحالہ ہر دو فرض وطنی و دینی را ادا کردہ باشند- وقتیکہ ہنود و مسلمانان متفق شوند- قوم انگلش کہ در انگلستان است زود قول الشان راشنود- واستقلال ملک بایشان دہد- چنانچہ کینڈا و اسٹریا یا راداده است دران صورت ہمہ اہل ہندچہ ہندوچہ مسلمان موقر گردندو مسلمانان ہند رایارا باشد کہ برادران دینی خود را کہ در دیگر ممالک ہستند اعانت کنند- اگر مسلمانان باہنود مماشات نکنند خودر اور ورطہ ہلاک اندازند- ہنود آلان درمیدان معارف سیاسیہ و صناعیہ وتجاریہ قدم فرساشدہ اند ہرچند کہ آہستہ رو باشند ہر روز تا شام از مسافت مرحلے طرمی کنند- ومسلمانان چون جماد پابگل افتادہ ہران از منزل دور ترمی شوند بے علمی و بے پولی ایشان را بخاک تسفل میکشد- وپیش از زمان دراز اولاد امراء و شرفائے مسلمین راخدمت جاروب کسی بیازارہا مسلم شود- نصا رائے یورپ کمر برسر انتقام بستہ دمارا از روزگار مسلمانان برمی آرندو ہندوان وطن پرور نیز از بے تمیتی ایشان بجاں آمدہ لامحالہ ایشاں را دشمنان وطن خواہند شمرد- واین دشمنی آن بلاہا برسر مسلمانان ہند خواہد آورد کہ مصائبیکہ نیب روزگار مسلمانان سرویہ وبلغاریہ و جزیرہ کریٹ از دست نصرانیان شدہ بمقابلہ آنہا ہیچ خواہد بود- اکنون وقت است کہ ہنود و مسلمین دفاتر

جنگ و جدل پیشین را باب نسیاں بشویند و مانند فرزندان رشید- بحبل متین حب مادر وطن تمسک زدہ پشت و پناہ یک دیگر گردند

برآز خواب اکنون وقت تو سخت تنگ است
ایں لحظہ گرینالی تیر تواز کمان است

تاریخ ہند دریں عہد جدید سرچشمہ خبرت و عبرت است چون بنیان سلطنت شاہی تیومریہ متزلزل گشت- مدعیان از ہر گوشہ سربر آوردند- ولوائے خود غرضی برافرا ختند از وطن پرستی خطے نداشتندونہ ازدور اندیشی نصیبی- انگلیس کہ دوربین و مال اندیش بود مرہٹہ و ٹیپو سلطان و نظام الملک را از یک دیگر ببرید- وہریک را تنہا افگندہ سبلتش برکند چنانچہ مولوی رومی در مثنوی خویش قصہ "جدا کردن باغبان صوفی و فقیہ و علوی را از ہم" بیان فرمودہ است- درہندوستان بدست انگلیس بعمل آمد ہریک دولت را جداگانہ نوبت بنوبت زبون ساخت- وبالا قہرمان ہمہ ہندوستان گردید

ہر کہ تنہا ماند ازیاران خود ایں چنیں آید مراور اجملہ بد

چوں ہندوستان بدست انگلیس افتاد ہمہ روش عالم تبدیل یافت- چوں بینوایان جزیرہ برطان برکنوز غیرفانیہ ہندوستان دارا شدند- ہمت ایشان بلند شدو داعیہ جہانگیری دردماغ ایشان جاگیر گشت پول ہند لشکر ہا بیارا ستند- واسطولہائے سفائن حربیہ ساختند و بربرو بحر کرۃ الارض تاخت و تاراج آوردند- اگر ہندوستان در تصرف انگلستان نمی بود- تسلط انگلیس بربراعظم افریقہ ازکیپ تاقاہرہ امکانے نداشت وجزائر آسٹریلیا و بنادر چین و جزائر امریکی و غیرہا بدست ایشان نمی آمد- بقوت خزائن ہند بر ملک مصرہ سوڈان ویمن و خلیج فارس و ممالک اسلامیہ در افریقائے غربی وشرقی قابض شدہ اند- ہمیں ثروت ہند است کہ نخوت انگلیس رابا سمان رسانیدہ کہ اکنوں درپے بدست آوردن جزیرۃ العرب وارض قدس و ملک ایران پویان است ندیدی کہ درموسم بہار امسال .سلطان عبدالحمید خان خلد اللہ ملہ پیغام تہدید فرستادہ بود کہ اگر سلطان المعظم عسکر خویش را از مقام طابہ باز نطلبد- حکومت انگلیسیہ بر ممالک عثمانیہ حملہ آور شود- ایں حیلہ بود برائے تعلب بر ملک عرب پیش از تکمیل سکتہ

الحدید بولایت حجاز ودیگر سکہ الحدید تا بغداد۔ اگر شہنشاہ المان۔ حکومت انگلیہ و حکومت عثمانیہ برسلہ سرحد جزیرہ نمای سینا مطبوعات انگلستان چہ لاف و گزاف ازراہ تعلی زدہ بودند۔ نوشتہ بودن کہ حکومت برطانیہ رالازم است کہ از علمای اسلام درہند و مصر در بلب حق خلافت سلطان درم فتوی بگیرد۔ اگر سلطان عبدالحمید را از خلافت عزل کنند۔ یک مسلمانے راکہ درحمایت انگلیس باشد خلیفہ قرار دہند۔ ونیزاماکن مقدسہ اسلامیہ را ازمکہ و مدینہ وبیت المقدس دولت انگلیہ حای باشد و طرق حج ہم درنگہبانی انگلیس باید کبرت کلمتہ تخرج من افواھم وما تخفی صدروھم اکبر دیگر شیندی کہ بیچارہ ہان ماصری را درماہ جون گزشتہ بچہ بیر حمی و وحشی گری بچوب کشیدند و بجنب معلقین بدار دیگراں را بضرب سوط تعذیب نمودند و چوں مسلمانان مصر اظہار غضب نمودند وزیر امور خارجیہ انگلستان در باب جوش و خروش وحشیانہ مسلمانان افریقائے شمالی خطبہ کرد۔ ولشکر انگلیس درملک مصر ازدیاد نمود ہم چنیں صدبہادران اسلام ر اور ملک سقا طوازا فریقائے غربی درماہ مارچ گزشتہ شہادت رسانیدند ایں قوت بانگلیس از کجا آمد؟ از تسلط ایشاں برمالیات ہندوستان۔ اگر امروز بصرف در آید دولت انگلیس مانند ملیجیک یا ہالنڈ از دولت ہائے کوچک گردو۔ وتسلط انگلیس برمالیہ ہندوستان از چیست؟ ازجہت خلاف میان ہندو و مسلمان ومادام کہ مسلمانان و ہنود بجادہ وفاق نمی گرایند۔ استقلال ممالک عثمانیہ وایرانیہ و افغانیہ و مراکشیہ رادر معرض خطری اندازند۔ اگر بنظر انصاف ملاحظہ کنیم ہمی خطا خطائے اہل ہند است کہ بمالت دوست و تقتقر قانع شدہ سائر عالم را از ترقی باز داشتہ اند۔ مادام کہ پنجم حصہ نوع بشریہ بندگی تن در دادہ شتے مردم را قدرت بفسا دو غصب و جفا کاری بخشیدہ اند۔ حریت ہر فرد بشر در خطر است اگر بجائے انگلیس قومے دیگر بودے بندہ منشی اہل ہند مرآن قوم رانیز مختل الدماغ وفا سرالاخلاق ساختہ بودے۔ درنفس الامر گنا حو انگلیس نیست۔ زیر اکہ پادشاہ انگلیس در ۱۸۳۳ء ۱۸۵۸ء بسوگند موکد وعدہ کردہ است کہ اہل ہند حق دارند کہ ادارہ ایشان بدست ایشان باشد۔ اماچوں ہندیان از علم سیاست عطف عنان کردہ درمغارہ انہماک بفضولیات افتادہ اندوبزبونی راضی شدہ۔ لامحالہ آں حکام کہ برائے حکومت ہندوستان می آیند۔ حسب اقتضائے واحضرت الانفس الشح (ہمہ جانہا آودہ حرص و ہوا ہستند) از نادانی ہندیان انتفاع

میگیر ند۔ منفعت خویش را بر منفعت ہندیان مرجح دارند وایں محض طبعی است۔ چنانکہ شاعر جاملیت ایں قانون فطرت رابکمال خوبی ادا کردہ است میگوید ومن لمیزد حوضہ بسلاحہ۔ بعدم= ومن لا یظلم الناس۔ یظلم (وہرکس کہ حوض آب خویش رابازو۔ شمشیر محفوظ اندارد لا محالہ آں حوض بدست غنیم بشکستہ خواہد شد و ہمچنیں ظلم مردم را اگر کسی بزور شمشیر از خودرو نکند۔ محالہ مردم برو ظلم خواہاند کرد) ہمیں قانون راوحی الٰہی ہم تقریر فرمودہ است۔ واعد والھم ما استطعتم من قوۃ ومن الرباط الخیل ترھبون کہ عدواللہ وعدو کم (واز برائے مدافعہ ایشان (دشمنان) بقدر استطاعت خویش قوت مہیا دارید۔ واسپا نرابرای جنگ تربیت کنید۔ وایں قوت شاد تہیہ برای جنگ در دل دشمنان خدا و دشمنان شمارعب وہیبت خواہدانداخت (وبرشما حملہ نخواہند کرد) پس اگر انگلیس ہمہ اراضی ہند را ملک حکومت قرارد ادو برزمین خراج گراں بار نہاد یا صنائع ہندر اخراب نمودہ برتجارت خارجیہ ہندوستان حاوی گشت یا برمناصب جلیلہ ملک مردم انگلیس نزادراتعین کرد و خدمات رزیلہ بھردم ہنداد۔ یا در محکمہ قضا قاتلانہ انگلیس پاداش جرم نمی یا بند۔ بالجملہ ایں ہمی جورو جفا ہا کہ ہندیان از انگلیس می بینید۔ درحقیقت نتیجہ جہالت و غوایت ایشاں است۔ نہ خطای انگلیس

۔ دریں عصر علم نمول قومی باصول حکمت مضبوط شدہ است۔ اصول تجارت مابین الدول و ترقی صنائع و حرف ملیہ بدرجہ غایت پیچیدہ و دقیق گشتہ۔ موشگافے فیلسوف لازم است برای پے برون بکنہ مداخل و مکارج اقوام۔ و تحقیق و تدقیق حکیم باید تا باسرار تجارت دنیا امروز پے برس۔ معدودی چند در یورپ و امریکہ برثروت عظیمہ عالم قابض شدہ اندو اکثر ایشان یہودیا نند۔ وایں تمول مافوق الاعادت ایشاں۔ رادارای تجارت و صنائع ہمہ گیتی کردہ است بقوت زر ممالک رازیر وزبری کنند۔ حکومت ہائے یورپ بصوابدید ایشان رفتاری نمایند روزنامہائے دنیا ہمہ درتصرف ایشان است ہر ملک رایا بند کہ زر خیز است و پراز معادن جوہر ثمینہ۔ یکے راز و دل یورپ بواسطہ نفوذ روزنا مہابر تسخیر آں ملک مجبور می کنند۔ عوام خلق خون میریزند۔ ویہودیان زرمی گیرند۔ حیلہ ہائے ایشان برتراز خیال و گمان عوام الناس است مثلاً چوں ایں س ود خواران دینا خواستند کہ برمعادن ذہبیہ ترانسوا متصرف شوند۔ بذیعہ لندن طامس کہ روز نامہ یہودیان است ملت انگلیس رابیجان آوردہ میان انگلستان و

ترانسوال نائرہ حرب افرد ختند- بے چارہ انگلیسان در جنگ جا نہائے خویش فدا کردند- ودو صدملیون پونڈبر نسلہائے آیندہ بار قرض نہادند- اما آن معاون ترنسوال امروز دردست یہودیان است ہمچنیں چوں ایشان خواستند کہ برثروت ملک مصر حاوی شوند- اول حذیو مصر راچند ملیون پونڈ بصد فریب قرض دادن- من بعد بدسیسہ در مصر سورش پیدا کردہ- حکومت انگلیس رابرائے محافظہ سود غاصبانہ خویش براں ملک مسلط کردند- اکنوں دریں فکر ہستند کہ دولت فرانسہ رابر ملک مراکشہ از غرب اقصی متولی گردانند- تامانند زنودم حیات آن ملک زرخیز و معاون ثمینہ را بکشد- پیں از محاربہ کریمیا دولت عثمانیہ ہیچ قرض نداشت- ہمیں خونخواران انسانی انگلیس و فرانسدابا دولت ترکیہ فراہم آوردہ- ایشا نرابخلاف روسیہ بجنگ اندا ختند ازان زمانہ ترکان پنگال دام ایں گرگان آدمی صورت گرفتار شد ند- دور ہر جنگ یا بغاوت دام در گردن حکومت ترکیہ تنگ ریشود- ولیکن جاپان راملاحظہ کن کہ چگونہ رموز تمول ملی آموخت - کار خانہائے صنائع و حرف رابراصول نو بنا نہاد- ودرمیان تجارت عالم باقوام یوروپ ہمدوشی میکند- دریں نزدیکی زمان فرزند آسمانی ہم بہ تتبع شہنشاہ مملکت آفتاب درخشان مبعوثان رابیورپ وامریکا فرستادہ بود- تا اصول ادارہ مالیات ملیہ حسب قرار جدید آموختند ا درملک چین اجرائے آن اصول آہستہ آہستہ می کنند

باز گردیم بحکایت تطاول صرافان یہودی نژادوز بونی ملت انگلیس بدست ایشان جزیرہ برطانیہ یک خاکپارہ ایست کوچک بر سطح بحر شمالی درگوشہ غرب و شمال براعظم یورپ ا-ستادہ- رقبہ ارا نیش بصد یک حصہ ہندوستان نمیرسد و اہالیتیں ہم بچل ملیون نمی رسند- ہمہ عقا روز میں جزیرہ برطانیہ ملک چند نفرازا امرائے آن سرزمین است ایں امرا ہمہ ملک را بقطاعت قسمت کردہ اند- ومرغزار ہا وباغہای باتجمل و فضاوبا امینہ روح بخش و د لکشا دراں قطعات پیراستہ زراعت و فلاحت کہ در ایام قدیم انگلستان راشہرہ آفاق کردہ بود- گویا اکنوں از جزیرہ برطانیہ مفقود شدہ بجائے آن کار خانے نہائے کلاں کہ ہم ملک ایں مردم متمول است درچند مرکزہا پیدا شدہ- عوام خلق از مردوزن و بچہ قربی بشر ہا برای طلب معاش فراہم آمدہ- مانند بندگان زرخرید شب و روز مبتلا می رنج و تعب گشتہ مردم طبقہ وسطہ یا در خدمات حکومت یا در چاکری تجارت خانہا کہ یز ازان اہل ثروت است درجنگ و جدل برای ہستی افتادہ- مصارف بسیار و مداخل کم- کمتر مرد مانند کہ خانہ از ملک خود شان داشتہ

باشند- عموم خلائق درمکانها کشاده اند تابه نشه شراب غم را فراموش کنند- بایں همه تدبیر جنون در ترقی است و خود کسی در از جاه دیگر "تدبیر برائے ترضیه ایں مفلوکین تسخیر ممالک است در براعظم آسیاد افریقا اگرچه حصه بزرگ از نهب و غارت ممالاک .طبقه علیا میرسد- اماابرائے دیگر طبقات هم ابواب خیرو فلاح کشاده میشد- ایں نظام بدیع نتیجه تعلیم باطل دربدارس است و نفوذ روزنامها ورسائل که دائما عظمت نسل انگلیس و حقارت دیگر نسل هائے بنی آچه بردل بچگان انگلیس نزادثبت می کند- درپارلیمنٹ و هاؤس آف لارڈ زهم همیں متمولین ستد قانون راحسب مصلحت خویش میسا زند- وبچاره کلائق گمان می کنند که قانون برائے منفعت عام است پیچ در پیچ و معامی است لاینحل- هر کس به شدت است و عذاب- اما سلسله جنبان جورو جفای عمومی غیر مرئی

هاں در زمان پاستان اشخاص بوده بندگان
اقوام رایں غریباں بنده کنند از مکرو فن

چوں ایں صیادان مردم .شیادی خویش خلائق انگلستان رابدام تزویر- درگرفته اند آیا عقل سلیم باور کند که اهل هند را محض فریادو زاری از سلاسل عبودیت رها کنند- حاشادکلا تدبیر خلاص همان است که دانشوران اهنود دریں ایام دریافته اند- سویدیشی یعنی برپا کردن صنائع و حرف و مینه- واقامت دارالعلوم ملیه بدون تصرف حکومت اجنبیه و بدست آوردن تجارت ملک بدست قوم- این است کلید باب نجاح ایں رفتار اهل هند مسلک غارتگران انگلستان ازدو طرف شه مات می نهد- نخستین چوں مصنوعات انگلستان درهندوستان کساد بازاری یا بد- لامحاله کار خانهائے انگلستان معطل ماند- و فرقه عمله بے کار شوند- زیراکه تجارت انگلیس در ملک چین در زمان پیشین هشتاد و پنجم حصه در صداز تجارت همه اقوام با چین بود اما دریں روزها تجارت انگلیس در شرق اقصیٰ از هشتاد و پنج تا پنجاه و دو درصد نازل شده وایں زیان انگلیس سود جاپان و جرمنی و امریکه گشت- نه درچین تنها بلکه درهمه بازار هائے دنیا مصنوعات جرمنی وامریکی و جاپانی گرم بازاری دارد- ومصنوعات انگلیسی کساد بازاری پس اگر درهند هم ابواب تجارت برانگلیس مسدود گردد- در انگلستان انقلابے عظیم دبلوائے شورانگیز برپا شود- وآن گرگان آدمی صورت که از آسیب شان هیچ قومے در دنیا ایمن نیست وهم گلوی ملت انگلیس دردهان شان ست بپاداش عمل سفاکانه خود خواهند رسید و اهل انگلستان وهندوستان هردواز چنگال شان نجات خواهندیافت

ودمین چوں تجارت انگلیس درہند خسران یا بد۔ حکومت ایشان بربنائے سفائن حربیہ بے شمار ہم قادر نباشدو اس فتنہ انگیزی در عالم و تطاول براقوام ضعیفہ نیز بازماند۔ مثلاً الحال دپلامسی یعنی حیل سیاسیہ انگلیسیہ در تبدیل علائق فمابین دُول معظمہ یوروپ سرگرم است۔ میخواہد کہ دولت اطالیہ را از دوستی آستریا وجرمنی باز کشد۔ و در سلک مودت انگلیس و فرانسہ دردسیہ در آرد۔

من بعد فرانسہ بر ملک اسلامی مراکشیہ قابض شود۔ واطالیہ برطرابلس غرب درافریقائے شمالی و برالبانیہ۔ ہر دواز ممالک عثمانیہ۔ تصرف نماید۔ دردسیہ برقسطنطنیہ و ملک شمالی ایران تسلط نماید۔ وانگلیس خودش ملک عرب تاصور یا وجنوبی حصہ ایران و افغانستان رادردائرہ مملکت برطانیہ داخل کند۔ سرویا وبلغاریا ومانتی نگرو رابرخلاف آستریا کہ باجرمنی مماشات میکند برداشتہ اند۔ بامید تقسیم و لایات یوروپیہ عثمانیہ درمیان شان ہنگام انفصال اجزائے مملکت عثمانیہ ایں منصوبہ ہنوز از قوت بفعلیت نیامد محض از ناقبول کردن روسیہ پس آں مسلمانان ہند کہ بتملق مانند گدایان پیش ویسرائے ہندوستان عرض حال کردند۔ و از ہند وبرادران وطنی جادہ خلاف گزیدند۔ ندانستند کہ تیشہ براصل استقلال ممالک مستقلہ اسلامیہ می نہند ودر نظر عالم متمدن بجرم غداری بوطن عزیز ملزم شدند۔ وبرائے ندامت ونہیب و وطن راضی گشتند وحکومت انگلستان رابہانہ فرانہادند تا حقوق ہمہ اہل ہند را تازمان غیر محدود معطل دارد۔ ایں مسلمانان نمی دانند کہ در یوروپ وامریکہ ہیچ قومے و ملتے وحشی تردبد تراز مسلمانان شمردہ نمی و شودامت مرحومہ محمدیہ رامانند خس و خاشاک دربوستان تمدن انسانی کہ اشجارد ازہار فطرت راز نشو ونماباز دارد۔ می پندارند بنا بریں افنا واہلاک الشان راعمل میرورمی انگارند ومیگویند کہ ہر جا حکومت اسلام است انسان از ترقی باز ایستادہ است۔ گویا مسلمانی سنگ اسیاب ست درگردن انسانیت کہ ہمہ نوع بشر راز صعود بمدارج رفعت تمدن حقیقی و حریت فاضلہ بازمی دارد۔ برائے ہر کس رحمت و شفقت روادارند۔ الابرائے مسلمانان

آنکہ رحم از دل برد تاثیر فریاد من است
وانکہ نسیاں آورد خاصیت یاد من ست

ایں اثر مطبوعات انگلیسہ است کہ از صد سال صورت اسلام و اسلامیان را ہمگین و زشت ترین کشیدہ اند۔

بالجملہ ہمہ لوازمات حفظ ذات ملیہ اسلامیہ و مقتضیات بقائے ممالک مستقلہ امم محمدیہ وصوابدید وطن ہند خصوصاً اختیار کنند لحال موہبت ایزدی برائے حمیات ہمہ اقوام ابراعظم آسیاطت جلیلہ جاپان رانصب فرمودہ است۔ پس نوجوان ہنود و مسلمین رابھارس و دارالعلوم والفنون جاپان برائے تحصیل علوم و صنائع جدیدہ باید فرستاد۔ وجوہر شرف ذات و انوار عقل و حریت ازمعان و مطالع شرق اقصی بدست آورد و تعصبات جاہلانہ و نزاع درفروعات دینیہ را از سربیروں انداخت.....

ہر ملت رابواسطہ کتاب دینی اش اصل غرض دین الہی و محبت خلق خدا باید تلقین کردن و تیرگی کو تاہ فہمی بنور اشراق روحانی محو نمودن۔ دنبائے حریت عامہ نہادن است حریت خاصہ بحریت عامہ منتج گردد۔ از حریت افراد حریت قوم حاصل شود۔ واز حریت ہمہ اقوام حریت عالم جلوہ نماید ہمچنیں اگر ہندوستان برائے دوام بذلت عبودیت راضی شود۔ حریت عامہ ہرگز بظہور نیاید۔ اکنوں جاپان قوم حرشد وچین ہم اسباب حریت و بزرگی راآمادہ کردن گرفتہ۔ اگر ہند ہم دریں راہ قدم فرسا شود۔ نجات براعظم آسیا۔ گویا متیقن الوقوع گردد۔ ونجات آسیا کہ مسکن نیمہ افراد نوع بشر است۔ ضامن نجات عالم خواہد بود پس امروز فرض ہندو و مسلمان است کہ درہر قریہ و شہرے و ضلع مردم را منتظم بسلک انجمنا سازند واعداد سکان راضبط نمایند۔ ودرشادی وغم مواسات باہمی ملحوظ دارندو تعلیم و تن پروری و اصول سیاست را از جملہ واجبات دین انگارند و درہنگام ظلم بریکے ہمہ جماعت بنصرت قایم شوند۔ وکسانے راکہ غدر بوطن روا ادارندو برائے خدمت اجانب اہل وطن رامورد جورو جفا سازند۔ از جماعت بیروں باید انداختن۔

حکومت جیست! انسان بالطبع مدنی است و نمی تواند کہ تنہا زندگی کند۔ وہم طلب مفید و دفع مضر درہر ذات طبعا موجود است۔ پس ہر کجا کہ چند افراد فراہم آیند نزاع درمیان شان متوقع باشد ہرچہ کہ مردم یک بقعہ یا یک ملک برائے فیصلہ نزاع میان شان قرار ہند قانون آں بقعہ یا ملک باشد برائے فیصلہ قضایا قاضیان و برائے اجرائے احکام قاضی و اقامت امن

و امان درجماعت سرہنگان کوتوالی لازم- دبرائے دفع مکملہ اعدائے خارجہ لشکر ہم واجب برائے خدمت جماعت' جماعت ایں خدام خویش را اجرت مید ہدا ایں مصارف حکومت از جماعت بصورت خراج گرفتہ شود- پس وضع قانون و نصب حکام برائے اجرائے قانون و تعین مقدار خراج برائے مارف ضروریہ ملک و ملت ہمہ از مشیت وارا دہ قوم موجود باشد- دہر ملکے کہ چنیں نظام ندارد- حکومت غیر طبعی وارد حکومت ہندوستان چنیں است- مشتے ازانگلیسان کہ یگانہ ہستد ومیخواہند کہ دایما بے گانہ مانند- ہم قانون برائے اہل ہند می سازند- وہم حکام برائے اجرائے آن قانون میگمارند وہم خراج بر ہندوستان تعین میکنند- ولشکر برائے تسلط و تغلب برہندوستانیان دردست خود دارند برائے رفع ایں نظام فاسدو حکومت باطل لازم کہ ہنود و مسلمانان متفق شوند و بانگلیس بگویند کہ اکنوں وقت آمدہ است کہ انگلیس مردم ہند راہمہ حقوق فرایض باخود مساوی گیرند و درہمہ ممالک برطانیہ برائے ہندیان ہماں امتیازات باشد کہ برائے انگلیس است- والا قانون فطرت کہ حاکم بحفظ ذات است- البتہ ہندوستان را مجبورا مثلے مستقل مانند ممالک متحدہ امریکہ خواہد کرد-

برائے انصرام ایں مرام نہ بغاوت لازم باشد- نہ لشکرو نہ اسباب حرب از توپ و تفنگ وغیرہ- صرف ایں قدر کافی ست کہ ہر ہندی نژاد یکبارگی- درہمہ طول و عرض ہندوستان از خدمت حکومت دست بکشد- وہمہ کاروبار در تمام ملک دفتہ معطل شود و ہر انگریزے بجائے خود اسیرے گردد- اگر ایں کثرت اعداد مردم راکہ مانند مورو ملخ فراواں ست پیش روان ملت در نظم اجتماع آرند- قوتش فوق الوصف خواہد بود و احتیاج بچیز ـــ دیگر نمدارند-

اے قوم خفتہ برخیز ایں خواب بس گرانست
تاکے چنیں تغافل آتش نجان و مان ست
شو مجتمع چوپروین برآبہ چرخ رفعت
چوں ذرہ شو پریشاں خاکت اگر مکان ست

کتبہ

محمد برکت اللہ البھوپالی الہندی

نیویرک ممالک متحدہ امریکہ

فریق نرم کی بعض غلط فہمیاں

نمبرا

(متعلق بہ سدیشی و بائیکاٹ)

جس وقت سے نوجوانان ہند کے دلوں میں حریت کامل کا جذبہ اور قومیت کا حقیقی مفہوم جاگزیں ہوا ہے اسی وقت سے فریق نرم کے کہنہ عقائد کی حقیقت ارباب بصیرت کی دوربین ورمز شناس نگاہ میں تقویم پارنیہ سے زیادہ نہیں رہ گئی ہے۔ ہم کو اس بیان سے اپنے بزرگوں کی تحقیر و تذلیل ہرگز منظور نہیں ہے۔ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ کوئی وطن پرست ہندوستانی ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا اس لئے کہ تحریک آزادی کے بانی دراصل وہی لوگ ہیں ہم کو عہد گزشتہ کے ان قدیم رہنماؤں کے فضل تقدم کا بھی ہر طرح سے اقرار ہے، لیکن ہمارے اس شکر گزاری اور سچے ادب کی بنا پر اس امر کو لازم قرار دینا کہ ہم ان قابل تعظیم بزرگوں کے قدیم پولیٹکل اور اقتصادی عقائد کو ہر زمانے اور ہر حالت میں بلاچوں و چراں صحیح و درست سمجھتے رہیں اول درجے کی کوتاہ بینی اور جبر ہے۔ واقعات عالم کے روزانہ تغیر و تبدل سے تعلقات و خیالات انسانی میں بھی عظیم تبدیلیوں کا پیدا ہونا قانون قدرت کا صریح اقتضا ہے اور اس کے خلاف امید کرنا سراسر نادانی ہے پچیس سال کے تجربے نے جب یہ بات پورے طور پر ثابت کر دی ہے کہ زمانہ قدیم کے نرم لیڈروں کے خیالات و عقائد جادہ راستی سے علیحدہ ہیں تو ہمیں ان عقائد کو یکقلم ترک کر دینے میں تامل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس کارروائی سے بعض لوگوں کے دل میں گناہ توہین بزرگان کا خطرہ پیدا ہو مگر دراصل یہ خطرہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جس طرح سے خلاق جرمنی متحدہ یعنی پرنس بسمارک کی شخصی پالیسی کا اس وقت جرمنی میں کوئی فرقہ پیرو نہیں ہے لیکن تمام قوم اس کو سلطنت جرمن کا بانی سمجھتی ہے۔ اسی طرح

ہندوستان میں بھی اس زمانے کا آغاز یقیناً وجود میں آگیا ہے جبکہ کوئی قوم پرست ہندوستانی بانیان کانگرس کے نرم اصول کا معتقد باقی نہ رہے گا لیکن ساتھ ہی ہر شخص ان ابتدا کرنے والے بزرگوں کی عزت و احترام کو عقائد مذہبی کے مانند اپنے ذمے لازم جانے گا۔

رفع الزام بے ادبی کی غرض سے اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم فریق نرم کی بعض غلط فہمیوں کو بنظر تنقید دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی تحریر کے اس حصے کے لئے اول سدیشی و بائیکاٹ کے مبحث کو تجویز کرتے ہیں۔

پہلی غلط فہمی اس خیال میں کہ اہل برطانیہ سدیشی تحریک کے حامی ہیں

صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کی گزشتہ پراونشل کانفرنس کے نرم پریذیڈنٹ پنڈت موتی لال صاحب نہرو کا قول ہے کہ "سدیشی کے انگریز ہرگز منکر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خود پکے سدیشی ہیں..... بلکہ وہ لوگ اور ان میں لارڈ کرزن بھی شامل ہیں بار بار سدیشی کی امداد کا وعدہ کرتے رہے ہیں" یہ وہ قول ہے جسے تمام نرم اخباروں نے لاجواب سمجھ کر بڑے فخر کے ساتھ شائع کیا لیکن ہمارے خیال میں تو اس قول کے دونوں حصے از سرتاپا غلط ہیں۔ اس بات کو دیکھ کر کہ انگریز اپنے ملک کی چیزوں کو اشیائے ممالک غیر پر بہر حال ترجیح دینا چاہتے ہیں یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہندوستان کی سدیشی تحریک کے بھی معاون ہوں گے اول درجے کی سادہ دلی ہے۔ انگریز تو اپنے ملک میں آزادی کے بھی بہت بڑے حامی ہیں۔ لیکن کیا کوئی ہوشمند شخص اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ اہل ہند کی بھی پولیٹیکل آزادی کے دل سے خواہاں ہیں۔ حقیقت میں معتدلین (ماڈریٹس) کا یہ دعویٰ صریح ابطالان ہے کیا معنی کہ اہل برطانیہ کے لئے انگلستان کی سدیشی مفید ہے اور ہندوستان کی سدیشی مضر پس ایسی حالت میں ایک کو دوسرے سے متعلق سمجھنا بعید از عقل ہے۔

رہا لارڈ کرزن کا پر فریب وعدہ اعانت اور دیگر انگریزوں کا مصنوعی اظہار ہمدردی اس کی حقیقت بھی ملاحظہ ہو۔ لارڈ کرزن نے اس زمانے میں دیسی چیزوں کی تعریف کی تھی جبکہ موجودہ سدیشی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا اس لئے ہم کو اس کا کچھ اعتبار نہ کرنا چاہیے کیونکہ غافل لوگوں اور قوموں سے جن کی نسبت یہ یقین ہو کہ وہ اپنے حقوق کا فوری مطالبہ کرنے کے مدت تک قابل نہیں ہو سکتے' بڑے بڑے وعدے کر لینا' برٹش پالیسی کا

ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ مثلاً جب تک اہل ہند اپنے حقوق سے ناواقف یا غافل رہے اس وقت تک ملکہ معظمہ کا یہ اعلان بدستور قائم رہا کہ حکومت ہند انگریزوں اور ہندوستانیوں سے بلالحاظ قوم و مذہب و رنگ' یکساں برتاؤ کرے گی۔ لیکن جب اہل ہند کی آنکھیں کھلیں تو لارڈ کرزن نے کھینچ تان کر اس کا مفہوم ہی بدل دیا اور ہم کو یہ خیال کرنے پر مجبور کر دیا۔ کہ اعلان ملکہ معظمہ کی وقعت ایک نمائشی اشتہار سے زیادہ نہیں ہے۔ علیٰ ہذالقیاس برٹش مدبروں نے مدتوں تک اہل ہند کو اس دھوکے میں رکھا کہ حکومت ملک میں حصہ لینے سے وہ صرف اس وقت تک کے لئے محروم کئے گئے ہیں جب تک کہ ان میں کافی قابلیت نہ پیدا ہو جائے۔ لیکن جب ان میں جذبہ وطن پرستی کے آثار نمودار ہونے لگے تو لبرون کے لبرل مسٹر مارلے نے بھی صاف کہ دیا کہ ہندوستان کی حکومت ہمیشہ شخصی رہے گی۔ نیز یہ کہ ہندوستانیوں میں اپنے ملک کے انتظام کی قابلیت ہی نہیں ہے۔ اناللہ واناالیہ راجعون

اب ہم کہتے ہیں کہ سدیشی تحریک کے باب میں بھی انگریزوں کی وہی چالاک پالیسی اپنا کام کر رہی ہے۔ کیا معنی کہ جب تک ہم نے حب وطن کا کوئی عملی ثبوت پیش نہیں کیا تھا اس وقت تک بے شک لارڈ کرزن نے بھی سدیشی کی حمایت کی ہو گی لیکن جس وقت سے ہم میں وطن پرستوں کا ایک آزاد گروہ وجود میں آیا جسے بعض لوگ مفرطین (اکسٹریمسٹ) یا فریق گرم کے نام سے موسوم کرتے ہیں' اس وقت سے دراصل پھر کسی انگریز نے سدیشی کی حمایت میں زبان نہیں کھولی۔ دراصل کا لفظ ہم نے دانستہ استعمال کیا ہے اس لئے کہ نمائشی طور پر لارڈ منٹو وغیرہ نے جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کی حقیقت ہم کو خوب معلوم ہے لارڈ صاحب سدیشی کے حامی نہیں البتہ سچی سدیشی کے ضرور معاون ہیں سدیشی کے ساتھ سچی اور جھوٹی کی قید بالکل بے معنی ہے کیونکہ سدیشی تحریک کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو مفید ملک نہ ہو اور اس لئے اس کی کوئی صورت ایسی نہیں ہو سکتی جسے کوئی شخص جھوٹی سدیشی کہہ سکے۔ بظاہر جھوٹی سدیشی سے لارڈ صاحب اور ان کے بعض کاسہ لیس نرم لیڈروں کی مراد اس سدیشی سے جسے پولٹیکل تحریک سے بھی مدد پہنچے لیکن امر واقعی ہم سے سنئے کہ اس کے نزدیک جھوٹی سدیشی اس تحریک کا نام ہے جس سے انگریزوں کو نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً کپڑوں کی سدیشی جھوٹی سدیشی ہے کیونکہ اس سے منچسٹر کا نقصان ہوتا ہے۔ البتہ شکر کی سدیشی سچی سدیشی ہے کیونکہ اس کو انگریزوں کی تجارت سے

کوئی علاقہ نہیں ہے۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انگریز تو خیر جھوٹی سدیشی اور بائیکاٹ کے اس لئے مخالف ہیں کہ وہ ان کے فوائد کے خلاف ہے لیکن فریق نرم کی مخالفت کی بنا کیا ہے۔ اس کی بنا ان لوگوں کے خیال خام کی۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ لفظ بائیکاٹ سے انگریز ناراض ہوں گے صرف سدیشی سے نہ ہوں گے

اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ معتدلین اہل برطانیہ کو اپنا ہی سا سادہ لوح سمجھتے ہیں حالانکہ شاید ان سے زیادہ ہوشیار کوئی دوسری قوم اس وقت دنیا میں موجود نہیں وہ لوگ مخالفت صرف اس تحریک کی کرتے ہیں جس سے انہیں نقصان پہنچے اور اس نقصان کا اندازہ الفاظ کے لغوی یا اصطلاحی معنوں کی بنا پر نہیں بلکہ شمار و اعداد کے صحیح اور بے خطا اصول کے لحاظ سے کرتے ہیں یعنی یہ کہ اگر بائیکاٹ سے ان کی تجارت کو ضرر نہ پہنچے تو وہ ہرگز اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ لیکن اگر انہیں سدیشی تحریک سے خفیف گزند کا بھی اندیشہ ہو تو پھر ان کی مخالفت کو بھی یقینی سمجھنا چاہیے خواہ آپ سدیشی تحریک کو بائیکاٹ سے علیحدہ ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں۔ جن لوگوں کو اس باب میں اب بھی کچھ شبہ ہوا نہیں سرراپر بشرح کا یہ قول بغور ملاحظہ کرنا چاہیے کہ "کوئی انگریز جس کو انگلستان سے الفت ہے یہ نہ چاہے گا ہندوستانی سدیشی تحریک میں کامیاب ہوں کیونکہ سدیشی کے معنی یہ ہیں کہ انگریزی دستکاری ضائع ہو جائے اور انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے دستکار اضلاع فاقہ کریں غرضیکہ انگریزی تجارت غارت ہو جائے"

قصہ مختصر یہ کہ اگر سدیشی تحریک سے ہندوستان کی مالی حالت درست ہو گی تو اس سے انگلستان کی تجارت کو ضرور نقصان پہنچے گا اور جب یہ ہو گا تو انگریزوں کا ناراض ہونا بھی یقینی ہے۔ پس آخر میں امر فیصلہ طلب یہی قرار پاتا ہے کہ یا تو ہم انگریزوں کی ناراضی کے ڈر سے سدیشی ہی سے دست برادر ہو جائیں یا اگر یہ منظور نہ ہو تو پھر مردانہ وار تمام دقتوں کا مقابلہ کریں اور سدیشی کے ساتھ بائیکاٹ کو بھی لازم سمجھیں کیونکہ بغیر بائیکاٹ کے سدیشی تحریک حسب دلخواہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی لیکن افسوس کہ فریق نرم کی۔

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ سدیشی بغیر بوائیکاٹ کے بھی کامیاب ہو سکتی ہے

چنانچہ پنڈت موتی لال صاحب نہرو لکھتے ہیں کہ "کیا حب وطن کے پاک اور روحانی جذبے کی جس پر سدیشی کا دارومدار ہے، ذاتی قوت کافی نہیں ہے کہ ہم اس میں دشمنی و عداوت کے ادنی جذبوں کو بھی شریک کرتے ہیں" آپ کا یہ بھی قول ہے۔ کہ "بدیشی چیزوں کی آمد تب ہی قطعی طور پر بند ہو سکتی ہے جب سدیشی چیزیں اُن سے اچھی اور سستی بننے لگیں جب ہم اس قابل ہو جائیں گے تو بدیسی چیزوں کی آمد روکنے کے لئے بوائیکاٹ کی ضرورت نہ رہے گی" امر اول کی نسبت ہم یہی کہتے ہیں کہ انگریز سدیشی تحریک کی مخالفت نہ کرتے تو اس کی قطعی ترقی کے لئے "صرف پاک اور روحانی جذبے"[1] کافی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب حکومت کی جانب سے سدیشی کی مخالفت میں صریحی طور پر پولٹیکل دباؤ ڈالا جائے تو جمہور کی طرف سے اس کی تائید میں پولٹیکل بلکہ مذہبی دباؤ کا بھی پڑنا نہ صرف جائز بلکہ ہمارے خیال میں لازمی ہونا چاہئے ورنہ حکومت کی عظیم الشان اور باقاعدہ مزاحمت کے مقابلے میں اس تحریک کا صرف اخلاقی زور پر قائم رہنا یقیناً ناممکن ہو جائیگا۔

رہا پنڈت صاحب کا دوسرا قول اس کی صحت کا ہم کو بھی اقرار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ سدیشی چیزیں سستی اور اچھی کیونکر بنیں۔ ہمارے خیال میں اس کی صورت سوا اس کے کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہندوستان کی برباد شدہ صنعت و حرفت، جس کا خون بلاشبہ غرض پرستان برطانیہ کے سر ہے، دوبارہ درجۂ عظمت و کامیابی پر فائض ہو۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ کسی ملک کی تباہ شدہ صنعت دوبارہ قائم نہیں ہو سکتی جب تک حکومت کی جانب سے کم از کم ابتدا میں اس کی حفاظت ممالک غیر کی چیزوں پر محصول لگا کر نہ کی جائے چنانچہ خود انگلستان کی صنعت پارچہ بافی کی ابتداء اور ترقی اس طرح پر ہوئی کہ اس نے پہلے ہندوستان کی تجارت پارچہ کو قیمت سے دوگنا چوگنا بلکہ دس گنا محصول لگا کر بالکل مٹا دیا اب اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ بھی یہی ترکیب اختیار کرتا لیکن چونکہ اس کی حکومت دوسروں کے قبضے میں ہے اس لئے اہل ہند کے لئے اپنی صنعت کو دوبارہ قایم کرنے کی سوا اس کے اور کوئی شکل ہی نہیں ہے کہ وہ کم از کم کچھ روز کے لئے بوائیکاٹ کو اپنے اوپر لازم کر لیں اور انگلستان کے مال سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کریں کیونکہ سب سے بڑی تجارت، یعنی کپڑے کی تجارت جس کا انتظام ہندوستان میں سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے، مانچسٹر ہی والوں کی ہے۔

---

[1] اگرچہ ہم کو بھول اخبار بندے ماترم اس قسم کے فلسفیانہ خیالات پر مطلق اعتبار نہیں ہے کیونکہ تاریخی واقعات کی بنا پر یہ کہنا کہ کوئی قوم صرف محبت، فلسفہ اور صلح کل کے اصول کی پیروی کر کے سرسبز نہیں ہو سکتی زیادہ صحیح ہے بہ نسبت فریق نرم کے اس قول کے کہ کوئی قوم صرف نفرت اور دشمنی کے خیالات سے کامیاب نہیں ہو سکتی۔

[1] طبقہ متوسطہ کو بیشک کچھ دنوں تک گراں مال خریدنا پڑیگا لیکن ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نقصان بالکل اس نقصان سے مشابہ ہے جو طلباء کے والدین اپنے لڑکوں کی تعلیم میں خوشی برداشت کرتے ہیں۔ کیا معنی کہ جس طرح تعلیم یافتہ ہو کر وہ خرچ شدہ رقم سے بہت زیادہ روپیہ پیدا کر لیتے ہیں اسی طرح سے ۵ یا ۱۰ سال تک قلیل نقصان برداشت کر لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں صدہا کارخانے قائم ہو جاویں گے اور جب ان میں آپس میں مقابلہ ہوگا تو چیزیں بھی ضرور اچھی بنیں گی جو انگریزی چیزوں سے سستی بھی ضرور ہونگی کیونکہ اول تو انگلستان میں مزدوری کی شرح بہت زیادہ ہے دوسرے خام پیداوار کے ہندوستان سے جانے پھر وہاں سے بنکر آنے میں ڈبل محصول کا علیحدہ اضافہ بدیسی چیزوں کی قیمت میں ہوتا ہے۔ جس وقت یہ حالت پیدا ہو جائے گی اس وقت بجائے نقصان کے ہم کو عظیم اور دوامی فائدہ حاصل ہوگا اور زمانہ بوائیکاٹ کے ۸۔۱۰ برس کا نقصان تو چند مہینوں ہی میں پورا ہو جائیگا غرضیکہ جو لوگ بوائیکاٹ پر اس بنا پر اعتراض کرتے ہیں کہ ارزاں شے کے مقابلہ میں ہمیشہ گراں چیز کا خریدنا انسانی طبیعت کے خلاف ہے ان کو اچھی طرح سے سن لینا چاہئے کہ بوائیکاٹ کوئی دوامی تحریک نہیں ہے بلکہ اس کا بھی یہی منشا ہے کہ گراں بدیسی ایشیا کی جگہ ارزاں دیسی چیزیں رائج ہو جائیں پس جس وقت مذکورہ بالا طریقے کے مطابق یہ صورت معرض وجود میں آجائے گی اس وقت بوائیکاٹ کی مطلق ضرورت باقی نہ رہے گی لیکن بوائیکاٹ کو دوامی تحریک سمجھنے کے علاوہ ہمارے نرم لیڈروں کی۔

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ بوائیکاٹ یا تو کامل ہونا چاہئے یا نہ ہونا چاہئے۔

اور اس غلط فہمی کی تائید میں وہ لفظ بوائیکاٹ کے لغوی معنی پیش کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہندوستان کی حالت زار اس امر کی مقتضی نہیں ہے کہ ہم اپنے فوائد کے مقابلے میں کسی لفظ کے لغوی یا اصطلاحی معنون کے پھیر میں پڑے رہیں۔ ہم یقیناً بوائیکاٹ کی وہی صورت اختیار کریں گے جو سب سے زیادہ ہمارے مفید مطلب ہو اور جس پر ہم سب سے زیادہ آسانی کے ساتھ کاربند ہو سکتے ہوں اور اس صورت کا نام "تدریجی بوائیکاٹ" ہے یعنی

---

[1] غربا کو مالی نقصان برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کا بوائیکاٹ یہ ہونا چاہئے کہ چند سال تک جائے ململ کے موٹے دیسی کپڑے استعمال کریں جس میں کیسی قدر تکلیف تو ضرور ہوگی لیکن ساتھ ہی اس کے کچھ نہ کچھ دام بھی بچیں گے۔

یہ کہ جن چیزوں کو ہم کم دشواری کے ساتھ فوراً ترک کر سکتے ہوں۔ ان کو بلا تامل ترک کر دیں اور آیندہ کے لئے ان متروک چیزوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی کوشش میں بدل و جان مصروف رہیں۔ بعض لوگ تدریجی بوائیکاٹ کا مضحکہ اڑاتے ہیں لیکن ہم ان کو آگاہ کئے دیتے ہیں کہ بوائیکاٹ کی یہ قسم ہندوستان کی ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ ہم سے پہلے اور بھی کئی ملک اسپر عمل کر کے کامیاب ہو چکے ہیں۔

حال ہی میں نیویارک کے مشہور بیرسٹر مسٹر فلپس نے بابو بپن چندر پال کے نام ایک نہایت پر معنی خط لکھا ہے جس میں امریکہ کی گذشتہ ماتحتی انگلستان کا ہندوستان کی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ برٹش پالیسی سے ناراض ہو کر امریکہ نے انگلستان کے مال کے خلاف تدریجی ہی بوائیکاٹ کا اصول اختیار کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہم امریکہ کی صنعت و حرفت کو انگلستان سے بھی بہتر حالت میں پاتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ امریکن بوائیکاٹ کی طرح ہندوستانی بوائیکاٹ بھی اس وقت تک کامل طور پر کامیاب نہیں ہوا اس کا سبب کچھ تو یہ ہے کہ اقوام ہند میں باشندگان امریکا کا سا اتحاد نہیں ہے لیکن زیادہ قوی باعث یہ ہے کہ ہمارے نرم لیڈر نادان دوست کی حیثیت سے عوام کو بجائے بھی بوائیکاٹ پر آمادہ کرنے کے خواہ مخواہ ڈراتے اور پست ہمت بناتے ہیں اور اسی میں اپنی اور اپنے ملک کی بہبودی تصور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست پر لائے۔ فقط

فریق نرم کی بعض غلط فہمیاں نمبر ۲

ماہ گذشتہ میں ہم نے سدیشی و بوائیکاٹ کے متعلق فریق نرم کی بعض غلط فہمیوں کو آشکار کیا تھا اب اس مضمون میں ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ سدیشی کے (مقابلتاً) محدود دائرہ سے گذر کر پالیٹکس کے وسیع میدان میں بھی ہمارے پرانے لیڈروں کے عقائد سراسر غلط فہمیوں پر مبنی ہیں جن کی اصلاح ہر محب ملک کا اول فرض ہونا چاہئے۔ مثلاً اہل ہند کے پولیٹکل آئیڈیل کی نسبت ان لوگوں کی،

پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ حصول مقصد کیلئے صرف رزولیوشن پاس کرنا اور عرضیاں پیش کرنا کافی ہے۔

جسے وہ لوگ باضابطہ جدوجہد (کانسٹی ٹیوشنل ایجی ٹیشن) کے نام سے موسوم

کرتے ہیں اور اس کی تائید میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی شکایات برابر اہل برطانیہ کے روبرو پیش کرتے رہنا چاہئے ہمارا معاملہ چونکہ سچا ہے اس لئے آخر کار حق کو کبھی نہ کبھی فتح ضرور ہوگی اور کامیابی اگر جلد نہیں ہوتی تو ہم کو اظہار بیصبری کے بجائے خود انگلستان کی مثال سے فائدہ اٹھانا چاہئے کہ اُسے حکومت خود اختیاری کئی صدیوں میں جاکر حاصل ہوئی پھر بھلا ہندوستان اس قدر جلد کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس دلیل میں کئی کمزوریاں ہیں سب سے بڑی کمزوری تو یہی ہے کہ فریق نرم کے مذکورہ بالا اصول کی کامیابی کا دارومدار صرف حق کی اخلاقی قوت پر ہے حالانکہ پالیٹکس میں اس قسم کے فلسفانہ یا مذہبی خیالات کا اثر بہت کم ہوا کرتا ہے بلکہ بالکل نہیں ہوتا۔ دوسری کمزوری یہ ہے کہ انگلستان و ہندوستان کی حالتوں کو باہم مشابہ سمجھنا صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ انگلستان میں جدوجہد صرف اس وجہ سے کامیاب ہوتی ہے کہ اگر حکومت اس کے مطالبات تسلیم نہ کرے تو اس کی پولیٹکل قوت حکومت کو نقصان عظیم پہنچا سکتی ہے حالانکہ اگر اہل ہند کے مطالبات سنے بھی نہ جائیں، جیسے کہ واقعی نہیں سنے جاتے، تو وہ سوائے ہائے وائے کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

انگلستان کو سلف گورنمنٹ بے شک کئی صدیوں میں حاصل ہوئی لیکن اس تصدیق کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک حکومت خود اختیاری کے پختہ اصول معین نہیں ہوئے تھے۔ اور اہل انگلستان کے لئے سلف گورنمنٹ گویا ایک جدید تجربہ تھا جس میں دیر کا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن آج کہ سلف گورنمنٹ پالیٹکس کا ایک مسلم جزو قرار پا چکی ہے، اُسے اپنے مفید مطلب طریق پر اختیار کرنے کے لئے ہم کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ انگریزوں کی طرح اسے از سر نو ایجاد کریں، ہم سے یہ امید کرنا کہ ہم بھی اہل برطانیہ کی مانند صدیوں تک سوراج کے منتظر رہیں کسی طور پر ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

انیسویں صدی میں ہمارے پولیٹکل ایجی ٹیشن کا دائرہ بالکل محدود تھا۔ مثلاً کانگریس کے مقاصد صرف اس طرز کے تھے کہ (۱) محاصل زمین میں تخفیف ہو اور بندوبست استمراری کر دیا جائے (۲) جڈیشل و ایگزیکٹو اختیارات کی علیحدگی سے خود سر حکام کے ظلم میں کمی ہو (۳) ہندوستانیوں کو اعلیٰ عہدے دیئے جائیں تاکہ ہندوستان سے دولت کا نکلنا کسی قدر کم ہو جائے وغیرہ وغیرہ لیکن جس وقت سے اہل ہند کے دلوں میں حریت اور قومیت کی آگ روشن ہوئی ہے ان کو صاف معلوم ہو گیا ہے کہ سلف گورنمنٹ کے بغیر

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول سے بھی ہندوستان کو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر گورنمنٹ پر اہل ہند کو کچھ اختیار نہ ہو تو بندوبست استمراری کے مقصد کا بالکل بیکار کر دینا حاکموں کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ وہ لوگ مقامی ٹیکسوں اور دیگر ابواب کی تعداد کو بلا خوف خلاف ورزی قانون، اس قدر بڑھا سکتے ہیں کہ بندوبست استمراری کا منشا ہی فوت ہو جائے۔ جڈیشل اور ایگزکٹو کی علیحدگی بھی بے فائدہ ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ جب تک ان دونوں قسموں کے عہدے صرف انگریزوں تک محدود یا ان کے ماتحت رہیں گے اس وقت تک جڈیشل افسروں کا ایگزیٹو کے حسب خواہش کاروائی کرنا یقیناً ضروری رہیگا۔ کیونکہ جڈیشل کی ترقی اور تنخواہ ایگزکٹو ہی کے ہاتھ میں رہے گی۔ علیٰ ہذا القیاس ہندوستانیوں کا بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہونا بھی کچھ کام نہیں دے سکتا کیونکہ انگریز جج تو ایگزکٹو کی ہم قوم ہونے کی بنا پر کبھی کبھی بے باکی اور انصاف کا اظہار کر بھی سکتا ہے۔ بر خلاف اس کے غریب ہندوستانی سویلین کی ترقی اور فلاح کا سارا دارومدار زیادہ تر اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہم ہی قوم لوگوں پر اپنے افسروں کے اشارے کے مطابق قانونی سختی کو روا رکھے چنانچہ بنگال کے اکثر مقدمات کی روئداد بغور ملاحظہ کرنے سے اس بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اصلی علاج ان خرابیوں کا سلف گورنمنٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جبکہ ٹیکس لگانے کا اختیار صرف جمہور کو حاصل ہو گا۔ ایگزکٹو و جڈیشل دونوں کی تنخواہ صرف جمہور کے ہاتھ میں ہو گی اور فلاح ملک اور ترقی تجارت و صنعت کی ذمہ داری بھی صرف جمہور کے ذمہ ہو گی۔ چنانچہ یہیں سے ہے کہ ہندوستان کے مرد بزرگ "مسٹر دادا بھائی نوروزجی نے کلکتہ کانگریس کے موقع پر صاف کہہ دیا کہ ہم اپنا آخری مقصد "سوراج یا انگلستان کی سی سلف گورنمنٹ" سے کم کسی طرح قائم نہیں کر سکتے۔

پس ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے مطالبوں کا دائرہ تنگ تھا اس وقت تک بے شک عرضداشتوں اور شکایت ناموں سے بھی کچھ کام نکلتا رہا لیکن جبکہ ہم نے سوراج کو علانیہ اپنا پولیٹکل مذہب بنا لیا ہے تو اب بھی گداگری کی قدیم پالیسی پر قائم رہنا اول درجے کی نادانی ہے کیا معنی کہ جب یہ بات صریحاً عقل کے خلاف ہے کہ کوئی شخص کسی سائل کو اپنی تمام جائیداد محض اس کے سوال پر بخوشی بخش دے تو ہم انگریزوں سے کس بنا پر اس کی امید کر سکتے ہیں کہ وہ محض ہماری درخواست پر حکومت کے تمام اہم فوائد سے برضا

مندی دست بردار ہو جائیں گے۔ اب تو اگر ہمیں اپنی بات کا ذرا بھی پاس ہو تو بجائے رزولیوشن پاس کرنے کے دفاعی مزاحمت (پیسورز سٹنس) کی پالیسی پر کاربند ہونا چاہئے اور عرضداشیش پیش کرنے کو اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہئے جب تک کہ ملک میں اتنی قوت پیدا نہ ہو جائے کہ ہماری عرضیاں جبری مطالبوں کی قائیم مقام کی جا سکیں لیکن فریق نرم کو خوف ہے کہ ایسی کارروائی سے انگریز ناراض ہو جائیں گے چنانچہ اسی ضمن میں ان کی

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ انگریزوں کو صریحاً اپنا مخالف بنا کر فریق گرم تحریک حریت کو نقصان پہنچاتا ہے

حالانکہ بہت کم غور سے یہ بات دریافت ہو سکتی ہے کہ تحریک حریت سے انگریزوں کی مخالفت قدرتی اور لازمی ہے جس کا الزام فریق گرم کو دینا کس طرح قرین انصاف نہیں ہو سکتا۔ نرم لیڈر اتنا بیشک کہہ سکتے ہیں کہ قوم پرست فریق کی سرگرمی سے انگریزوں کی ناراضی قبل از وقت معرض ظہور میں آگئی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا یہ اعتراض بھی ناروا اور بے جا ہے۔

ہم اپنے نرم دوستوں سے سوال کرتے ہیں کہ آیا سلف گورنمنٹ آپ کا آخری مقصد ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو ہم کو بھی آپ سے کچھ سروکار نہیں لیکن اگر ہے تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ سلف گورنمنٹ کا مطالبہ اور انگریزوں کی رضامندی دو متضاد چیزیں ہیں جن کا یکجا ہونا بمصداق

ہم خدا خواہی وہم دینائے دوں

یقیناً دشوار بلکہ محال ہے پس جب ہمارے حصول مقصد کے لئے انگریزوں کی ناراضی لازمی قرار پائی تو پھر اس سے بچنے کی کوشش کرنا فضول ہی نہیں بلکہ مضر بھی ہے کیونکہ جتنے دنوں تک ہم خود کو دھوکے میں رکھیں گے یا بالفاظ دیگر انگریز بظاہر صورت ہم سے خوش رہیں گے ہماری پولیٹکل طاقت کے زوال کو ترقی ہوتی رہیگی۔ بیشک ہمارے لئے یہی پالیسی سب سے بہتر ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے ہم اپنی اصلی حالت کو دریافت کر لیں اور پھر جو طرز عمل اس کے مناسب ہو اسے بلا خوف و خطر اختیار کرنے میں مطلق تامل نہ کریں۔

شاید ہمارے نرم دوستوں کو امید ہوگی کہ ہم دھوکے ہی دھوکے میں بغیر

انگریزوں کو ناراض کئے ہوئے۔ تمام حقوق حاصل کرلیں گے لیکن ہمارے نزدیک ء

ایں خیال است و محال است و جنون

کیونکہ انگریزوں کی قوم اس قدر بیوقوف نہیں ہے کہ اہل ہند کی اصلی مقصد کی۔ تہ کو نہ پہنچ سکے۔ علاوہ بریں اگر بفرض محال انگریز دھوکا کھا کر ہم کو بلاوجہ سلف گورنمنٹ دینے پر بخوشی رضامند بھی ہو جائیں تو ہم کو خود ایسے تحفے کے قبول کرنے میں تامل ہوگا کیونکہ بقول اخبار بندے ماترم "ہندوستان میں سلف گورنمنٹ کو سخت کشمکش اور مزاحمتوں کے بعد قائم ہونا چاہئے اور ہم ایسی کشمکش کے خیر مقدم کے لئے آمادہ ہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ اسی سے ہماری قوم کو حب وطن اتفاق اور انتظامی قابلیت کا ایک ایسا سبق حاصل ہوگا جس کے بغیر ہم اس آزاد قومی زندگی کے ہرگز لائق نہیں ہو سکتے جس کی ہمیں خواہش ہے لاریب ہم اس امر کو ترجیح دیتے ہیں کہ ہم کو سلف گورنمنٹ بجائے آسانی کے سخت مشکل سے حاصل ہو یعنی یہ کہ اس کا وجود خود ہماری ہی اندرونی قوتوں کے زور سے، نہ کہ بیرونی رعایتوں کی بدولت، معرض ظہور میں آئے ایسی نشوونما کے یقیناً حقیقی اور زیادہ قوی ہونے کے علاوہ اس کے نتائج بھی دوامی ہونگے کیونکہ جو آزادی بطور تحفہ حاصل ہوتی ہے وہ بہت جلد نابود بھی ہو جاتی ہے اس کے برخلاف جو آزادی نتیجہ ہو سخت جہد و کشمکش کا اس کے دیرپا ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔"

تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ دفاعی مزاحمت کی پالیسی جدا اعتدال سے متجاوز ہے

چنانچہ اسی غلطی کی بنا پر فریق گرم کو بعض ناواقف اکسٹرمسٹ کے نام سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ دراصل دفاعی مزاحمت یا پیسوزرسٹنس کا منشا سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ملک کو جنگ اور خونریزی کی مصیبتوں میں مبتلا ہونے سے باز رکھے۔ حاکم سے محکوم اپنے ملکی حقوق کو تین ہی صورتوں میں لے سکتے ہیں۔ اول درخواست مرحمت کے ساتھ گدایانہ دستِ طلب دراز کر کے جس کا بیکار ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ دوسرے خونریزی و فساد کے ذریعے سے حاکم کو مغلوب و مجبور کر کے جس کی بظاہر حالات کوئی صورت نہیں نظر آتی۔ پس اب ہمارے لئے سوا اس کے اور کوئی کاروائی

مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ فی الحال نہ تو ہم گداگری کی ذلت گوارا کریں نہ جنگ وجدل کی آزمائش میں پڑیں بلکہ ان دونوں سے علیحدہ رہ کر دفاعی مزاحمت کے اس درمیانی طریق پر چلنا شروع کردیں جو مفید ہونے کے بجائے کبھی مضر ہو ہی نہیں سکتا اور یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر مزاحمت کی پالیسی کو طلب کی پالیسی پر صریحاً ترجیح حاصل ہے کیونکہ بحالت ناکامی گداگر کی طبیعت مایوسی کے ایسے قعر میں گر جاتی ہے جس سے دوبارہ نکلنا اس کے لئے بالکل محال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بر خلاف مزاحم اگر ناکام بھی رہے تو دوران مزاحمت میں اُسے جو قوت اور تجربہ حاصل ہوتا ہے اس کا فائدہ کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا مثلاً لارڈ کرزن نے جس وقت سر ہنری کاٹن کے ہاتھ سے کانگرس کے زرولیوشن لینے سے انکار کردیا تو فریق نرم کو مایوسی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ حالانکہ اگر فریق گرم کا اصول بوائیکاٹ انگریزوں کو عطائے حقوق پر مجبور نہ بھی کر سکے تاہم دوران بوائیکاٹ میں ملک کی تجارت اور اہل ملک کی ہمت اور خود اعتمادی کو جو نمایاں فوائد حاصل ہوں گے ان کو ہم بجائے خود ایک بڑی کامیابی کے برابر کہہ سکتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ انتہائی پالیسی درحقیقت جنگ وجدل کی پالیسی کا نام ہے پس جو لوگ اس پالیسی کے پیرو ہیں وہ بے شک خطاب اکسٹریسٹ یا مفرطین کے مستحق ہیں لیکن ان کے علاوہ پیروان دفاعی مزاحمت کو بھی انتہا پسند کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔

فقط حسرت موہانی۔

○ ○

اضطراری فوائد کا شکریہ ضروری نہیں ہے

ہم اس آرٹکل میں یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر برٹش حکومت ہند سے کچھ فوائد مرتب ہوئے بھی تو ان کی حیثیت محض اتفاقی یا اضطراری فوائد کی ہے جن کی بابت کسی پارٹی یا گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے سامنے یہ سوال نہیں ہے کہ انگریزی تعلق سے ہندوستان کو کیا کیا فائدے پہنچے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ اہل ہند کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کا برتاؤ نیک نیتی پر بھی مبنی تھا یا نہیں۔

مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ زید عمر سے کسی خاص وقت اور مقام پر ملنے کا وعدہ کرتا ہے اور بغرض ایفائے وعدہ جب وہ مقام مقررہ کو جاتا ہے تو اثنائے راہ میں اُسے خوش قسمتی سے اشرفیوں کی ایک تھیلی پڑی ملتی ہے۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر زید نے عمر سے ملنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اُسے تھیلی نہ ملتی لیکن کیا اپنی اس خوش قسمتی کے لئے اُسے عمر کا شکر گزار ہونا ضروری ہے۔

دوسری **مثال** لیجئے کہ زید عمر کو ایک پُر تکلف دعوت میں مدعو کرتا ہے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ عمر کو زہر دیدے۔ عمر دعوت کو قبول کر لیتا ہے لیکن غلطی سے زہر والی رکابی اس کے سامنے نہیں آتی۔ وہ واقعی خوب سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے اور آخر میں اپنے بدنیت میزبان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ لیکن اگر عمر کو زید کے ارادۂ فاسد کا حال معلوم ہوتا تو کیا اس وقت بھی اسے عمر کا ممنون ہونا لازمی تھا۔

پہلی مثال میں اگر راستے میں بجائے تھیلی پانے کے زید ناگہانی طور پر ٹھوکر کھا کر گر پڑتا اور اس کا بازو ٹوٹ جاتا تو اس حادثے کا الزام بھی وہ عمر پر نہ رکھتا۔ غرضیکہ اتفاقیہ امور میں شکر گزاری یا الزام کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔

تعلیم اور ریلوے وغیرہ سب اتفاقیہ فوائد ہیں

کہا جاتا ہے کہ اہل ہند اُس تعلیم کے لئے ممنون ہیں جو برٹش حکومت نے ان کو دی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکار کو یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ اُس کے طرز تعلیم سے لوگ ہندوستان میں اس کے اقتدار کے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ اگر اس طرز تعلیم سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے تو یہ ایک محض اتفاقی امر ہے جو انگریزوں کی خواہش کے خلاف نکلا کیونکہ وہ ہندوستان کو ہمیشہ ماتحتی کی حالت میں رکھنا چاہتے ہیں۔ برٹش سلطنت جو اہل ہند کو انگریزی طریقے پر تعلیم دیتی ہے اس کی ظاہری وجہ یہی ہے کہ معدودے چند انگریز ہندوستان کے سے وسیع ملک پر بلا اعانت اُن ہندوستانیوں کے حکومت نہیں کر سکتے جن کی تعلیم اپنے اجنبی آقاؤں کے خیالات کے مطابق ہوئی ہو مگر اس قسم کی تعلیم سے بھی طبیعتوں میں اغیار کی محکومی سے برگشتگی ضرور پیدا ہو گئی ہے اس لئے جو نفع اس تعلیم سے پہنچا وہ محض اتفاقی ہے۔ اس کی وہی مثال ہے کہ خالد بکر پر طمنچہ فائر کرنا چاہتا ہے۔ اتفاق سے طمنچہ خالد کے ہاتھ سے چھوٹ پڑتا ہے اور بکر اس کو اٹھا کر خالد ہی پر سیدھا کرتا ہے تو بکر خالد کی اس عنایت کا ممنون نہیں ہو گا کہ اسنے بکر کو طمنچہ دے کر اس کی جان بچائی۔

ریل اور تار بھی اس قبیل کی نعمتوں میں سے ہیں جو ہندوستان کو انگریزی عہد میں نصیب ہوئی ہیں۔ جس شخص نے تاریخ ہند کا مطالعہ کیا ہے اس کو معلوم ہے کہ ریلوے کے اجراء میں لارڈ ڈیلہوزی کے دو مقصد تھے۔ اول تو یہ کہ فوج کی آمد و رفت باآسانی ممکن ہو۔ دوسرے یہ کہ انگریزی تجارت کو فروغ ہو۔ سر ولیم ہنٹر نے "امپریل گیزیٹیر آف انڈیا" میں لکھا ہے کہ لارڈ مذکور کی تجویز یہ تھی کہ عمدہ عمدہ سڑکیں تیار کر دی جائیں جنسے تمام بڑے بڑے شہروں اور تمام چھاونیوں کا سلسلہ مل جائے۔ اب اگر اس ریل اور تار سے ہندوستانیوں کو بھی کچھ نفع پہنچتا ہے تو وہ محض اتفاقی یا اضطراری ہے خاص کر اس لحاظ سے کہ اگر ہندوستانی ریل سے محروم رکھے جائیں تو ریلوے لائنوں کی آمدنی اُن کے اخراجات کے لئے ہرگز کافی نہ ہو۔

انگلستان میں اٹھائس ہزار میل ریل ہے۔ ان میں سے ایک میل بھی سرکاری نہیں ہے اس لئے اہل انگلستان سے ریل کے حساب میں کچھ ٹیکس نہیں وصول کیا جاتا۔ برخلاف

اس کے ہندوستان میں ہر شخص ریلوے کے قیام کا ذمہ دار ہے خواہ اس نے کبھی ریل کی صورت بھی نہ دیکھی ہو اور پھر ریل سرکاری ملکیت۔

انگلستان کی بدنیتی

ایک اینگلو انڈین افسر ڈپٹی سرجن جنرل پاسکے کا یہ قول صحیح ہے کہ "انگلستان کے تمام فتوحات والحاقات کی بناونابت وخود غرضی پر ہے۔"

اس حالت کو مسٹر دادا بھائی نوروز جی سے زیادہ صفائی کے ساتھ کسی نے نہیں بیان کیا ہے۔ آپ نے دسمبر ۱۹۰۳ء میں بمقام والورتھ اپنی اسپیچ میں بیان کیا کہ "انگریزوں نے لوگوں کو ایک دوسرے کو لوٹنے سے اس لئے باز رکھا کہ وہ خود سب کچھ لوٹ لیں اور پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم نے ہندوستانیوں کے جان ومال کے لئے امن پیدا کر دیا اور ان کو ہمارا ممنون ہونا چاہئے بیشک انہوں نے اس قسم کا امن پیدا کر دیا لیکن اسی لئے کہ وہ بے دغدغہ سارا مال خود لے جائیں۔ جان کی امان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مشرق کے قدیم خود مختار حکمران ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو قتل اور رعایا کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تھے تو اس وقت انگریزی حکومت بھی بڑی فطرت اور بے خطا اصول کے ساتھ لاکھوں آدمیوں کو قحط وطاعون کے ذریعے سے فنا کئے دیتی ہے اور کروڑوں کو فاقوں سے مارے ڈالتی ہے۔ اینگلو انڈین یعنی انگریز اُن ہوشیار سرجنوں کے مثل ہیں جو نہایت ہی تیز نشتروں سے دل تک شگاف دے جاتے ہیں اور سارا خون اس طرح نکال لیتے ہیں کہ بظاہر خراش کا نشان بھی نظر نہیں آتا۔"

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزی حکومت ہند کے اغراض میں خلوص نیت ابتدا ہی سے نہیں ہے کیونکہ ان اغراض کی بنا طمع زر اور ہوس اختیار پر قائم ہوئی تھی، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اہل ہند کو اگر کوئی نفع برٹش حکومت سے اتفاقی طور پر حاصل ہو جائے تو وہ اس کے ممنوں بھی ہوں

مرحوم مصطفےٰ کامل پاشا

فقط ترجمہ از انڈین سوشیالوجسٹ لنڈن کے افسوسناک سانحۂ وفات سے نہ صرف مصر پر بلکہ تمام دنیائے اسلام پر حزن و حرمان کا ایک ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس کے بار گراں کا اندازہ بیان کی قوت سے باہر ہے۔

ہر ملک اور ہر قوم میں ایسے وطن فروش اور حریت دشمن لوگ موجود ہوتے ہیں جو آزادی کی تحریک کو خبط اور مالخیولیا قرار دے کر صرف طلب اصلاح پر قناعت کرنے کو متقضائے دانشمندی سمجھتے ہیں مثلاً ہندوستان ہی کے سیاسی گروہ میں سے فریق نرم ہند برائے اہل ہند" کی پالیسی کو دور از کار اور ناممکن العمل ٹھراتا ہے اور موجودہ غیر طبعی نظام حکومت میں صرف تدریجی اصلاح" کا خواہشمند پایا جاتا ہے۔

ایسے تمام نادان محبان ملک کو مصطفےٰ کامل نے نہایت خوب جواب دیا ہے کہ "مفتوں قوموں اور ملکوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی پالیسی نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی تمام ہمت کے ساتھ حریت کامل کے دوبارہ حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہو جائیں پس جس شخص کی پالیسی اس سے کچھ بھی مختلف ہو اس کی نسبت سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بہی خواہان وطن کی گروہ سے یقیناً خارج ہے۔"

مصطفےٰ کامل کی وفات سے مصر میں تحریک حریت کو بیشک ایک عظیم صدمہ پہنچا ہے لیکن ہم کو ان کی وفات میں بھی مصلحت ایزدی کا ایک عجیب و غریب کرشمہ نظر آتا ہے جسکی بنا پر کیا عجب ہے کہ آزادیٔ مصر کو نقصان کے بجائے فائدہ پہنچے حقیقت میں ہندوستان کے ایک زبردست وطن پرست کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ "آزادی اقوام کی باب میں تائید ایزدی کا ظہور اکثر اس شان میں بھی ہوا کرتا ہے کہ عین اس وقت جبکہ جمہور کو رہنمائی اور امداد کی سخت ضرورت ہوتی ہے عین اس وقت کہ جمہور میں اختلاف رائے کی وجہ سے تفرقہ کا اندیشہ ہوتا ہے عین اس وقت کہ وطن پرستوں کا گروہ اجتماع و انضباط ابتدائی حالت میں ہوتا ہے، جمہور کے درمیان سے اس کا لیڈر اٹھا لیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب دفعتاً وطن پرستی کی جوش سے اس درجہ بھر جائیں کہ وہ اپنے اختلافات کو فراموش کر کے ملک و قوم کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہو جائیں۔ لاریب ایسے موقعوں پر لیڈر کی موت وہ کام

کرتی ہے جو سیکڑوں جلسوں ہزاروں لکچروں اور لاکھوں اسپیچوں سے نہیں ہو سکتا۔ اور یہیں سے ہے کہ مصطفےٰ کامل کی مرگ بے ہنگام نے ہمارے دل میں نامعلوم طور پر یقین پیدا کر دیا ہے کہ آزادی مصر کا زمانہ اب بہت دور نہیں ہے۔ ”فقط حسرت موہانی۔

○○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب اُردوئے معلےٰ

حصہ سوم

بیاض

لوگ کہتے ہیں اور مجھے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترقی تہذیب کے ساتھ سخن گوئی و سخن فہمی کا بازار سرد پڑتا جاتا ہے۔ ایک یہ زمانہ ہے کہ شغل سخن کو کار بیکاران خیال کرنا مقتضائے روشن خیالی سمجھا جاتا ہے یا ایک وہ دن تھے کہ علما و فقہا بھی اوقات فرصت میں کیفیت اشعار ہے مسرت اندوز ہوا کرتے تھے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی اور غالب کے روابط باہم مفتی صدر الدین خاں مرحوم دہلوی و مومن و شیفتہ کے تعلقات محبت۔ مولانا مولوی آل حسن قبلہ و شہید کی صحبت کی رنگنیاں حسرت محروم نے بزرگوں سے ان سب کا حال سنا ہے اور بارہا تمنا کی ہے کہ اے کاش میں بھی اس زمانہ لطف میں موجود ہوتا اور ان بزرگوں کے فیض کمال سے مستفیض ہوتا۔

مولانا فضل حق مرحوم و مفتی صدر الدین خاں و مولانا آل حسن کی علم و تبحر سے کون آگاہ نہیں ہے لیکن اس علامتی مذاق کو دیکھنا کہ مرزا غالب و مومن و شہید کے ساتھ ان حضرات باکمال کی شام کی نشستیں علمی حیثیت کے علاوہ ادبی حیثیت سے بھی اس پایہ ہوا کرتی تھیں کہ ان کی شرکت تو شرکت وہاں باریابی ہی خوش فکری و خوش فہمی رنگین مزاجی و علم دوستی کی ایک ایسی سند ہوا کرتی تھی جس پر زمانہ حال کی ہزاروں بی اے اور ایم۔ اے کی ڈگریاں قربان۔

ہائے کیا زمانہ تھا اور کیا لوگ تھے۔ شعراء علمیت سے بہرہ وافر رکھتے تھے اور علما ذوق سخن سے۔ بندہ نے دو واسطوں سے سنا ہے کہ مولانا فضل حق مرحوم فرمایا کرتے تھے۔ کہ بارہا میں نے مرزا غالب کا مبلغ علم دریافت کرنا چاہا لیکن نہ معلوم کر سکا۔ اثنائے گفتگو میں اکثر قصداً مشکل مسائل فلسفہ کا ذکر آجاتا تھا لیکن مرزا ان پر بھی ایسی گفتگو کرتے تھے کہ گویا ابھی اُن کے متعلق مطالعہ کر کے آرہے ہیں۔

مرزا کی قابلیت کا حال تو یہ سنا اب مولانا کی سخن فہمی کی کیفیت سنئے کہ غالب کا سا نازک دماغ شاعر اور اسے مولانا کے مذاق سخن پر اتنا اعتبار کہ اپنے دیوان کا انتخاب اُن کی رائے پر منحصر کر دیا۔ جو کچھ انہوں نے پسند کیا وہ رکھا باقی ضائع کر دیا فتامل۔

مکمل قابلیت کے یہی معنی ہیں ورنہ تجر کے ساتھ ادب سے بے پروائی نقص کمال کی دلیل ہے اور سخن سنجی کے ساتھ علم سے بے گانگیِ پستی مذاق و مائگی کا ثبوت قطعی۔

ہاں تو مجھے بیان یہ کرنا ہے کہ زمانہ قدیم میں ہر جگہ عموماً اور ہمارے اودھ میں خصوصاً ہر صاحب علم آشنائے شعر بھی ہوتا تھا۔ اور اس لئے اکثر کے پاس اپنی پسندیدہ و برگزیدہ اشعار کی ایک بیاض ہوا کرتی تھی۔ جس میں ابیات و اشعار منتخبہ کے علاوہ لطائف لطیفہ و نسخہ جات مفیدہ کا بھی کچھ سامان ہوتا تھا۔

میں نے اس قسم کی بہت سی بیاضیں دیکھی ہیں۔ ''ان کا مطالعہ'' ان کے مطالعے سے صاحب بیاض کے زمانہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے شعر لکھا ہے اور موقع شعر بھی۔ اور ساتھ ہی تاریخ ثبت شعر بھی۔ طبیعت شعر کا لطف اٹھا رہی تھی کہ تصور نے ۱۲۱۲ ہجری کی ۲۵ ذی الحجہ کو پیش نظر کر دیا۔ اور اس زمانہ کی یاد عبرت انگیز نے کیفیت شعر سے ملک کر بیخودی کا ایک ایسا عالم پیدا کر دیا جس کا بیان تحریر سے ناممکن ہے تقریر سے بھی ناممکن ہے دل کچھ جانتا ہے لیکن وہ غریب مجبور ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس جذبہ پسندیدہ حیرت و مسرت کی ماہیت سے وہ بھی بخوبی آگاہ نہیں۔ اس معذوری سے مجبور ہو کر مجھے سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی کہ ان بیاضوں میں سے بعض مقامات بجنسہ نقل کر دوں۔

ارباب ذوق خود اپنی سرخوشی کا سامان کر لینگے۔ قدردانان اُردوئے معلیٰ کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ یہ سلسلہ انتخاب چند روزہ نہیں نیز یہ کہ انتخاب میں اُردو فارسی میں فرق نہیں کیا گیا ہے۔

انتخاب بیاض جناب مولانا مولوی سید آل حسن قبلہ موہانی

راقم الحروف کے پرنانا مولوی سید آل حسن قبلہ موہانی ہندوستان کے مشاہیر ے علماء سے صاحب تصانی متعددہ تھے چنانچہ کتاب علماء ہند میں انکا ذکر موجود ہے مناظرہ میں آپ کی ایک کتاب استفسار ارونصاریٰ میں ایسی ہے جس کا آج تک کسی نے جواب نہیں دیا خود امہات مومنین کی مولف کا قول ہے کہ استفار کا جواب ناممکن ہے علاوہ اس کے کتاب مجمع النورین اثبات الوہیت رسالت میں۔ استبشار پادری فنڈر کی کتاب کے جواب میں ایسی کتابیں ہیں جن کی نظیر مشکل سے ملے گا۔

خاقانی

ایکہ میپری چہ شدسر سرنمید انم چہ شد
تیغ درکف دیدم و دیگر نمید انم چہ شد

سعدی

غم زمانہ کشم یا فراقِ یارکشم
بطافتے کہ ندارم کدام بارکشم

نظامی علیہ الرحمتہ

عاشق شدہ ام جاناں تدبیر چہ فرمائی
ازارہِ صلاح آیم یا ازدر رسوئی

سودا

کیونکر ہو باغ جانا اس میرزا منش کا
واں سرومیں نہیں ہے آداب کونش کا

مولانا روم

میگفت چشم مستش باکاکل سیاش
من مے وہم فلائزا تو درربا کلاہش

حضرت مرزا مظہر علی جاناں قدس اللہ سرہ العزیز

مہتاب و شراب و انتظارت
ایں صبح قیامت ست شب نیست

بدوواسطہ شنیدم کہ مرزا صاحب مرحوم حسب عادت ایں شعر را از دیوان خود محو میکردند۔ شخصے حاضر گفت ہمچو شعر را محو نمودن چہ جائے ست فرمودند کہ محو ساختم از سقم نیست بلکہ ایں شعر مرگم بجوانی میخوا است چوں نمردم حسن عالم نماند رفقط۔

میر محمدؐی بیدار

جس دن تم آکے ہم سے آغوش ہوگئے
شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہوگئے

نظیری نیشاپوری

زنگہت سحری شوق یارے خیزو
جنوں زسایۂ ابر بہار مے خیزو

خاقانی

من بندہ آں و مم کہ ساقی گوید
یک جام دگر بگیر و من نتوانم

شیخ سعدی الرحمتہ

لاؤ بالی چہ کند دفتر دانائی را
طاقت وعظ نبا شد سر سودائی را
سعد یا نوبتے امشب دہل صبح نکوفت
یا مگر صبح نبا شد شب تنہائی را

انتخاب بیاض جناب منشی مسعود احمد صاحب ضمیر مینائی لکھنوی

شیخ امان علی سحر لکھنوی شاگرد ناسخ

رنج و غم ہجر کے گذر بھی گئے
اب تو وہ وسیان سے اتر بھی گئے
واہ رے پیچ و تاب گیسو کے
بال بکھرے بھی اور سنور بھی گئے
کل وہاں یاد عاشقوں کی ہوئی
کوئی کہتا تو تھا سحر بھی گئے

سحر لکھنوی

استخارہ جو سحر وصل پہ واجب آیا
مسکرا کر وہی کنٹھا مرے منہ پر مارا

سحر لکھنوی

جو اچھا برا پہنا سب تن پہ ہوا گہنا
اچھوں کا بھی کیا کہنا رودار نہیں چپتے

جلیل

نقاب کہتی ہے میں پردہ قیامت ہوں
اگر یقین نہ ہو دیکھ لو اٹھا کے مجھے

میر تقی میر

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نجانے گل ہی نجانے باغ تو سارا جانے ہے

انتخاب بیاض مولانا مولوی سید آل حسن صاحب موہانی

ساقی قدحی کہ دور گلزار گذست
مطرب غزلے کہ وقت گفتار گذشت
اے ہمنفس از بہر دل زار بگو
افسانۂ زاں شبے کہ بایار گذشت

میر محمدی بیدار

ربط جو چاہئے بیدار سو اس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

امیر خسرو دہلوی (در دفن لیلےٰ)

گریاں جگر زمین کشادند
وان کان نمک در نہادند

حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس اللہ سرہ

سر آں غرور گردم کی گنی چو مہر بامن
سر پازنی و پرسی کہ بگوچہ حال داری
نام دو چشم تو ندانم کہ چیست
زاں دو یکے آفت و دیگر بلا

خواجہ احسن اللہ بیان دہلوی شاگرد مرزا مظہر قدس اللہ سرہ

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح گئا روز گذار جائیگی بھی

انتخاب بیاض جناب مولوی سید فخر الحسن صاحب فطرت موہانی

لااعلم

مرے دست جنوں کو مشغلہ اچھا نکل آیا
گریبان پھٹ گیا تو دامن صحرا نکل آیا

کلیم

براہ اوچہ دربازیم نے دینے نہ دینائے
ولے داریم واند وہی سر سے دریم و سودائے

شیفتہ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

لاادری

نہ بہار باغ سا زدنہ کنار کشت مارا
تو بہر کھجا کہ باشی بود آں بہشت مارا

لااعلم

دل آزردہ و چشم خونبارداری
مگر با محبت سردکار داری

بقامرحوم

ساقی کی مسیں بھیگی ہیں اے بادہ پرستو
یا کشتی مے آن کے ساحل سے لگی ہے

رباعی۔ از حضرت امیر کلال قدس اللہ سرہ العزیز

اے آنکہ دوائے درد منداں دانی
درماں و علاج مستمنداں دانی
حال دل خویشتن چہ گویم باتو
ناگفتہ تو صد ہزار چنداں دانی

سانجہہ بمبئی دن اتوں لاگو چکوی دنیا روے
چل چکو اوا دیس کو جہاں سانجہہ کھبونا ہوئے

لاعلم

کون سمجھائے بجھائے تیرے دیوانے کو
وہ ڈراتا ہے گلا کاٹ کے مر جانے کو

سلیم طہرانی

مستان تو اند خستہ چند
چوں تو بہ خود شکستہ چند

انتخاب بیاض حسرت موہانی

حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمتہ اللہ علیہ

آسماں از صبح تا صبح دگر قربان اوست
ویں قمر ہر شب کہ میگردد بلا گردان اوست
زخم دل مظہر مبادا بہ شو ہوشیار باش
کایں جراحت یادگار ناوک مکاں است

حضرت صغیر لکھنوی شاگرد رشید حضرت رشک لکھنوی

دل کو کیا تھی خبر رنج و محن پہلے سے
تیرے تیور نہیں اے عہد شکن پہلے سے

بسمل دہلوی

دل ہمسے تو نے اے بت کافر اٹھالیا
اس نازکی کی میں بار یہ کیونکر اٹھالیا

سعادت یار خان رنگین

قسم ہے ایک عالم کو رُلا دیتا ہے اے رنگین
وہ ان کی جھڑکیاں کھا کر تیرا مجبور ہوجانا

مرزا ابوالحسن آبجو

بجا شہرہ شدن از تو سزا وار نبود
ورنہ بر من ستمت اینہمہ دشوار نبود

جرأت

شبِ ہجراں نہیں بلا ہے یہ
صبح ہوتی نہیں ہے کیا ہے یہ

بابائے فغانی

بتوزاں خوشم فغانی کہ نشانِ می زوامن
ہمہ کس ز آب شوید توز گریہائے ہستی

میر عزیز قزدینی

بزم ترتیب دہی بادہ چونبیا دکنی
چشم وارم کہ زمحرومی من یاد کنی کئی

خواجہ حسن دہلوی

امنڈ کے آنکھوں سے یکبار بہ چلے آنسو
ہنسی ہنسی میں جو ذکرِ وداع یار ہوا

بابائے فغانی

ترادر برکشم تاکشتہ گردم
تمنائے دل بیاکم ایں است

شادمان گہکر

امروز دیگر است زخوبی بہار گل
درروئق ستارہ بلند ست کار گل

Library
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

میر علی اکبر تشبی کاشی

گویند بہارے شدہ گل آمدوے رفت
مانے کہ ندانیم کہ کے آمد کی رفت

درویش

ایک دن بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مل
روز روتے ہیں وہاں کے درو دیوار سے مل

نواب امیر خاں امیر

نظلم کشی و خواہم ترا سزا نرسد
خدا کند کہ بفر یاد ماخدا نرسد

مسرور علی نواسہ میر شیر علی افسوس

کان تک اس کے پہنچی میری فریاد نہیں
بھول جانے کے سوا کچھ بھی اسے یاد نہیں

لااعلم

باغ میں گل سے سبھی لوگوں نے دامان بھرے
ایک کمبخت ہمیں رہ گئے ارمان بھرے

طالب علی خان عیشی

رویا میں بہت یاد کر کے ماجرائے دل
پروانہ جلے رات جو محفل میں رہ گیا

اشرف علی خان فغان

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
یا تنک گماں نہ تھا تیرے صبرو قرار کا

فیضی

گرچہ جان بیتو بہ لب نزدیک است
دور بودن بہ ادب نزدیک است

لااعلم

نالہ ئے ہے اشک مے ہے دیدہ تر جام ہے
آج میخوارو وداع ساقی گلفام ہے

صفا

محتسب جھوٹ ہے مے کس نے بھری شیشی میں
رہ گئی ہے مری آنکھوں کی تیری شیشی میں

مرزا عسکری عاقل خان رازی

ہرگز ندید چشمے در ملک جلوہ سازی
ابرو بایں بلندی مژگان بایں درازی

میر سنجر کاشی

آتش خرمن منی شبنم کشت دیگران
دوزخ من چراشدی ای تو بہشت دیگراں

مرزا محمد حسین سیرتی قزوینی

دل محمود شدا سیرا یاز
کار خود کردہ عشق بندہ نواز

میلی ہروی

میلی ہزار حیف کہ آن مے پرست را
ذوق شراب ساقی ہر انجمن کند

نظیر اکبر آبادی

شور افگن جنوں ہے جس جانگاہ کرنا
رکھتا ہے کام اے دل واں ضبط آہ کرنا

شاد عظیم آبادی

الفت میں تری پاک ہر الزام سے ہم ہیں
پہلو میں نہیں دل تو کس آرام سے ہم ہیں

جناب سید عطا کریم صاحب بہاری شاگرد حضرت تسلیم لکھنوی

ہے فروزاں جو کنول لالۂ صحرائی کا
عرس جنگل میں ہے شاید کسی سودائی کا

فیضی

ترک من باسپاہ ناز رسید
فتنہ را وقت ترکتاز رسید
آن رسید از تو دلفریب بمن
کہ بمحمود از ایاز رسید
فیضی از وصل دست کوتہ کن
کہ ملامت زباں دراز رسید

از بیاض علامی میر عبدالجلیل بلگرامی عطر اللہ مضجعہ فراگرفتہ شد

آقا رضا

بجوئی تو سوارے بصد رزیں نہ نشت
تو تا سوار شدی فتنہ برزمین نشت

میرزا سعد اللہ محمد

سبک بچشم تو از شیوۂ وفا شدام
سزائے من کہ بہ بیگانہ آشنا شدہ ام

مولانائے روم

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شوتا گل بروید رنگ رنگ

میرازمحمد مقیما

لب بستہ زجرات طلب باش
در حضرت عشق با ادب باش
گستاخی شکوہ است اندوہ
فرمان رضا شنو طرب باش
خواہی کہ بروز روز باشے
شب روز کنان بکار شب باش
ساقی شواگرمے شوی مے
گر فیض رساں نہ سبب باش

○ ○

بیاض حسرت

فیضی

زبد مستی و گرآں غمزدہ خود کام بریز نیست
گریباں تبسم از گل و شنام لبریز است

فغفور یزدی

رخت چوں از نظر پہناں نشید
ہزاراں دیدہ سرگرواں نشید
بہارے در دل آردیا درویت
کہ بستان برسر بستان نشید
زیم دورباش غمزدہ تو
نگاہم درپس مژگاں نشید
گر آویز و بفتر اک تو فغفور
سرش در حلقۂ سامان نشید

مرزا جلال اسیر

رخصت کشتنم بدہ نرگس کم نگاہ را
یا مکن آشنائے دل گرمی گاہ گاہ را
زہر شکایتم بدل شکر شکر می شودو
چوں بلب آشنا کنی خندۂ عذر خواراہ
ہر کہ زپا کی نفس ہمچوا سیر دم زند
آئینہ اشد شودگریۂ صبحگاہ را

لااعلم

گرہ میں زر ہے رند ونکے گھٹا اٹھی ہے اسے
خدا چاہے تو ساقی آج میخانے میں ہن برسے

سلمان ساؤجی

آواز جمالت تا درجہاں فتہادہ
خلقے مجستجویت سرور جہاں تھاوا
سو دائیاں زلفت گرد تو حلقہ بستہ
شوریدگان مویت درہمد گرفتادہ
نائم بستہ دل رادر لعل دلکشایت
آن لب خندہ بخشا تا دل شود کشادہ

بیاض منشی سید انور علی صاحب انور متوسل نہوپال گلشن دہلوی

بدقت یتیواں فہمید معنی ہائے ناز او
کہ شرح حکمت العین ست مژگاں در ازی

منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی

تسلیم روئے فہمید معنی ہائے نازا و
کہ شرح حکمت العین ست مژگان در از و

ملک تاشکندی

اگرچہ مجلس ستان تھی زغو غانیست
ولیک صحبت شان خالی از تماشا نیست

مائلی تاشکندی

رخ نمودی و مرابے سروسامان کردی
آفرین باد عجب کار نمایاں کردی

منشی ظفر علی خان اسیر امیٹھوی

نبض بیمار جو اے رسک مسیحا دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی

جامی

جان تن فرسودہ را باغم ہجراں گذاشت
طاقت مہماں نداشت خانہ بمہاں گذاشت

انتخاب اشعار از تذکرہ مصحفی

از سعادت یار خان رنگین شاگرد شاہ حاتم

دل تھا جو بساط اپنی سوگذار ان چکے ہیں
جی نذر کریں جس میں یہ اب ٹھان چکے ہیں
تشہ حسن سے جس وقت وہ مخمور ہوئے
تو پھر یہ کہو ہم کہیں کے نہ ٹھیرے

ضیا۔ میر ضیاالدین استاد میر حسن و شاگرد میر

لمحے ہی شب و روز شوخ سب سے
مگر اے آہ مجھ جاں بلب سے
تھوڑی بھی نیک و بدگی گروہ تمیز رکھے
کافر ہو جو دل کو اس سے عزیز رکھے

فیض۔ میر فیض علی پسر میر تقی میر

اند کے از عجب پد رہم می دارد (بقول مصحفی)
دور میں ساقی تھے آنکلے ہیں مینوش ہم
جام خالی دے ہے کیا اتنے نہیں بے ہوش ہم

قیس۔ اہم علی بیگ شاگرد جعفر علی حسرت

واں وہی نازکی کی اک آن چلی جاتی ہے
شدت شوق سے یاں جان چلی جاتی ہے
کوئی جھرکی ہمیں دے ہے کوئی وہ ہی شنام
عشق میں اپنی بھی گذر ان چلی جاتی ہے

کونسا رنگ چمن باغ سے کرتا ہے سفر
کہ صبا بے سروسامان چلی جاتی ہے
کس طرح چاک گریبان نکیجئے ناصح
فصل گل جھاڑ کے دامان چلی جاتی ہے
کیا کہوں کس سے کہوں قیس میں حالت دل
درد دل تو مریحان چلی جاتی ہے

حضرت میرزا مظہر جانجاناں رحمتہ اللہ

"زبدہ حیات ائی یومنا ہذا کہ عمر شریفش بہ پیمائش خطوط ستین است.....
ازوالا ہمتی سر استغنا بپادشاہ وزیر فرونساختہ متکی مسند فراغت و مربع نشین جا پر بالش
عزت است،، (از تذکرہ فتح علی شاہ۔ تالیف ۱۱۶۶ھ

الٰہی مست کسو کے پیش رنج انتظار آوے
ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جبتک بہار آوے
اتنی فرصت دی کہ ہولیں رخصت صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آزاد ہم

میر شرف الدین مضمون شاگرد میرزا مظہر وخاں آرزو

"از شعرے قرار دادہ رتختہ است..... ہر گاہ کہ داندایش از نزلہ رنجیدہ خان آرزو از
مزاج شا[illegible] (از تذکرہ فتح علی شاہ ۹)

[illegible] سے کشتی ہیں جو وہ محبوب جاتا ہے
[illegible] آنکھیں بھر آتی ہیں کہو دل [illegible] جاتا ہے
مر[illegible] قاصد کی طرح ایک دم نہیں تھمتا
کسی [illegible] دیا یا لئے مکتوب جاتا ہے

[illegible] خود از تذکرہ مصحفی)

لڑ[illegible] میں غصے میں لڑ لیا
پر [illegible] تو کلیجا پکڑ لیا

انتخاب بیاض مولوی سید اکبر حسن صاحب موہانی

بوئے تو بانسیم بہار آشنا نشد
گلہار شگفت و بند قبائی تو وانشد

میرزا صائب

کہ گفت در قدح ماشراب ناب انداز
تو باش ساقی در شیشہ مہر ناب انداز

لااعلم

اسیرم خواست گردیدم ہلاکم خواست میگروم
نمیدانم چہ میخواہدد گرآں ای بیوار فامن

غزل مخلوط ماخوازرسالہ معیار لکھنؤ

آہ دل میں جو تو رہ جائے گی
شرح داغ آرزو رو ہجائے گی
اہل دل کی صحبتوں میں میرے بعد
گفتگو ہی گفتگو رہ جائے
وہ مرے پھول اس لئے چھوتے نہیں
ہاتھ میں پھولوں کی بو رہ جائے
اُٹھ کے پہلو سے چلے جائیں گے وہ
دل سے ہم گفتگو رہ جائے گی
جستجو جاتی رہیگی بعد مرگ
آرزدی جستجو رہ جائے گی
ان کے دامن سے اگر آنسو پہنچے
غم کشوں میں آبرو رہ جائے گی

بیاض حسرت

ظہور اللہ خان نوکبد ایونی۔ از حضور خطاب خوش فکر خانی یافتہ فقیر اعموماً (ماخوذ تذکرہ مصحفی)

اب اشک تو کہاں ہے جو چاہوں ٹپک پڑے
آنکھوں سے وقت گریہ مگر خون ٹپک پڑے

محمد امان نثار شاگرد شاہ حاتم

خنجر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہے
نظروں ہی میں چاہے جس مطرح رکھی ہے

نواب محبت خان (ماخوذ تذکرہ مصحفی)

تجھ کو چھوڑا ہے بت مغرور نہیں جانیکا
جاؤں تو پر مجھے مقدر نہیں جانیکا

انتخاب بیاض خان بہادر میر ناصر علی صاحب رئیس فرخ نگر

از عکس نسخت جیب قبا آئینہ زارست
پیراہن از اندام تولبر بہاست
شوخے کہ مے نخوردہ دل خلق خوں کند
اہ از و مے کہ چہرہ زمے لالہ گوں کند
بے توچو شمع کر وہ ام گریہ و خندہ کار خود
خندہ بعہد ست تو گریہ بروزگار خود

کابتی

دارم گمان کہ اوہمن ناتواں خوش است
ایں قصہ گرچہ نیست یقین ہم گمان خوش است

ضمیری اصفہانی

چہ حیا است اینکہ گاہی اگرم زحال پرسی
بہزار رنگ گردی بصد انفعال پرسی

غزل مخلوط ماخوذ از غنچہ جاوید بمبئی

وہ اٹھ کے خوابگہ سے سہو بوستان چلے
کہدے نسیم صبح سے اے باغبان چلے

غنچوں کی طرح کھل گئی دل ان کو دیکھ کر
بہادر بنے چلے وہ جہاں چلے
مانا کہ اپ ہیں ستم ایجادیوں فرد
اچھا جو کوئی چال نئی آسماں چلے
جھونکوں میں آہ سرد کے دم ہوگیا فنا
دوش نسیم صبح پہ ہم ناتواں چلے
پانی کی اور رائے ہوا کا کچھ اور حکم
اب کس طرح سفینہ غم رواں چلے
اپنی گرہ میں داغ وفا کے سوا ہی کیا
چل کر وہیں رہینگے یہ سکہ جہاں چلے
پچھلے سے مست بیٹھی ہیں اس انتظار میں
پھولے شفق تو جام مے ارغواں چلے
چاروں طرف کی آکے ہوا لوٹ لے ابھی
گلشن سے بوئی گل کا اگرہ کارواں چلے
بادصبا سے کرتے ہوئے شوخیاں چلے
کہہ دیجئے حسن کی عبادت کے واسطے
مجھ کو یقین کہ وہ بدگماں چلے

حکیم علی ابر لکھنوی

وہ بعد میرے کرتے ہیں الف کا میرے ذکر
جو راز تھا کسی وہ اب افسانہ ہوگیا

سید علے نقی صاحب صفی لکھنوی

یکسی کہہ دے کہ خلوت میں آنے پائے
ہم بسر کیا جانیئے کیونکر سب ہجران کریں

انتخاب بیاض جناب حکیم مرزا جمشید علیخان صاحب اختر دہلوی

محمد حنیف خاں متخلص بہ یار

لالہ خاک شگفتہ است ہموز
خون فرہاد تختہ است ہنوز

سراج الدین علیخان آرزہ

دل بطاق ابرو ادے پرستی میکند
چوں کبوتر درمیان کعبہ مستی میکند

میر شرف الدین علی پیام

یک گردباد قیس ز ویرانہ من است
از خاک برگرفتہ دیوانہ من است
روشندلی عزیز جہانم نمودہ است
چوں شمع ہر کجا کہ روم خانہ من است

محمد خاں دیوانہ

بہار آمد صبا گلدستہ تازہ می بندد
پریشاں نسخۂ گل راد گر شیرازی می بندد
یہ گلشن بود برشاخ گلے وی آشیان من
چرا امروز برمن باغباں دروازی بندد

راجہ نندرام مخلص

زر خسار درخشاں تو چوں یکسو نقاب فتد
چو قندیل طلا آتش بجانِ آفتاب افتد
زپہلو دل بر آرید از پس مرگم کہ مے ترسم
طفیل ایں قیامت پارہ دوزخ در عذاب افتد
ازیں بیتے کہ ہست از نوری خونین نوا مخلص
چہ استعجاب دار دشور اگر در شیخ و شاب افتد

بگورستان گبرانم سپارید از پس مردن
مسلمانے مباداز پہلوئے کے من در عذاب افتد

راجہ انند رام مخلص لکھتے ہیں کہ ۱۱۵۲ ہجری میں ہم یاران دیرینہ مانند پیام اور آرزو یار اور ثابت اور دیوانہ وغیرہ فائض الانوار حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت سے واپس چلے آرہے تھے۔ برسات کا مہینہ تھا چاروں طرف سڑک کے سبزہ خودرو عجب بہار دے رہا تھا پہیاں پہیاں برس رہی تھی یاران صادق اور دوستان موافق خوش طبعیاں کرتے فی البدیہ اشعار کرتے اشعار کہتے قدرتی بہار کی سیر کرتے رتھوں میں بیٹھے چلا آرہے تھے کہ بہار کے قافیہ پر آرزو بولے ؎

چوکان لعل بجوش است خون من دائم
بے جنون بود حاجت بہار مرا

بہت دیر تک سب اس شعر کی داد دیتے رہے جب میرا نمبر آیا تو میں نے کہا ؎

مہر زاہ نیست دالم را شکایت از صیاد
نفس گرفتہ گل آخر بہار مرا

جب ہم مولانا ناصر علی مغفور کے مزار پر پہنچے تو سب نے فاتحہ پڑھ کر شعر خوانی شروع کی سراج الدین علی خان آرزو مزار کی طرف منہ کر کے بولے کہ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے ہنگامہ آرائے شور محشر تھے اگر اہل دل تھی تو اب بھی کچھ اپنی کرامت دکھائیں اور ضیافت طبع فرمائیں۔ کیونکہ۔ ہرگز نمیر آنکہ دش زندہ شد بعشق۔" ابھی یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ مولانا کے مزار مولسری کے درخت پر ایک کوئی اس خوش آوازی اور درنائی سے کوکی کہ ہم لوگوں کے دلوں پر اثر ہوا اور سب حاضرین کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور دو چار کو وجد ہو گیا اور آرزو تو بے ہوش ہو کر گر پڑے میں نے مولانا کا یہ مطلع بے اختیار پکار پڑا۔

خاک گردیدیم و مری قصد مدہنوز افغان ما
خم شکست امانمی ریزدے مئے جو شان ما

اس شعر نے تو اور بھی آگ پھونک دی اور قیامت صغری قائم کر دی ایک دوسرے کو لپٹ لپٹ کر روتے تھے اور مزار کے گرد پھرتے تھے بڑی دیر تک مولانا ناصر علی مغفور کے اس فیضان نے ہم سب کو مست بیخود بنائے رکھا۔ اللہ در من قال ؎

بر سر تربت ماچوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت کہ رندان جہاں خواہدہ

انتخاب بیاض جناب ب-ن چکبست لکھنوی

محمدؐ خاں قدسی

طبعم زبادہ چوں گل سیراب وشن است
آئینہ من ست کہ از آب روشن ست

مشتاق لکھنوی

گیا ہے حسن لیکن رنگ ہے رخا جاناں پر
ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوانر گلستان پر

اشرف لکھنوی

حال کچھ پوچھ نہ ساقی سر محفل میرا
شیشہ کیا ٹوٹ گیا ٹوٹ گیا دل میرا

انتخاب اردوئے معلّٰی

حصّہ چہارم

مشتمل بر مضامین متفرق و تنقید رسائل و کتب

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	ماخوذ از رسالہ	صفحہ
۱	بلبل، ترجمہ	از کیٹس در غنچہ جاوید	جنوری ۱۹۰۷ء	۱۵۱
۲	انبیائے ہنود	از ملا عبدالقیوم مرحوم در صحیفہ	جنوری ۱۹۰۷ء	۱۵۵
۳	میرے دوستانے والے	از یلدرم بغداد	جنوری ۱۹۰۷ء	۱۵۸
۴	مرگ محبوب (افسانہ حرمان	حسین صاحب اورینی	جون ۱۹۰۵	۱۶۰
۵	قومی شاعری	ترجمہ اخبار اللوا	مئی ۱۹۰۷ء	۱۶۴
۶	مصریوں کا قومی گیت (اے وادی نیل)	از اللوا	فروری ۱۹۰۸ء	۱۶۵
۷	مسئلہ مصر اور برٹش کانشنس	ترجمہ بندے ماترم کلکتہ	اپریل ۱۹۰۷ء	۱۶۶
۸	ایک مغنیہ سے التجا	از یلدرم بغداد	فروری ۱۹۰۶ء	۱۶۸
۹	چندر بھان برہمن	از حسرت موہانی	اگست ۱۹۰۳ء	۱۷۰
۱۰	بعض اساتذہ شعرائے ہند	از سید علی محمد صاحب شاد	فروری ۱۹۰۵ء	۱۷۶
۱۱	تذکیر و تانیث	تنقید (دبدبہ آصفی)	اپریل ۱۹۰۵ء	۱۷۹
۱۲	نواب فصیح الملک داغ مرحوم	از حسرت موہانی	اپریل ۱۹۰۵ء	۱۸۵
۱۳	مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم	(نوٹ از ایڈیٹر)	اکتوبر ۱۹۰۴ء	۱۸۷
۱۴	"میں چاہتا ہوں کہ"	از یلدرم (بغداد)	مارچ ۱۹۰۶ء	۱۹۰
۱۵	تنقید کتب و رسائل	از ایڈیٹر اردوئے معلّٰی	فروری ۱۹۰۷	۱۹۱
۱۶	مکتوبات مشاہیر	از احسن اللہ خان صاحب ثاقب	جون ۱۹۰۴ء	۱۹۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلبل

(مشہور انگریزی شاعری کیٹس کی نظم نائیٹنگل کا ترجمہ)

میرے دل میں درد اٹھا ہے اور ایک مست کر دینے والی غفلت میرے حواس پر غالب آگئی ہے۔ گویا میں نے بادہ اور غوانی کا ایک ساغر پی لیا ہے یا کسی خواب آور شربت کا جام تلچٹ سمیت پیکر ملک خود فراموشی میں پہنچ گیا ہوں۔ اے بلبل تو یہ خیال نہ کرنا کہ تیری خوش قسمتی پر مجھے رشک آتا ہے۔ بلکہ تیزی آزادی اور خوش وقتی نے میرے دل پر ایک مسرت بخش اثر پیدا کر دیا ہے کیونکہ اے درختوں پر اڑنیوالے ہلکے پروں والے فرشتے تو کسی خوشگوار سبزہ زار میں بے شمار درختوں کے گھنے سایہ میں بہت ہی بے تکلفی کے ساتھ اپنے گلوئے خوش آہنگ سے موسم بہار کے مضمون پر نغمہ سنجی کر رہا ہے۔

آہ اس وقت مجھے کوئی اس باوہ گلگلوں کا ایک گھونٹ پلا دے جو ایک عرصہ تک زمین میں دفن رہنے سے سرد ہو گیا ہو جس میں گلہائے معطر خوش رنگ سبزہ گرمی خورشید سے جوش مسرت میں ائی ہوئی صحرائی نازک اندام لڑکیوں کے ناچ گانے کا مزہ آتا ہو۔ آہ میرے آگے کوئی شراب پرتگالی کی ایک صراحی رکھ دے جس میں صف و سرخ شراب بھری ہو اس کے ساتھ ہی ایک ساغر بھی ہو۔ جس کا منہ مے ارغوانی کے اثر کے سرخ ہو گیا ہو اور جس کے کنارے پر حباب چشمک زنی کر رہے ہوں۔ اگر ایسی شراب مجھے مل جائے تو اس کا ہی جام پی کر دنیا کے تمام تفکرات کو بھول جاؤں اور اے پیارے بلبل تیرے ساتھ سیر صحرا میں محو ہو جاؤں۔

اس قدر مجھ پر طاری ہو کہ اپنی ذات سے بے خبر ہو جاؤں اور وہ تکالیف و مصائب آفات جن کے صدمہ سے ہم انسان اس دنیا میں ایک دوسرے کو کراہتے دیکھتے اور سنتے ہیں جہاں زمانہ کی کاٹ چھانٹ سے بچے ہوئے غم کا نشان دینے والے تھوڑے سے سفینہ حال

ہجوم و آرام سے کانپتے ہیں جہاں سرخی شباب فق ہو کر موہوم سی رہ جاتی ہے اور آخر رفتہ رفتہ غائب ہو جاتی ہے جہاں خوشی کا محض خیال بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ فوراً اس قسم کے خیال پر غم کے فوجشی ہوتی ہے اور مایوسی ان آنکھوں کو بند کر دیت ہے جو ایک زمانے کے بعد کسی موہوم خوشی کی خبر سن کر غایت شوق سے ابھی نیم واہی ہونے پائی تھیں جہاں حسینوں کی چشم مست کی برف اندازی کو بھی قیام نہیں اور جہاں خود محبت کی دیبی کی زندگی یکروز ہی ان سب باتوں کو تیری ذات میں محو ہو کر بھول جاؤنگا اس لئے کہ اے خوش نصیب ہیں تجھ تک ان کا افکار و آلام اور نقص و عدم ثبات ذات میں محو ہو کر بھول جاؤنگا اس لئے کہ اسے خوش نصیب بلبل تجھ تک ان اوکار آرام اور نقص و عدم ثبات کی رسانی نہیں اے دنیاوی افکار۔ تم مجھ سے دور ہو جاؤ اسے پیارے بلبل مجھے اب ان سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اب تیرے ساتھ اڑنے کے ئے تیار مگر کیا ست رفتار نشہ شراب کی مدد سے میں تیرے ساتھ ہم پروازی کی تاب لاسکوں گا نہیں۔ میں برق سیر نظم کے خیالی پروں پر سوار ہو کر تیرے ساتھ دونگا گو اس میں بھی میری قوت متخیلہ ضعف کی مقر ہے اور ابھی سے اتیری روی اسے پیچھے ڈال رہی ہے آہ! کیسی پیاری بات ہے خوش قسمتی سے ملکہ قمر اپنے زمردین تخت پر جلوہ افروز ہے اور زر لباس نجوم کمر زرین باندھے نظر نہیں آتا صرف اس کے حسن کے تھوری سی شعاع خوشگوار ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ اڑالاتے ہیں۔ وہ گنجان درختوں کے لمبے والے پتوں کی جالی اور جھومتی ہوئی سبز شاخوں کی آڑ سے جہاں تک لیتی ہیں تاریکی شبا اور اپنی از خود رفتگی کے باعث میں ان پھولوں کی دیکھ نہیں سکتا جو میرے پیش پا فتادہ ہیں اور نہ مجھے یہ خبر ہے کہ میرے سر پر شاہ خانے زمردین کن نرم اور مشک بیز پھولوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں مگر اس تاریکی میں بھی نسیم معنبر کے ہلکے جھونکے میرے مشام کو معطر کرتے ہوئے دماغ میں پہنچے ہیں اور میری آنکھوں کے آگے ان تمام چیزوں کی خیالی تصویر کھینچ جاتی ہیں اس خوشگوار۔ موسم کی برکتیں فطرت نے ودیعت کر دی ہیں۔ سر سبز پودے جھازیاں جنگلی میوہ اور درخت مفید صحرائی پتوں۔ پردہ برگ میں چھپا ہوا سادہ دیگر خوشرنگ ہفشہ بہار

کے شباب پر آتے ہوئے گلہائے رنگین بادہ شتم سے بھر ہوئے معطر غرضکہ موسم بہار کی دلچسپ شام کا پورا جہاں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

ان تاریکی کی خاموشی کے ساتھ خیر نغمہ دلکش سنتا ہوں اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ آسان موت کو میں نے محبت کی نظر سے دیکھا ہے اسے بہت پیارے ناموں سے یاد کیا ہے تاکہ حالت اطمینان میں میرے پاس آکر میرا دم نکال لے۔ مگر آہ اس سپارے وقت میں تو میری خوش قسمتی ایسے اعلیٰ درجہ کے کمال کو پہنچ گئی ہے کہ "ہر کمالے رازوالے" کا خیال میرے دل میں بری طرح کھٹک رہا ہے۔ اب یہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اس زمانہ سعادت کے گذرنے کے بعد پھر انہیں دینوی مصائب کا سامنا ہوا اس لئے اب یہی آرزو ہے۔ کہ اس وقت میری جان نکل جائے۔ ہم فانیوں کو آخر مرنا تو ہی ہے پھر اس سے بہتر اور کونسا وقت ہو سکتا ہے کہ آدھی رات کے سہانے وقت میں جب تو اپنی شریں آواز اور نغمہ دلکش کے ذریعہ اس لطف اور مزے کے ساتھ فزائے باد میں اپنی روح پھونک رہا ہے۔ عالم محویت میں بغیر کسی تکلیف کے میری روح پرواز کر جائے اے پیارے بلبل تو تو ہمیشہ گاتا رہے گا مگر یہ فانی کان تیرے نغمہ شریں کو پھر نہ سن سکینگے۔

اے غیر فانی پرندے! تو مرنے کے لئے نہیں پیدا ہوا ہے۔ بیر حم زمانہ تجھے پامال نہیں کر سکتا ہے یہی شریں آواز جو میں آج اس بے ثبات رات میں سن رہا ہوں اگلے زمانے میں شاہ و گدا امیر و فقیر سن چکے ہیں شاید یہ وہی نغمہ دلربا ہے جس نے زمانہ کی ستائی ہوئی ناز آفرین محبوبہ تھے کہ پر الم اول میں چٹکیاں لی تھیں جب وہ الفت وطن کی بیمار چشم پر نم کے ساتھ اجنبی زمین پر کھڑی تھی۔ یہ وہی پیار راگ ہے جو خوفناک موجزن دریا سے گھرے ہوئے قلعہ جادو ہیں ناز پرور گرفتار شہزادی کے غم آشنا کانوں میں پہنچا جس سے متاثر ہو کر اس کے دل میں امید کے ایک ہلکی سی جھلک پیدا ہوئی اس نے قلعہ کی کھڑکی کھول دی اور اپنے دل کے مالک دور افتادہ عاشق کے شورید میں متلاطم دریا پر نظر دوڑائی جسے ایک ظالم ساحر نے اس سے چھڑا دیا تھا۔

ہائے چھڑ دیا تھا،، اس لفظ کی یاد نے میرے زخم دل کو تازہ کر دیا اور سارے بدن میں سنسنی پیدا کر دی یہ ایسا الفاظ ہی کہ میری کانوں میں گونج کر تجھ سے مجھے جدا کر رہا ہے اور اپنی فانی ذات کی طرف مجھے بلا رہا ہے۔ خدا حافظ اے پیارے بلبل! مشہور ہی کی قوت متخیلہ آدمی کو بہت دھوکا دے سکتی ہے میرے حق میں تو اب اس میں دھوکا دینے کی بھی طاقت نہیں رہی اب میر آنکھ کھل گئی اور یہ ظاہر ہو گیا کہ خطاب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ الوداع الوداع!!! اب تیری دلفریب آواز دھمی ہوتی جاتی ہے۔ لو وہ اس میدان سے نکل کر چشمہ کو طے کر چکی اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچی ہائے اب تو وہ دور ہی نہیں سنائی دیتی اسے لو پلک جھپکتے ہی وہ پہاڑ سے بھی اتر کر اس کی طرح وادی میں دگن ہو گئی اے کدا میر آنکھیں مجھے دھوکا تو نہیں دیتیں یا کہیں عالم بیداری ہی میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں ہائے وہ شریں آواز اور دلکش نغمہ کہاں غائب ہو گیا۔

○○

انبیائے ہنود

(از ملا عبدالقیوم مرحوم)

فلسفہ الہیہ کا مسلم مسئلہ ہے کہ واجب تعالیٰ، تنزہ، تجرد اور صفائی کے ان مراتب عالیہ میں ہے جن کا ادراک کرنے سے عقل انسانی بالکل عاجز اور قاصر ہے اور ہم ممکنات سراپا غواشی ظلمات و حجاب ہیولی ہیں مستور و مغشّی ہیں۔ نیز یہ امر ثابت و محقق ہے کہ واجب تعالیٰ مرید اشیا اور مدبر و موثر عالم ہے۔ کافہ بلادہ جمیع عباد کی تدبیر و انتظام اور نظم و نسق اسی کے ارادے اور مشیت سے ہے اور تمام بندوں کی بھلائی برائی، ہدایت وضلالت اسی کے دست اختیار میں ہے اس کو تمام عالم کے ساتھ اور تمام عالم کو اس کے ساتھ ایک قسم کا خاص علاقہ و ربط و ارتباط ہے جو موثر ومتاثر میں شرط ہے چونکہ وہ غایت لطافت اور عالم نہایت کثافت میں ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ جاعل اور مجعول یا خالق اور مخلوق کے درمیان، ایک ایسا واسطہ و ربط یا برزخ ہو۔ جو ایک طرف تو تنزہ اور صفائی کے لحاظ سے مبدء عالیہ سے اتصال رکھتا ہو اور دوسری طرف، ظلمت و مادیت کے اعتبار سے ملحق بہ مادیت ہو۔ اسی برزخ اور اسی واسطہ و رابطہ کا نام باصطلاح شرع "نبی یا رسول" رکھا جاتا ہے۔

جب یہ امر مسلم ہو چکا۔ تو اب جو بات معرض بحث میں آ سکتی ہے یہ ہے کہ تبلیغ کے بدون بھی کوئی بہت قابل تعذیب ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یعنی کسی ملک اور کسی قوم میں جب خدا کی جانب سے کوئی نبی کوئی رسول ہی نہیں بھیجا گیا۔ تو آیا وہ قوم مستوجب عذاب الٰہی، و عقاب ایزدی قرار دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بات بالکل خلاف عقل ہے۔ نیز مناسب عدل و ملائم انصاف بھی نہیں کہ تبلیغ رسالت اور اتمام حجت کے بغیر کوئی گروہ مستوجب عذاب و مستحق عقاب سمجھ لیا جائے۔ عادل حقیقی کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ تبلیغ رسالت کے بغیر اپنے بندوں کو جہنم میں جھونک دے گا، سراسر مسلمانوں کے ایمان عقائد سے منافی ہے کیوں کہ خدائے تعالیٰ نے صریحا ارشاد فرمایا ہے "ان اللہ لیس بظلام

للبعید" یعنی خدائے تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے اس لئے علم کلام میں یہ مسئلہ مسلم و محقق ہے کہ قبل دعوت کوئی امت معذب نہیں ہوتی۔ اسی واسطے پہاڑوں کے دامن اور غاروں میں رہنے والے جن کو دعوت نہ پہنچی ہو معذب نہ ہوں گے۔

جب یہ مقدمہ بھی ثابت ہو گیا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کوئی قوم اور کوئی ملک بغیر نبی اور بغیر رسول کے خالی رہ سکتا ہے۔ یا ہر قوم اور ہر ملک کے لئے کسی نہ کسی رہنما اور ہادی کی ضرورت ہے؟ قرآن مجید خود اس سوال کا نہایت واضح طور پر جواب دیتا ہے

و لکل امتہ رسول ہر قوم کے لئے رسول ہے۔

و ما من قریتہ ال اخلا فیھا نذیر۔ کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نذیر یعنی نبی نہ گیا ہو۔

ظاہر ہے جب کوئی قوم اور کوئی قریہ تک رسول اور نذیر سے خالی نہ چھوٹا۔ تو ہنود کی کثیرالتعداد قومیں اور ہندوستان کی سی وسیع قلمرو کیونکر نذیر سے خالی رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ایک موقع پر ارشاد ہوا ہے

ومنھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک انبیاء میں سے بعض ایسے ہیں جن کا قصہ ہم نے تجھ سے بیان کیا اور بعض ایسے ہیں جن کا قصہ ہم نے تجھ سے بیان نہیں کیا

اس آیات سے ظاہر ہے کہ بہترے نبی ایسے ہیں جن کا حال ہم کو معلوم نہیں۔ خدائے تعالیٰ ہی بخوبی جانتا ہے۔ لہٰذا ان بزرگوں کی نسبت جن کے ارشادات اور جن کی تعلیم و ہدایت ایک خاص حد تک مفید قوم اور مصلح ملک ثابت ہوئی ہو۔ یہ خیال کرنا کہ وہ خدا کی جانب سے بھیجے گئے ہیں اور نبی یا پیغمبر کہے جا سکتے ہیں۔ کوئی نامناسب بات نہ ہو گی۔ دیگر ممالک میں بعض ایسے بزرگوں باخدا پائے جاتے ہیں۔ جن کی نبوت یا رسالت کے متعلق کتاب الٰہی تو ساکت و صامت ہے' لیکن ان کی تلقین انکار فارم و تبلیغات اور ان کے سوانح زندگی بتلاتے ہیں کہ انہیں نبی یا پیغمبر کہنا نازیبا نہ ہو گا۔

ہندوستان میں رامچندر جی لچھمن جی' کرشن جی وغیرہ اوتار ہنود' ایسے بزرگوار ہیں۔ جن کی تلقین و رہنمائی اور فلسفیانہ دنیا پرستانہ زندگی' ان کو نبی اور رسول کا خطاب دینے میں پس و پیش نہیں کرتی ہے۔ اسی طرح ایران میں جناب زردشت کو بھی پیغمبر کہہ سکتے ہیں کہ

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ اسلام سے تعلیم نفس ونور حاصل کیا تھا علی ہذالقیاس چین اور دیگر ممالک بعیدہ انبیاء کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا انکار ایک ایسی سخت اور فحش غلطی ہو گی۔ یہ آیات قرآنی شاہد ہیں۔

علمائے عظام اسلام اور صوفیہ کرام عالی مقام' مثلاً حضرت مرزا مظہر جانجانان حضرت قاضی ثنا اللہ صاحب پانی پتی' حضرت شاہ ولی اللہ صاحب' حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحریرات میں یہ امر نہایت مستدلانہ طور پر مسطور و مذکور ہے کہ رامچندر جی' لچھمن جی' کرشن جی' وغیرہ اوتار ہنود غالباً انبیائے مبعوثین میں سے ہیں مرور دہور سے لوگوں نے ان کے حالات و روایات میں غلط ملط کر دیا ہے۔ ان حضرات کا ملخص استدلال وہی دو قرآنی آیتیں ہیں' جن کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اور اب دوبارہ درج کرنے کی حاجت نہیں'

علاوہ اس کے بعض اہل کشف و شہود مثل حضرت سید عبدالرزاق بانسوی مجدد الف ثانی' وغیرہ اسبات کے قائل ہیں کہ سرزمین ہند میں انوار نبوت نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ اجودھیا میں حضرت شیث کی قبر ہے جس کو ہندو رام جی کا سمادھ بتاتے ہیں اور یہ مسلم ہے کہ وردو آدم علیہ السلام لنکا میں ہوا ہے۔ جو مہبط و قدمگاہ حضرت ابوبشر ہونے کی وجہ سے آج تک زیارہ مسلمین و ہنود ہے اور ہمیشہ رہے گا اور چونکہ روائتوں میں یہ وارد ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کا نور مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی جبیں مبارک میں ودیعت تھا اس لئے ظہور نور آنحضرت صلعم بھی اولاً ہند ہی میں ہوا ہے۔

غرض مذکورہ بالا اوتار ہنود' منجملہ ارباب نفوس زاکیہ و عقول عالیہ محبوب فی الانبیاء ہیں اور اس بناء پر مسلمانوں کو ضروری ہے کہ انہیں وقعت اور عظمت کی نظر سے دیکھیں اور ان کا نام بے ادبی سے نہ لیں۔ کہ قرآنی ہدایت و تعلیم ہم کو یہ ادب سکھاتی ہے کہ ہم مشرکین کے بتوں کو بھی برا نہ کہیں کہ وہ اس وجہ سے خدا کو برا بھلا کہیں گے اور ہم بالفرض و بالواسطہ اس برائی و خرابی کے باعث و موجب رہیں گے

حضرت مرزا مظہر جانجانان ہنود کی بابت اہل شرک ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کو اہل توحید بتاتے ہیں اور بتوں کی پرستش کو مثل تصور شیخ اہل تصوف کے خیال کرتے ہیں۔ فقط

(ماخوذ از صحیفہ)

میرے دوستانے والے

میں چاہتا ہوں کہ لوحہ عشق کی نقاشی کروں حسن و جذبات محبت' خیالات سودا کی تصویریں' لفظوں میں' منظوم لفظوں میں' شعر میں کھینچوں۔ میرا کلام اہل درد کو رلائے اہل ہمت میں جوش پیدا کرے اور حسرت زدوں کی تمناؤں اور حسرتوں کی ترجمانی کرے میں ایک قوم کی زبان بنوں' میں شاعر ہونا چاہتا ہوں۔

میں مصور ہونا چاہتا ہوں' چاہتا ہوں' کہ اصل میں لوحہ عشق کی نقاشی کروں حسن' جذبات محبت اور خیالات سودا کی تصویریں' حقیقی تصویریں کھنچوں۔ شاعر جو سوچتا ہے' میں اس کی صورت بنا کے دکھا دوں میری رنگ آمیزیاں' صفحہ قرطاس پر نیچر کا باغ کھلا دیں' حسین اور دل آویز خیالات کو مجسم کر کے دکھا دیں میں چاہتا ہوں کہ نثار بنوں' جس کی نثر پر شعرا کو رشک ہو۔ جس طرح چشمہ کا صاف اور شفاف پانی جھرنے میں گرتا ہے' اور رنگ برنگ کے چھوٹے پتھر اس کی تہ میں چمکتے نظر آتے ہیں' میری نثر بھی ایسی ہی صاف اور شفاف ہو اور رنگ برنگ کے روشن خیالات اس کی تہ میں چمکتے نظر آئیں۔

میں سردار قوم ہونا چاہتا ہوں' گھر گھر میرا نام عزت سے لیا جائے' مجھ سے قوم کی امیدیں وابستہ ہوں۔ میں قوم کو شاہراہ ترقی پر لے جاؤں میں ان کے حقوق کی حفاظت میں رات دن کوشاں' اسی دھن میں راتوں کو نہ سوؤں۔ دنوں کو مصروف رہوں۔

ہاں! میری تلوار کی جھنکار سے زمانہ گونج اٹھے میرے نام کے آتے ہی شیرو نکا زہرہ پانی ہو جائے' میری جہانگیرانہ سطوت کی مدح میں' نئے فردوسی اور ہومر پیدا ہوں میں اور موت ہم مشرب رفیق ہوں میں جبار ہوں اور جباروں کو ستانے والا۔ تاریخ میں میرا نام خون اور شعلے سے لکھا جائے۔ میں نبرد آزما بننا چاہتا ہوں۔

یہ میرا دماغ کہتا ہے۔

مگر وہ گوشت کا ٹکڑا جو تو نے میرے سینے میں پیدا کر دیا ہے' اور جو اب بھی ہر وقت کی طرح دھڑک رہا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں دھڑکا کرے گا اور مجھے مصیبت میں ڈالا کرے گا کہتا ہے:۔

"نہیں' میں شہرت نہیں چاہتا' میں محبت چاہتا ہوں' سوز الفت چاہتا ہوں' چاہتا ہوں' کسی ایک کے لئے دھڑکوں کسی ایک کے لئے تڑپوں' کسی ایک پر فدا ہو جاؤں۔"

(یلدرم) از بغداد

○ ○

افسانہ حرمان

"یعنی"

(مرگ محبوب)

جب دن کی روشنی آہستہ آہستہ نظروں سے غائب ہو گئی اور تارے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگے تو اس وقت میں نے دیکھا کہ میری پیاری سو رہی تھی' کمزور سانس اس کے کھلے ہوئے لبوں سے ٹکراتی ہوئی آ اور جا رہی تھی' پلکیں اس کی برف کی سی چتونوں پر سائے کی طرح پڑی ہوئی تھیں اور نیلی دھاریاں اس کی صاف و شفاف جلد میں نمایاں ہو رہی تھیں۔ جب میں نے اپنی دلربا کو اس حالت میں دیکھا تو مجھ کو خوف----- نہیں نہیں سخت خطرے کا احساس ہوا' اور ایک فرشتے کی تصویر کا فوراً خیال آ گیا' جس کی صورت کا نقشہ میں نے ایک قبر پر بنا ہوا دیکھا:۔ ہاتھ کاندھے' پر گرائے' مجسم انتظار کا فوٹو۔

اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ ازدر غضب اپنی آتشین زبانیں نکالے ہوئے میرے دل مضطر پر چاروں طرف سے حملے کر رہے ہیں' جو مجھے دیوانہ اور پریشان کر دینے کو کافی ہیں۔ میں کہاں سے قوت پاؤں گا' کہاں سے ہمت لاؤں گا' آرام کہاں حاصل ہو گا۔ ارے کم سے کم امن ہی کیوں کر نصیب ہو گا؟ اف! کیا اب اس پھیلی ہوئی زمین پر پہاڑ سی زندگی بے یارو غمگسار کاٹنی پڑے گی؟ کیا آرام و چین کہیں بھی میسر نہ ہو گا۔

"کہیں نہیں' کہیں نہیں!" روزن دیوار کی باد صر صر نے یہی جواب دیا-- مرجھائی

ہوئی پنکھڑیوں کے زمین پر خوبصورتی کے ساتھ گرنے میں بھی یہی آواز پیدا تھی کہ "کہیں نہیں، کہیں نہیں" چمکتے ہوئے تارے جو میری جلتی ہوئی آنکھوں سے برابر ہوئے تو وہ بھی یہی پکار اٹھے کہ "کہیں نہیں، کہیں نہیں" کیونکہ یہ کل مصیبتیں ان کے نزدیک ایک پرانی کہانی اور روز روز کا قصہ ہے--- دنیا دکھے ہوئے دلوں اور جگر خراش صدموں سے بھری ہوئی ہے۔ انسانی ترقی ایک دریا محنت ہے ایک آواز ہے جس کا کسی طرف سے جواب نہیں آتا، ایک دعا ہے کہ جس کے لئے زمین سخت اور آسمان دور ہے۔

میری پیاری چونک پڑتی ہے اور ایک سرد آہ بھی اس کے منہ سے نکل جاتی ہے گری ہوئی پلکیں اٹھتی ہیں اور اس کی بیمار آنکھیں میری نظر سے دوچار ہو جاتی ہیں۔

"پیارے، تم یہیں ہو! تمہارے پہلو میں بیدار ہونا کیسا فرحت افزا ہے"

"میری پیاری، میری دلربا، خدا کے لئے اس فرحت کو ہاتھ سے نہ جانے دو، اس کو ترک نہ کرو! تمہارے بغیر میں تنہا کیا کروں گا؟ میں بھی کاش تمہارے ساتھ ہی اس دنیا کو خیرباد کہتا!"

"نہیں پیارے، نہیں! کیا تم بھول گئے کہ تم پر ابھی بہت سے فرائض اور بہت سے حقوق باقی ہیں؟ دنیا کہتی ہے کہ تم اعلیٰ جوہر اعلیٰ قابلیت رکھتے ہو۔ تم کو ہرگز نہیں چاہئے کہ اس کو کاہلانہ غم والم اور ماتم وشیون میں برباد کردو۔ میں تم پر ہمیشہ ناز کرتی رہی ہوں اور غالباً دوسرے عالم میں بھی میں تمہاری ترقیوں کو دیکھتی اور تمہاری کامیابیوں پر خوش ہوتی رہوں گی۔"

"پیاری، ہماری کل بلند پروازیاں اور سروش غیب تمہارے ساتھ ایک ایک کر کے چل دیں گے ہمیں اپنی سرد اور سنسان زندگی میں کونسی قوت حاصل کرنا، کونسی طاقت پیدا کرنا اور کونسی کامیابی ہوگی جس پر خوش ہونا باقی رہے گا؟"

"میرے دل کے مالک، شروع شروع میں تو نہیں، مگر جیسے جیسے وقت کچھ گزرتا جائے گا، طبیعت سنبھلتی جائے گی، اور پہلی حالت پھر قائم ہو جائے گی۔"

"پیاری، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک کہ زندگی سے زیادہ موت مہربان نہ ہو جائے۔"

اس نے زور سے آہ کھینچی اور دل کو سنبھال کر کہا کہ "بے شک سخت افسوسناک اور

جگر خراش حالت ہے، مگر پیارے، اعلیٰ جوہر اور اعلیٰ قابلیت بہت بڑی تسلی دینے والی اور تشفی بخشنے والی چیز ہے۔ اس کی وجہ سے تم زندہ رہو گے اور محنت کرو گے۔"

میرا دل دکھنے لگا اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکل سکا۔

اس وقت مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ لفظ تسلی، میرے کانوں کو ایسی ناگوار ہے جیسی کوئی بے سر کی تان۔ وہ اس وقت ایک بے معنی، کریہہ اور بے آہنگ لفظ سے بڑھ کر کچھ بھی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ تاریکی نے مجھ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہمارا راز دل گھرے اور تلخ پانی میں ڈوب گیا، اور میں نے اس کا ڈوب ہی جانا پسند کیا اور مدد کے لئے ہاتھ یا آواز بلند نہ کی۔

لاعلاج جدائی کی تاریکی آہستہ آہستہ ہم دونوں کو اپنے حلقے میں لا رہی تھی۔ اور رفتہ رفتہ بغیر کسی تکلیف کے میری دلربا کی زندگی موسم بہار کی شفق کی طرح جو ہماری نظروں میں بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے مٹتی گئی۔ لیکن ایک روز وہ ایسی اچھی اور ایسی بھلی معلوم ہونے لگی کہ میں پھر ایک مرتبہ حیلہ ساز امید کے فریب میں آکر اترانے لگا۔

وہ اپنے چاروں طرف تکیوں کا ڈھیر لگا کر اور سفید اونی چادر اوڑھ کر اٹھ بیٹھی اس وقت ایک خاص خوبصورتی اس کے ہر عضو میں پیدا ہو گئی اور میں دل و جان سے قربان ہونے لگا۔ آہ! میری عصمت ماب پیاری۔

ہم نہایت خوشی کے ساتھ بولتے اور ہنستے رہے۔ ہمارا خوف اور غم نظروں سے الگ کر لیا گیا اور تھوڑی دیر کے لئے ہم ان کو بھول گئے، مگر بہت ہی تھوڑی دیر کے لئے۔

کمرہ سنہری روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دریچہ مغرب کی طرف کھلا ہوا تھا۔ جس سے ہم نے آفتاب کو چکاچوندہ کر دینے والے رنگ کی آب و تاب کے ساتھ ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ اسی وقت میری دلربا نے کہا۔ پیارے، وہ کیا ہے جو لوگ کہتے ہیں؟

"جو دیوتاؤں کے پیارے ہوتے ہیں وہ کم سن مرتے ہیں۔" یہ میرے لئے ایک نیک فال ہے، ہے نہ؟"

میں نے اپنی دلربا کی طرف، جو حقیقت میں کم سن اور ایسی تھی کہ دیوتا اس کو پیار کریں، حسرت کی نگاہوں سے دیکھا اور قوت واہمہ نے مجھے سنہرے آسمانوں کی سیر کرائی۔ جہاں میں نے اپنی دلربا کو ہوا میں معلق پھول کی اس پتی کی طرح جسے ہوا نے پھولوں کے

ہجوم سے اٹھا لیا ہو ٹھہرا ہوا دیکھا۔

وہ اب فرشتے معلوم ہونے لگے اور اس کے چہرے پر ایسے انوار برسنے لگے جیسے آج تک بر و بحر میں کہیں بھی نظر نہیں آئے۔

تب خوف نے آکر میرا دامن پکڑا اور اس نازک صورت کے پاس جا بیٹھا اور میں نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ میرے سینے سے لگی ہوئی تھی اور گل سوسن کی طرح سفید معلوم ہوتی تھی اس کی آنکھیں نیم باز اور سانس کمزور تھی۔

آفتاب کے غروب ہونے کی رونق گندمی اور کربائی مرغزار پر سے' جہاں ہم اکثر ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہلا کرتے تھے۔۔ جہاں' افسوس اب کبھی نہ ٹہلیں گے۔ مٹتی جا رہی تھی۔ جب شفق کی وہ تمتماہٹ تاریکی کے ارغوانی رنگ سے بدل گئی تو میں نے اپنی دلربا کے چہرے میں بھی ایک عجیب تغیر دیکھا۔ اس نے اپنے سفید اور کمزور ہاتھوں کو میری گردن میں ڈالنے کی کمزور سی کوشش کی اور میں نے اس کو دھیمی آواز میں کہتے سنا کہ "پیارے خاوند' میرا بوسہ لیجئے!"

اف' اف' سرد اور خشک ہونٹ' جن کو میرے لب کچھ بھی گرم نہ کر سکے! اس آخری بوسے نے' افسوس' حیات کو موت سے ملا دیا! آہ' کیوں نہ میرا دل بھی اسی وقت اس صدمے سے پاش پاش ہو گیا' اور میں بھی کیوں نہ اس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سو گیا؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے ایسا نہ ہونے کی کیا وجہ تھی۔

"میری پیاری' میری پیاری' ایک مرتبہ تو اور بولو۔۔ دھیمی آواز میں ہی صرف ایک ہی لفظ سہی۔!"

آہ! آہ!! کوئی جواب نہیں!!! اب فرشتے کس پر حسد کریں گے۔ فقط

○ ○

قومی شاعری

جب کوئی شعر کسی وطن پرست شاعر کے دماغ سے نازل ہو کر عالم وجود میں آتا ہے تو وہ دنیا میں ایک نئی چہل پہل پیدا کرتا ہے' نوع انسان کی روحوں کو ترقی کی بلندی پر لے جاتا ہے اور خوبیوں اور نیکیوں کو کرہ زمین کی سطح پر پھیلاتا ہے۔

بدیوں اور گناہوں کی فوجیں اس کے سامنے سے شکست کھا کر بھاگ جاتی ہیں مصیبتوں اور تکلیفوں کو وہ جلا وطن کرتا ہے اور ناامیدی اور ناکامی کے اسباب سے لڑتا اور ان کو ذبح کر ڈالتا ہے۔

وہ ایک روشنی ہے' مگر اس دنیا کی روشنیاں اس کے سامنے ماند ہیں' اس کی زبان مادی اور جسمانی دنیا کی زبانوں سے بالکل جدا ہے' وہ روحوں پر جمال الٰہی کی جھلکیاں ڈال کر ان کو جنبش میں لاتا ہے اور انسان کو تمام آسمانوں کی سیر کراتا ہے۔

تم اس کو دیکھتے ہو' مگر ان آنکھوں سے نہیں' تم اس کو سنتے ہو' مگر ان کانوں سے نہیں وہ ایک نور ہے' جو تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور تم کو خدا کے قریب لے جاتا ہے' اسکی مدد سے تم خدا شناسی کے سمندر میں تیرنے لگتے ہو۔ جمال الٰہی کو پہلے سے زیادہ پہچاننے لگتے ہو اور خدا کے اسرار سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہو' تم جب شعر کے دریچے سے جھانک کر دیکھتے ہو' تو زندگی تم کو سراسر بہار نظر آتی ہے اور دنیا کے لوگ فرشتوں کے لباس میں دکھائی دیتے ہیں اور دنیا کی تمام چیزیں ان پر لطف جذبات کے مطابق نظر آتی ہیں' جو اس شعر سے تمہارے دل میں موجزن ہوئے ہیں۔"

زندگی خوشگوار نہیں ہو سکتی' جب تک کہ شعرا اس کو خوشنما کر کے نہ دکھائیں' نیچر کی خوبیاں تمہارا دل نہیں لبھا سکتیں' جب تک کہ شعرا اس کے حسن وجمال کی تصویر کھینچ کر نہ دکھائیں قوم کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا نہیں ہو سکتی' جب تک کہ شعرا تمہارے اندرونی جذبات کو نہ اکسائیں۔ بلاشبہ قومی شعرا دنیا کے لوگوں کے پیشوا اور ہادی ہوتے ہیں

(ترجمہ الملوا ماخوذ از انسٹیٹوٹ گزٹ)

مصریوں کا قومی گیت

(عربی سے اردو میں)

اے وادی نیل

اے وادی نیل! تیرا شوق میرے دل میں ہے۔ تیرے ساتھ مجھے سچی محبت ہے اور جب وطن میرا ایمان ہے۔ اے مصر۔ اے بہترین وطن! اے مصر! اے زمانے کی ماں میری تمام قیمتی عمر تجھ پر مفت قربان ہے۔ اے مصر! اے اہرام کی زمین! تو قوموں کا مدفن ہے تو ظالموں کی قبر ہے جو تیرے باشندوں پر ظلم کرے گا اس سے ضرور انتقام لیا جائے گا۔

کون ایسا طاقتور اور جبار ہے۔ جو اس روشن زمانے کے آنے کے بعد ایک آنکھ والی قوم کو روشن حق کے دیکھنے سے باز رکھ سکتا ہے۔

مصر کی عزت میری انتہائی آرزو ہے مصر کی محبت میری نشانی ہے۔ ہاں میرے نشان کو لہرانے دو۔ میرا دایاں ہاتھ اس کے تھامنے کے لئے موجود ہے۔

میرا نشان' جو لوگوں کے سروں پر اس طرح چمکتا ہے جس طرح نیا چاند راتوں کو اوپر چمکتا ہے' برسوں تک باقی رہے گا۔

ہم لمبی اور گہری نیند کے بعد آگے بڑھنے کے لئے اندھیرے سے باہر نکلے ہیں اور حق ہمارا ضامن ہے۔

دوستو درجہ بدرجہ زمانہ گزشتہ کو یاد کرو اور زمانہ آئندہ کو بھی نہ بھولو خدا ہمارا مددگار ہے۔

(مصطفیٰ صادق رافعی)

مسئلہ مصر اور برٹش کانشنس

(ماخوذ از اخبار بندے ماترم کلکتہ)

حال میں اخبار پاؤنیر نے بد قسمت ملک مصر کی قومی تحریک سے متعلق اپنا فیصلہ بدلیں الفاظ شائع کیا ہے کہ "مصریوں کی تقاضائے حکومت خود اختیاری کی مخالفت خود اہل مصر کے فوائد کے لحاظ سے ضروری ہے"

ہمارے نزدیک اگر صاف طور پر کہ دیا جاتا کہ اہل مصر کی آرزوؤں کا خون مخالفین مصر کے فوائد کی خاطر روا رکھا جاتا ہے تو یہ ایک بات قرین قیاس بھی ہوتی لیکن یہ ظاہر کرنا کہ اس فعل سے باشندگان مصر کی بہبودی مد نظر ہے درحقیقت اول درجے کا فریب ہے۔

اپنے غرور اور خود پسندی کی بدولت انگریز اکثر اس قسم کی قابل تمسخر اور مہمل باتیں لکھ جاتے ہیں اور اپنے تئیں خدا کی جانب سے تمام عالم کا حکمران سمجھ کر جو شخص ذرا بھی ان کی مزاحمت کرتا ہے اسے فتنہ پرداز باغی اور نمک حرام قرار دے لیتے ہیں۔

انگلستان کی تاریخ درحقیقت ایک کارنامہ ہے حصول آزادی کی مسلسل کوششوں کا اور زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ موجودہ وزیراعظم نے جب روسی پارلیمنٹ ڈوما پہلی مرتبہ شکست ہوئی ہے تو اس کے فوراً دوبارہ قائم ہونے کی بڑے زور سے خواہش ظاہر کی اور ان کی اسپیچ کا ایک فقرہ تمام دنیا میں مشہور ہو گیا۔

لیکن جب کبھی مصر یا ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ پیش ہوتا ہے جس سے فوائد برطانیہ کو بھی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس وقت انگریزوں پر جذبہ طمع غالب آجاتا ہے اور وہ لوگ ضمیر فروشی کو شعار بنا کر جمہور کی تحریک حریت کو دبانا چاہتے ہیں اور اپنے جو رواستبداد کے جواز میں ہر قسم کی مہمل دلیلیں گڑھنے لگتے ہیں۔

لیکن انگلستان کے قبضہ مصر کا حال سب پر روشن ہے کہ ابتدا میں اس کا عارضی ہونا مسلم تھا مگر اب بر بنائے مصلحت وہی دوامی ہو گیا ہے اور اس لئے دنیا اب ان اخباری

دروغ بیانیوں کے فریب میں نہ آئے گی۔

اہل مصر میں بھی قومیت کی نئی روح پیدا ہو گئی ہے اور ہر مصری اعلانیہ کہنے لگا ہے کہ "مصر کو صرف مصریوں کے لئے ہونا چاہئے" چنانچہ آخر کار لارڈ کرومر کو بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑا ہے کہ آئندہ باشندگان ملک اپنے قدرتی حقوق سے بالکل محروم نہیں رکھے جا سکتے..... اور اس لئے انہوں نے اغیار و اجانب کے فوائد کو پیش نظر رکھ کر "قومیت" کا ایک جدید مفہوم تراشا ہے وہ یہ ہے کہ "بلا لحاظ قوم و مذہب مصر کے تمام رہنے والے مصری قوم سمجھے جائیں" اور اسی مفہوم کی بنا پر آپ نے مصری کانسٹیٹیوشن کی ایک عجیب و غریب تجویز پیش کی ہے جس کے ۳۶ ممبروں میں سے کم از کم ۲۱ غیر ممالک کے باشندے ہوں گے جو درحقیقت مصری نہیں ہیں۔ صرف مصر میں سکونت رکھتے ہیں۔"

اس حیرت انگیز تجویز کو دیکھ کر ہر شخص اقرار کرے گا کہ انگریز اپنے سوا اور ساری دنیا کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔

○○

ایک مغنیہ سے التجا

گائے جا' سنائے جا' اللہ کے واسطے گائے جا' ٹھہر مت' رباب کے ساتھ' ستار کے ساتھ میرے دل کے ساتھ گائے جا'۔ یہ میری التجا وہ التجا ہے جو میری روح تیری روح سے کرتی ہے۔ اپنے ستار کو چھیڑ میرے دل کو چھیڑ آہ میں التجا کرتا ہوں گائے جا۔

تیری آواز.... وہ باریک' وہ بلوریں' وہ تیرے دل کی طرح صاف اور شفاف وہ تیرے تھے دل کی طرح تیری ننھی آواز' مجھے آغوش میں لے لے' مجھے پھسلائے' وہ آواز جو تیرے رقیق قلب کے گوشوں سے نکلتی ہے' اور جامہ ماسوا کو اتار کر عریاں اور گریاں اوپر کی طرف جاتی ہے اور پھر ایک پرنار لرزش کے ساتھ واپس آکر تیرے ہونٹوں میں چھپ جاتی ہے' وہ آواز جو خود ایک شعر ہے' اس منظوم آواز کے ساتھ آواز سے گائے جا' ستار کے ساتھ چنگ ورباب کے ساتھ' میرے دل کے ساتھ گائے جا' یہ وہ التجا ہے جو میری روح تیری روح سے کرتی ہے آ میں خواہش کرتا ہوں گائے جا'

گا کہ زندگی کیا ہے؟ سنا کہ روح کیا ہے؟ محبت کیا ہے؟ تاکہ میں سمجھوں۔ اپنی اس نازنین روح کے ساتھ گا جو جو پھولوں کی خوشبو کی طرح عطرپاش ہے اپنی دلگداز آواز کے ساتھ گا۔ جو نغمات سماوی کی طرح دل پر اثر کرتی ہے۔ دنیا سے میرا علاقہ قطع کر دے۔ میری خواہشیں' میری حسرتیں جو نہیں جانتیں کہ ختم ہونا کیا چیز ہے انہیں اس طرح۔ بس اس طرح ختم کرنا چاہتا ہوں کہ اس آواز کے نرم آغوش میں' اس آہنگ دل کی رقت میں اس نوائے شفقت کی لطیف موج میں غرق ہو کر مر جاؤں تمہاری باریک' اور شیریں آواز کی تہیں میرا کفن ہوں اس میں لپٹ لپٹ کے مر جاؤں' اسے چوم چوم کے جان دے دوں' اس ہوا سے زیادہ ہلکی آسمان سے زیادہ صاف آواز میں لپٹ کر اونچا اڑ جاؤں' اور

میری آنکھیں اور کان حشر تک اس باریک کانپنے والی آواز کو' اس صدا کو جو ایک ننھی چڑیا کے ننھے بازو کی طرح پھڑپھڑاتی ہے' بلبلوں کی منقاروں میں' بادلوں کی رنگ آمیزیوں میں خاموش رات کو موجوں کی نقاشی میں' حزن قمر' خندہ صبح میں ڈھونڈھتی پھرا کریں۔

تو! مت ٹھہر گائے جا' اللہ کے واسطے گائے جا ستار کے ساتھ۔ میرے دل کے ساتھ گائے جا' یہ عرض دو ہے جو میری روح تیری روح سے کرتی ہے تو! میں التجا کرتا ہوں گائے جا.....(بلدرم)

○ ○

چندر بھان برہمن

ہائے وہ بھی کیا دن ہوں گے جب کہ گوربخش حضوری ملتانی و آنند رام مخلص لاہوری بیدل و خان آرزو سے اس خلوص سے ملا کرتے تھے کہ آج مسلمان مسلمان سے نہیں ملتا۔ مرزا غالب و منشی ہرگوپال تفتہ کی خصوصیات محبت نے تفتہ کو مرزا تفتہ بنا دیا تھا۔ مرزا جعفر علی حسرت کی سرپ سکھ دیوانہ کے ساتھ ایسی کچھ ارادت مندیاں تھیں کہ آج کسی ہندو کو ہندو سے بھی نہیں ہوتیں۔

اصل یہ ہے کہ اس زمانے میں بے تعصبی و خلوص نیت نے تفرقہ مذہب کے خیال کو درمیان سے قابلتا خارج کر دیا تھا چنانچہ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ زبان میں طرز معاشرت میں طریق گفتگو میں غرضیکہ ہر بات میں ان دونوں کی یکسانی اس درجہ کمال کو پہنچ چکی تھی کہ فرق امتیازی کی دریافت بھی مشکل ہو گئی تھی۔

حضوری مخلص دیوانہ تفتہ کے علاوہ بھونپ رائے بے نم بیراگی۔ شیورام داس حیا اکبر آبادی۔ بچھی نرائن شفق اورنگ آبادی و عوض رائے مسرت شاہ جہانپوری کا بھی فارسی کلام مشاہیر شعرائے ہند میں سے کسی کے کلام سے کم نہیں ہے اور نیم و برہمن کے تو اکثر اشعار معز فطرت و کلیم کے اشعار کے ساتھ برابری کا دعوی کر سکتے ہیں۔

خوبی انداز کو دیکھنا برہمن کہتا ہے:۔

صبح است ابرو گوشہ باغی غنیمت است
بولے ز برگ گل بدماغی غنیمت است
پروانہ وار در طلب آتش وصال
افتادگی بہ پالے چراغی غنیمت است

گو منزل مراد زما دور دست باد
در راہ انتظار سرائے غنیمت است
چوں روزگار درگرد اختیار نیست
از فکر روزگار فراغی غنیمت است
بادرد عشق ساز برہمن کہ چندگاہ
الفت میان پنبہ و داغی غنیمت ست

برہمن تخلص چندر بھان نام۔ اکبر آباد کے رہنے والے' افضل خان شیرازی وزیر شاہ جہاں کے ملازم تھے اور انہیں کے ذریعہ سے دربارشاہی میں باریاب ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد سرکار شہزادہ داراشکوہ میں منشی گری کے عہدے پر مقرر ہو گئے اور بہت جلد اپنی چرب زبانی و طلاقت لسانی کی بدولت رتبہ مصاحبت تک پہنچ گئے۔ قدرت اللہ خان قدرت گوپاموی اپنے تذکرہ شعرا موسوم بہ نتائج الافکار میں ان کی متعلق ایک حکایت لطیف لکھتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز شہزادے نے شاہ جہاں کی خدمت میں عرض کیا کہ چندر بھان ایک شاعر خوشگوار ہے۔ اگر حکم ہو تو حاضر خدمت ہو کر کچھ اشعار پیش کرے بادشاہ نے برہمن کو حاضری کا حکم دیا۔ انہوں نے آتے ہی عرض کیا۔

مراد ست بکفر آشنا کہ چندیں بار
کعبہ بردم دبازش برہمن آوردم

شاہ دین پناہ کا مزاج اس سے کس قدر مکدر ہوا لیکن افضل خان شیرازی نے بات بنا دی اور فورا کہا

خر عیسیٰ اگر مکہ رود
چوں بیاید ہنوز خر باشد

اور اس طرح پر بادشاہ کا تنغص دور ہو گیا۔ آخر کار شاہزادہ داراشکوہ کی کوشش سے سلطنت شاہ جہاں کے اتیسویں سال سرکار شاہی میں نوکری مل گئی اور خطاب رای و منصب مناسب سے سرفراز ہوئے۔ محی الدین اورنگزیب شاہ عالمگیر کے زمانے میں بھی ان پر نوازشات شاہی مبذول ہوتی رہیں اور ان کا تقرر خدمات نمایاں پر ہوتا رہا۔ آخر عمر میں نوکری سے استعفے دے کر شہر بنارس میں سکونت اختیار کی اور موافق رسم و راہ اہل ہنود

ریاضات و عبادات میں مصروف ہو گئے اور ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا۔

تصوف کا رنگ اس زمانے میں تمام شعرا کے کلام میں موجود ہے۔ برہمن بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اس انداز میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اسمیں اور کسی مسلمان کے کلام میں مطلق تمیز نہیں ہو سکتی یہ بات کچھ تو اس زمانے کے رواج اتحاد کی بنا پر ہے اور کچھ اس وجہ سے ہے کہ مسائل تصوف قید مذہب سے بالکل آزاد ہیں۔ مثلاً دیوان برہمن کی پہلی غزل ہے۔

اے برا از تصور و وہم وگماں ما
اے درمیان ما و بروں از میاں ما
آئینہ گشتہ سینہ ما از فروغ عشق
شد جلوہ گاہ صورت معنی نہاں ما
جا کرد درمیان رگ و ریشہ مہر دوست
پروردہ شد بمغز وفا استخواں ما
افتاد عشق حوصلہ فرسائے عاشق ست
صد جا شکست تا بلب آمد فغاں ما
مانند غنچہ گرچہ خموشیم برہمن
لیکن پراز نواست چو بلبل زباں ما

اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایسا ہے جو عقائد براہمہ و عقائد مسلمانان دونوں کے موافق ہے وہ خود لکھتے ہیں

رباعی

ما راز مے شبانہ مستی دگرست
وارستگی ز قید ہستی دگرست
ما ہر ہم لیک در مذہب ما
حق دیگر و شغل بت پرستی دگرست

برہمن کے خصوصیات کلام میں سے ایک یہ کہ دو چار غزلوں کو چھوڑ کر جو "د" کی ردیف میں شاہ جہاں بادشاہ کی مدح میں ہیں اور کسی غزل میں پانچ سے زیادہ شعر نہیں پائے جاتے۔

معلوم نہیں کہ اتنے ہی شعر کہتے تھے یا بعد میں انتخاب کر لیتے تھے۔ غالباً انتخاب ہی کر لیتے ہوں گے کیونکہ ان کی غزلوں میں بھرتی کے بہت کم اشعار پائے جاتے ہیں زبان ان کی نہایت شستہ ہوتی ہے اور بندش صاف۔ مطلب بالکل عام فہم۔ ترکیب درست ہوتی ہے اور بعض بعض مقامات پر نہایت خوب۔ مثلاً کہتے ہیں

ہر کہ پیش از صبح دم با ساغر صہبا نشست
سرفراز روزگار خویش چوں مینا نشست
بیا کہ چو دلم رنج بے حساب کشید
بیا کہ کار دل از غم با ضطراب کشید
گراز تو جفا رفت نیا مدگہ از من
آئین جفا از تو خوش و حوصلہ از من
مر اور بزم رنداں آبروی میتوں ادادن
دیکھا جرعہ می رنگ و بوی میتوں ادادن
زہی لب تو نمک ریز در شکر باری
شکنج زلف تو اندازہ گرفتاری
ہرگز کسی نہ گردوں گا ہے بہوے ما
کسی گرم ترزاشک نیا مدہ دی ما
سوے ماحاجت شمشیر ستمگاری نیست
بہ تغافل نگہ مصلحت آمیز بس است
دلم بہ سنبل زلف لو تا قرار گرفت
میان سلسلہ عشق اعتبار گرفت
خوش آں کسے کہ بہ صحرائے ملک ناکامی
زسیل حادثہ آرزو کنار گرفت
مر از دریچہ صبح گردوں
کسی کہ دامن میں شبہائی انتظار گرفت

ترکیب کی خوبی کو دیکھا اب الفاظ کی لطافت اور بیان کی روانی ملاحظہ ہو کہتے ہیں۔

ہوای فصل گل موسم بہار ان ست
گل نشاط بدامان میگساران ست
زتار زلف باسودگان مدہ بوے
کہ ایں وظیفہ دلہائے بیقرارن ست
جنون عشق برہمن شد ہمستی کار
کہ عشق آفت احوال ہوشیاران ست
جوانی بہ فصل عیش و عہد کامرانہا
کجا آن فصل کو آں عیش کے آن شہ دمانہا
حدیث عشق از گفتار و تکرار ست مستغنی
برہمن در محبت کفر باشد قصہ خوانہا

○○

ناز کو یش صبا بے آید
دل عاشق بجان مے آید
ناشنا سائی حال خود گشتم
کار دیگر زمانے آید
اے خطا پوش ما۔ زما جرز
کہ زماجز خطائے آید
از برہمن مخواہ کار دگر
کہ از دجز عائے آید

نئے انگریزی مذاق یا اسمیں کے بقول شائستہ مذاق کے لوگ اس بیان عشق و محبت کو فضول خیال کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو مفید شاعری کے دلدادہ ہیں۔ سو برہمن کے یہاں ایسے حضرات کی بھی دلچسپی کا سامان موجود ہے۔ رنگ محبت کے ساتھ فلسفہ عمل کے امتزاج نے

عجب کیفیت پیدا کر دی ہے کہتے ہیں۔

کفر بے رشتہ واعارنی آید راست
کارکن کار کہ گفتار نمی آید راست
منزل عشق درازست سراز خواب برابر
کار بے دید کا بیدار نمی آید راست
برہمن شیشہ دل سخت نزاکت دارو
چون شکستد دگر باز نمی آید راست

اس ضمن میں جو رباعیاں ہیں ان میں عمر خیام کا رنگ ہے۔ مثلاً عشق کے متعلق ہیں۔

رباعی

سرمایہ عیش جاودانی عشق ست
سر چشمہ آب زندگانی عشق ست
اسباب نشاط و کامرانی عشق ست
عنوان صحیفہ معانی عشق ست

تا چند زجور فلک آزردہ شوی
وزگردش روزگار افسردہ شوی
چون غنچہ بجمعیت خود راضی باش
زاں پیش کہ گل شوی و پژمردہ شوی

ان سب مثالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ برہمن کا پایہ شاعری معمول سے کہیں زیادہ بلند ہے اور انہیں اساتذہ زبان فارسی کے زمرے میں شامل ہونے کا بوجوہ احسن حق حاصل ہے۔

فقط "حسرت موہانی"

بعض اساتذہ شعرائے ہندوستان

حکیم بیگ خاں حاکم تخلص لاہوری اساتذہ شعرائے فارسی زبان میں تھے اوائل عہد فردوس آرام گاہ محمد شاہ بابری شاہنشاہ دہلی میں (غالباً ۱۱۳۶ھ میں) لاہور سے دارالسلطنت دہلی میں آئے اور ارکان شعرائے عصر میں محسوب ہوئے منصب امارت و خطاب خانی سے مخاطب کئے گئے۔ ان کا زمانہ اور شیخ نورالعین واقف متوطن پٹیالہ کا ایک زمانہ ہے اور دونوں کے آپس میں نہایت ربط بھی تھا۔ واقف بہت بڑا صاحب کمال شاعر اور فقیر منش تارک دنیا تھا ہمیشہ ایک کمبل اوڑھے سر کھلا ہوا اداری اور سر کے بال الجھے ہوئے اور پریشان ایک کاٹھ کا کشتہ بطور فقیروں کے لٹکائے اپنے دیوان کو بغل میں دابے اسی حالت سے ہمیشہ سیر و سیاحت و سفر میں بسر کرتا رہا۔ شیخ المتاخرین علی حزین جیلانی اس زمانہ میں ترک سیاحت کر کے بمقام بنارس تکیہ موسومہ فاطمان میں مقیم تھے۔ ہمیشہ ایک چاندی کے پائے کی پلنگڑی پر بیٹھے اپنی تکمیل میں مشغول رہا کرتے تھے کیسا ہی امیر و حاکم وقت ملاقات کو آئے اپنی پلنگڑی پر اس کو جگہ نہ دیتے تھے فرش یا کرسی پر وہ بیٹھ جاتا تھا مختصر باتیں اس سے کر کے اپنے کام میں منہمک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی عالی دماغی کا یہ حال تھا کہ فردوس آرام گاہ نے کئی دفعہ پیغام بھیجا کہ عہدہ وزارت قبول کریں مگر انکار کیا اور اپنی جگہ اس بات کو ظاہر کر دیا کہ یہ سلطنت اب نقش بر آب ہی بجز بدنامی کے اس وزارت میں اور کیا دھرا ہے۔ غرض پھرتے پھراتے واقف موصوف اسی حالت سے کہ پاؤں میں کیچڑ بھری تھی اور بال اور چہرہ خاک آلود تھا شیخ کے پاس آیا اور صاحب سلامت کر کے جس پلنگڑی پر شیخ بیٹھے تھے بے تکلف اسی پر بیٹھ گیا۔

شیخ نے متعجب ہو کر پوچھا از کجائی (یعنی کہاں وطن ہے) واقف نے جواب دیا کہ از

پٹیالہ پھر شیخ نے پوچھا کہ از واقف وا تفی (یعنی واقف سے واقف ہو) جواب میں کہا کہ بلے وا تفم۔ (یعنی ہاں واقف ہوں) شیخ سمجھ گئے بڑے تپاک سے ملے اور برخلاف عادت شعر پڑھنے کو کہا۔ واقف نے آنکھوں میں آنسو بھر کر یہ غزل پڑھنی شروع کی۔

ہر غنچہ شگفت الادل من ☆ اے دادل من صدادل من ☆ یاوب چہ سازد باسنگ طفلاں ☆ نازک دل من میتادل من شیخ نے گلے سے لگا لیا اور خود بھی خوب روئے۔ حاکم جن کا نام عنوان میں لیا گیا مع واقف پٹیالوی بعزم حج و زیارت مدینہ طیبہ ہندوستان سے روانہ ہو کر اورنگ آباد دکن تک پہنچے تھے کہ رستے میں واقف سخت علیل ہو کر وہیں رہ گئے اور چونکہ موسم قریب تھا حاکم بندر صورت پہنچ کر جہاز پر بیٹھ کر چلے روانہ ہوئے جب تک حاکم مشرف بہ حج و زیارت ہو کر پھر ہندوستان اور اورنگ آباد میں واپس نہ آئے واقف یہیں قیام گزیں رہے واقف کو کیمیا بنانے کا بے حد شوق تھا امرائے عہد سے جو فتوحات ہاتھ آتے تھے اور غالباً اس کی مقدار ہزارہا روپیہ تھی۔ سب کو نسخہ آزمائی میں صرف کر دیا کرتے تھے تعجب تو یہ ہے کہ ایسا آزاد منش باکمال تارک دنیا اور کیمیا بنانے کی دھن میں یوں منہمک ہو جائے غرض حاکم اور واقف پھر بہ راہ برار چھتر پور عازم وطن ہوئے۔ رستہ اس زمانہ میں لٹ رہا تھا یہ دونوں بزرگ بھی لٹ گئے یہاں تک کہ روپیوں پر کیا منحصر ہے کوئی چیز پاس نہ رہی کسی طرح سے گرتے پڑتے بالاپور پہنچے اب یہ سبب ہے مانگی کے آگے جانا دشوار تھا اورنگ آباد میں میر غلام علی آزاد بلگرامی منصب مناسب پر ممتاز تھے کسی قاصد کو اجیر کر کے ان کے پاس طلب خرچ کے لئے روانہ کیا چونکہ بجز تھوڑے سے سیماب کے (جو اسی کیمیا کے شوق کی بدولت ساتھ تھا) اور عینک کے اور کوئی چیز پاس نہ بچی تھی یہ مطلع فی البدیہہ کہہ کر خط میں درج کیا۔

عینکے با پارہ سیماب باماندہ است
چشم بے خواب و دل بیتاب باماندہ است

اس مطلع کی خوبی واقفان فن سے مخفی نہیں ہے غرض ہندوستان میں ایسے ایسے باکمال گزرے ہیں کہ اگر ان کے حکایات درج ہوں تو دیکھنے والے وجد کریں مگر افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہندوستانی بھائی خود ان کے حالات سے ناواقف ہیں اور یہ بھی ولولہ نہیں ہے کہ ان کے حالات سے واقف ہوں حالانکہ اگر تاریخ کی کتابوں میں تلاش کیا جائے تو

قریب قریب سب صاحب کمالوں کے نام و نشان (کم وبیش ہی سہی) مل سکتے ہیں کاش کوئی جامع تذکرہ ان ہندوستانی باکمالوں کا جمع ہو جاتا۔ افسوس یہ ہے کہ جو لوگ ایسی محنتوں اور ریاضتوں کے عادی اور بخوبی اس عمدہ کام کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ ان کو اور اور ضروری تصنیفوں سے فرصت ہے اور نہ زمانے کی ناقدرشناسیان سے یہ کام لیتے ہی رہے دوسری قسم کے اہل قلم تو ان کو یہ دماغ کہاں کہ محنت گوارا کر سکیں۔ "اناللہ و انا الیہ راجعون"

خاکسار۔ سید علی محمد شاد

○ ○

تذکیرو تانیث

اردو زبان میں تذکیرو تانیث کے معاملے میں جس قدر اختلاف ہے اور اس لئے جس قدر یہ مسئلہ مشکل ہے اتنا شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ ان دشواریوں میں بہت کچھ کمی ہوجاتی اگر تذکیرو تانیث کے متعلق کوئی ایسا مستند رسالہ موجود ہوتا جس پر ہر شخص اعتماد کر سکتا لیکن ایسے رسالے کی ترتیب کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ وہ بجائے ایک شخص کے کئی شخصوں بلکہ ایک باضابطہ انجمن کی غوروفکر کا نتیجہ ہو۔ ورنہ ایک شخص واحد کی رائے مشکل سے مسلم مانی جا سکتی ہے کیونکہ اگر وہ شخص نہ اہل زبان ہے نہ زباندان تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی تالیف کسی طور پر مستند نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ اہل زبان نہیں صرف زباندان ہے تو بھی اس کی کتاب میں چند نقائص کا باقی رہ جانا قطعی ہے یعنی یہ کہ اس کی کتاب میں زیادہ تر صرف وہی الفاظ ملیں گے جن کی تذکیرو تانیث کے ثبوت میں دوسروں کے اقوال موجود ہیں اور اس قسم کے ثبوت چونکہ اکثر شعرا کے کلام میں ملتے ہیں جنکے استعمال میں روزمرہ کے بہت سے ثقیل اور عام لفظ کبھی نہیں آتے اس لئے ناممکن ہے کہ ایسے بہت سے ضروری الفاظ اس سے چھوٹ نہ جائیں کیونکہ ایک زباندان کسی مشتبہ لفظ کے بارے میں اپنی رائے وثوق کے ساتھ پیش نہیں کر سکتا اور کرے بھی تو کوئی اس کو مسلم نہ قرار دے گا۔

نیز یہ کہ زبان پر کامل دست گاہ نہ رکھنے کی وجہ سے وہ بعض موقعوں پر اسناد کی تحقیق و تنقید سے بھی قاصر رہے گا اور اس لئے غلط فہمی کی بنا پر بعض مقاموں پر ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ مثلاً قادر علی خاں صاحب قادر نے رسالہ تزکیر اور نواب ظہیر الدین احمد خان صاحب نے رسالہ دو پیکر لکھا اور حق یہ کہ بڑی کاوش سے لکھا یعنی ہر لفظ کے لئے کسی

استاد کا شعر بطور سند پیش کیا لیکن اول الذکر بزرگ سے عدم تحقیق و تنقید کے باعث سے بعض لغزشیں سرزد ہو گئی ہیں۔

مثلاً شعاع کو مذکر لکھا ہے اور سند میں ناسخ کا یہ شعر لکھا ہے۔

ہجر میں ہر شعاع شمس مجھے
ہو گیا ہے خدنگ سونے کا

حالانکہ شعاع کی تانیث قطعی اور یقینی ہے اور ناسخ مغفور کے شعر کی سند بھی غلط ہے کیونکہ انہوں نے "ہو گیا" خدنگ کی رعایت سے لکھا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اکثر اساتذہ نے ایسے موقعوں پر آخری لفظ کی رعایت کی ہے مثلاً ذوق نے لکھا ہے

دریائے غم سے پار اترنے کے واسطے
تیغ خمیدہ یار کی لوہے کا پل ہوا

ذوق مرحوم اور ناسخ مغفور کے اشعار میں فرق صرف اس قدر ہے کہ ذوق کے ہاں اردو ترکیب کی وجہ سے "یار کی تیغ خمیدہ" میں "کی" یعنی "شمس کی شعاع" نہیں آسکا ہے اور بس یا مثلاً ناوک کو مونث بھی لکھا ہے اور سند میں امیر مرحوم کا یہ شعر نقل کیا ہے

بے سبب غلطاں نہیں اے ناوک افگن خاک پر
چھینے لیتی ہے قضا ناوک تری نخچیر سے

حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ "تری نخچیر" سے نخچیر کی تذکیر البتہ ثابت ہوتی ہے "ناوک" اور "تری" کو ملا کر "ناوک نری" پڑھنا اور اس سے ناوک کو مئونث ٹھہرانا خطا ہے۔ یا معراج کو مذکر لکھا ہے اور سند میں ناسخ یہ شعر درج کیا ہے۔

کسی دل تک رسائی ہو سکے تو عرش ہے یہ بھی
عزیز دگر نہیں معراج ممکن عرش اعظم کا

حالانکہ معراج کا مونث ہونا مسلم ہے اور ناسخ کا اجتہاد جمہور کے خلاف اور اسلئے ناقابل تسلیم ہے اف کو مختلف فیہ لکھا ہے اور داغ و آتش کی سندیں دی ہیں۔

داغ۔ بات کیسی وہ ہو گئے ہیں خفا۔ منہ سے جب اف ذرا نکلتی ہے۔(مونث)

آتش۔ سوزش دل سے زبان کو نہ ہوئی آگاہی نہ اف کیا منہ سے نہ ہم نے نہ کھلا راز

اپنا (مذکر)

حالانکہ آتش مرحوم کے شعر سے اف کی تذکیر قطعی طور پر ثابت نہیں ہوئی کیونکہ "اف کیا" کہنا اسی قبل سے جیسا کہ "غور کیا" کہنا وغیرہ ان سب غلطیوں کے علاوہ ایک اور کمزوری یہ بھی ہے کہ اکثر مثالیں ایسی نہ بذب دی ہیں جن سے مخالف کی تسکین مشکل سے ہو سکتی ہے مثلاً

رشک۔ ہم اگر چاہیں تصور کر کے دیکھیں بے حجاب۔ پھر یہ کس سے شرم کا پردا حیا کا اوٹ ہے (مذکر) اوٹ (مختلف فیہ)

جرات۔ جرات کروں میں کیا کہ جو مل بیٹھتے ہیں ہم یونہی حجاب عشق کی آپس میں اوٹ ہے (مونث) یہاں حضرت رشک کے شعر میں "حیا کی اوٹ ہے" بھی ممکنے پس اس سے استناد کرنا مناسب نہ تھا۔ یا کم از کم اتنا لکھ دینا ضروری تھا کہ اوٹ کی تذکیر مقبول نہیں ہے۔

مولف دو پیکر نے بے شک زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے اور ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن میں کسی طرح کا شبہ نہ باقی رہے یعنی جن کو دوسرے طور پر پڑھنے سے شعر کی موزینیت یا ردیف قافیے میں فرق آجاتا ہو لیکن اس احتیاط کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کا دائرہ الفاظ اور بھی محدود ہو گیا ہے اور روزمرہ کے استعمال سے بہت سے الفاظ رہ گئے ہیں اور علاوہ اس نقص کے ایک بات اور بھی قابل اعتراض رہ گئی ہے وہ یہ کہ مثالوں کے نہ ملنے یا کسی دوسری وجہ سے بہت سے الفاظ کی نسبت یکطرفہ رائے قائم کی گئی ہے مثلاً طرز اور گیند کو مذکر اور نم کو مونث بولتے ہیں یا نقش اور فغان کو صرف مذکر لکھا ہے اور یہ دو شعر سند میں پیش کئے ہیں۔ مومن۔

اگر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہو گا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہو گا

آتش

بھولتی آنکھیں نہیں اکدم تجھے اے شہسوار
یاد تیری دل سے رکھتی ہے نقش مہمیز کا

حالانکہ فغاں اور خلش کی تذکیر زبان قدیم کی خصوصیات سے ہے آجکل یہ دونو لفظ مونث بولے جاتے ہیں اور مومن و آتش کے اشعار میں ان کا مذکر پایا جانا از قبیل شاذ ہے۔

غرضیکہ ہماری اس تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زباندان کی کتاب کا غلطیوں یا کمزوریوں سے پاک ہونا بہت دشوار ہے۔ اب رہے اہل زبان ان کی کتاب کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا لیکن بعض مشکلیں ایسی ہیں جن سے وہ بھی عہدہ برآں نہیں ہو سکتے۔ اول تو یہ کہ چونکہ ان کو اپنی زبان پر اعتماد ہوتا ہے اس لئے وہ مختلف فیہ الفاظ کی نسبت صرف اپنی رائے لکھتے ہیں اور دوسروں کی سند کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ باوجود اہل زبان ہونے کے جب کسی لفظ میں شک پیدا ہو جاتا ہے تو وہ مشکل سے رفع ہوتا ہے۔ اور یہ مشکل مسئلہ تذکیر و تانیث کی مشکلوں میں سے ایک عجیب اور دلچسپ مشکل ہے مثلاً ہمارے مخدوم حضرت ضامن علی صاحب جلال لکھنوی کے رسالہ تذکیر و تانیث ہی کو ملاحظہ فرمایئے کہ باوجود یہ کہ وہ ایک مستند اہل زبان کے قلم سے نکلا ہے لیکن پھر بھی کمزوریوں سے بالکل پاک نہیں ہے۔ جناب جلال کو اہل زبان ہونے کی بنا پر چونکہ اپنی تحقیق پر پورا بھروسہ ہے اس لئے انہوں نے را بگزر۔ فکر۔ کیف۔فانوس۔ ہسپتال۔ پارسل ڈھول۔ نم وغیرہ ہم کو صرف مونث لکھا ہے حالانکہ یہ سب الفاظ مذکر بھی بولے جاتے ہیں۔ بعض کی سندیں بھی موجود ہیں۔

را بگزر (مذکر) زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی☆ کیوں ترا را بگزر یاد آیا (غالب دہلوی)
کیف (مذکر) بے ہوشیاں نصیب رہیں سامعین کو☆ کیف شراب ماب میرے ہر سخن میں تھا (نسیم دہلوی) نم (مذکر) چھوڑا نہ کچھ بھی دل میں تپ ہجر یار نے☆ روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا (مومن دہلوی) اسی طرح موتیا' افواہ' جھونج' غبن اور اردو (زبان) وغیرہ کو مذکر لکھا ہے حالانکہ موتیا مونث بھی ہے جیسا کہ داغ دہلوی مرحوم نے لکھا ہے کہ "موتیا کھلی" اور اردو قطعی طور پر مونث ہے۔ افواہ اور جھونج بھی قطعی مونث ہیں معلوم نہیں حضرت جلال نے ان کو کیونکر مذکر لکھ دیا غبن بھی مشکوک ہے اور غالباً مونث ہے۔

اور وہ جو ہم نے لکھا ہے کہ بعض وقت اہل زبان بھی شبے میں پڑ جاتے ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ شعاع کے بارے میں ناسخ کے شعر سے (ہجر میں ہر شعاع شمس مجھے ہو گیا

ہے خدنگ سونے کا) حضرت جلال کو بھی شعاع کی تذکیر کا شبہ ہوا۔ اور الاپ کی نسبت تو قطعی غلط فہمی ہوئی۔ کیونکہ جناب جلال الاپ کو بھی مذکر بھی بتاتے ہیں اور سند میں قدرت کا ایک شعر لکھتے ہیں۔

ایک ہی پردے کے تم سمجھو تو ہیں یہ سب الاپ گر صدائے بانگ ہے یا نغمہ ناقوس ہے حالانکہ الاپ بالاتفاق مونث ہے۔ اہل دہلی میں سے میر حسن مرحوم صاحب مثنوی نے لکھا ہے۔

وہ رقص بتاں اور وہ سنہری الاپ
وہ گوری کی تانیں وہ طبلے کی تھاپ

اور مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ بھی اسے صرف مونث لکھتے ہیں حضرات لکھنؤ میں سے منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے امیر اللغات میں اس کو صرف مونث لکھا ہے اور مرزا مچھو بیگ عاشق شاگرد رشید مرزا نسیم مرحوم نے بھی اپنی کتاب بہار ہند میں اسے مونث ہی بتایا ہے۔

خود حضرت جلال بھی الاپ کی تانیث کے قائل ہیں اور جو قدرت کے شعر کی سند پر انہوں نے اس کو مذکر بھی لکھ دیا ہے یہ اسی قسم کا شبہ ہے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں رہا قدرت کا شعر اس کی نسبت ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یا تو قدرت شاگرد جعفر علی حسرت کے زمانے میں بزبان قدیم الاپ کو مذکر ہی بولتے ہوں گے یا یہ شعر اس طرح ہو گا ایک ہی پردے کی تم سمجھو تو ہیں یہ سب الاپ۔ الخر یعنی "کی" بجائے معروف اور "الاپ" "الاپین" کے بجائے ہو گا۔ متقدین کے کلام میں مونث الفاظ کی جمعین بلا "ین" کی اکثر موجود ہیں چنانچہ ہم صرف مصحفی کے کلام سے اس کی متعدد مثالیں دے سکتے ہیں۔ غرض کہ الاپ کی تذکیر کے بارے میں حضرت جلال کو یقیناً شبہ ہوا اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ تذکیر و تانیث کے باب میں شخصی رائے' اگرچہ وہ ایک اہل زبان کی رائے ہو' ہر شخص کے نزدیک یا کم از کم کسی دوسرے اہل زبان کے نزدیک مسلم نہیں ہو سکتی

پس تذکیر و تانیث کی ایک مستند کتاب کے لئے ضروری ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے بعض اہل زبان اور کچھ دوسرے مقاموں کے زباندان لوگ جمع ہو کر ایک بار محنت کر کے ایک ایسا رسالہ مرتب کر دیں جس میں تمام الفاظ کی تذکیر و تانیث محقق طور پر مع دہلی اور لکھنؤ

کے اختلاف کے درج ہو۔ ورنہ جناب جلال کا رسالہ دہلی والے پسند نہ کریں گے اور حضرت عالی کا رسالہ اہل لکھنؤ اور شاید بعض اہل دہلی کے بھی ناپسند ہو گا۔ ہمارے نزدیک یہ کام انجمن ترقی اردو علیگڈھ میں رہ کر باسانی کر سکتی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ قواعد اردو کی ایک مستند کتاب تیار کرائے جس میں تذکیر و تانیث کا باب بھی آ جائے گا علیگڈھ ایک ایسا مقام ہے جہاں دہلی لکھنؤ اور بعض دوسرے مقاموں کے مستند لوگوں کا مجمع باسانی ممکن ہے بلکہ ایک حد تک ہر وقت رہتا ہے۔ اگر شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی کو اس تحریر سے اتفاق ہو تو ہم ایک پوری عملی تجویز پیش کر سکتے ہیں۔

○○

(حسرت)

نواب فصیح الملک داغ مرحوم

(۲) رسالہ دبدبہ اصفی حیدر آباد دکن

ذلجہ کے پرچے میں حافظ جلیل حسن صاحب جلیل مہتم دبدبہ آصفی نے داغ مرحوم کے ذکر میں، ان کے کلام کی نسبت نہایت عمدہ اور پختہ رائے ظاہر کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ "سلجھی ہوئی بندش۔ فصاحت الفاظ۔ روزمرہ اور بیساختہ پن ذوق و مومن و غالب کے اشعار میں خال خال نظر آتا ہے اور داغ کا کلام تمام تر محاسن سے بھرا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان شعرا کے اگر دس بیس شعر زبانوں پر ہیں تو مرزا داغ کے صدہا اشعار لوگوں کو یاد ہیں البتہ جدت مضامین۔ تشبیہات واستعارات مرزا غالب کی بلاغت و نازک خیالی۔ ذوق کی اصناف سخن پر قدرت و بلند پروازی اور قابلیت و معلومات فن اور چیز ہے۔

مرحوم نے طبیعت نہایت شوخ اور گرما گرم پائی تھی۔ اصناف سخن میں تغزل کو اپنی گویائی کے لئے انتخاب کیا اور تغزل میں بھی ایک رنگ کو اختیار فرمایا جس میں ان کی رنگین طبیعت نے خوب گلفشانی کی۔ خیالی مضامین کی طرف ان کو توجہ بہت کم تھی معاملات کے شعر کثرت سے کہے اور نہایت حسن سے کہے جن کی تعریف جس قدر کی جائے زیبا ہے ثقیل الفاظ۔ فارسی تراکیب۔ اغلاق اور تصنع سے حتی الامکان انہوں نے اپنے کو بہت بچایا ہے۔ اور اکثر محاورے اس برجستگی سے موزوں ہوئے جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے۔ عشقیہ مضمون جس سے عبارت ہے یعنی دکھے ہوئے دل سے جو بات نکلتی ہے وہ درد حسرت اور سوز وگداز سے بھری ہوتی ہے اس کی جھلک مرزا داغ کے کلام میں بہت ہی کم پائی جاتی ہے۔ مرزا داغ کی شاعری چوچلے۔ ناز غمزے چھیڑچھاڑ۔ بے تکلفی جلی کٹی۔ آزادانہ بولی ٹھولی۔ بے باکی۔ رقیب کے گلے شکوے واعظ ناصح پر پھبتی۔ رندانہ مزاجی اور

انتہا کی شوخ طبعی کا دفتر ہے۔" ہم کو اس رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ اس ماہ کے پرچے میں دو ایک غزلیں بھی اچھی شائع ہوئی ہیں۔ پہلی غزل داغ مرحوم کی یہ ہے۔

غزل

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادو گر سے اعجاز مسیحا ہو نہیں سکتا

ہوئے ناآشنا ایسے کہ تم سے اب میرے حق میں
برا بھی ہو نہیں جو اچھا ہو نہیں سکتا

شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری کر نہیں سکتے
کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے ایسا ہو نہیں سکتا

الٰہی کیا قیامت میں بنے گی داد خواہوں پر
وہ فرماتے ہیں کیا دعوی پہ دعوی ہو نہیں سکتا

بگڑ جاتی ہے عادت بے وفائی آ ہی جاتی ہے
تمہارا ہو کے پھر یہ دل ہمارا ہو نہیں سکتا

محبت آدمی کو آدمی سے ہو ہی جاتی ہے
جو کر رکھے تو کیا کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا

گئے وہ اٹھ کے پہلو سے تو یہ کہتے گئے مجھ سے
ذرا سا صبر کر لو تم سے اتنا ہو نہیں سکتا

لیا تھا دیکھنے کو دل انہوں نے اب نہیں دیتے
مرا یہ حال ہے مجھ سے تقاضا ہو نہیں سکتا

مرے پاسِ وفا کی کاش تم مقدار نہ تو لو
کہ اتنا مجھ سے ہو سکتا ہے اتنا ہو نہیں سکتا

عوض دل کے وہی دینا پڑے گا ان کو جو مانگوں
وہ جھگڑا کر نہیں سکتے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

زہے قسمت کہ اس نے وصل کی شب مہربان ہو کر

کیا احسان ایسا جس کا بدلہ ہو نہیں سکتا
پڑا تھا غیر کی گردن میں کیا کچھ ہم سے تو کہئے
یہ کیسا درد ہے کیوں ہاتھ سیدھا ہو نہیں سکتا
سوال وصل پرائے داغ دلکی رہ گئی دل میں
کہا منہ پھیر کر ظالم نے ایسا ہو نہیں سکتا

تیسرے شعر میں صرف لفظوں کے الٹ پھیر سے شعر میں جان ڈال دینا مرزا کے مرحوم کا خاص انداز ہے نیز آٹھویں شعر کی صفائی بیان اور بے تکلفی بھی انہیں کا حصہ ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی قدس اللہ سرہ

معمولات حضرات صوفیہ مسئلہ سماع سب سے زیادہ مختلف فیہ ہے۔ بعض لوگ سماع کو قطعاً حرام بتاتے ہیں بعض اسے منجملہ عبادات تصور کرتے اور بعض اسے جائز سمجھتے ہیں لیکن بلامزا میر۔ راقم کے نزدیک سماع بہرصورت جائز ہے بلکہ صوفی کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ منقولی دلائل سے قطع نظر کر کے بھی دیکھے تو جس شغل سے روح میں جوش اور دل میں ذوق و شوق پیدا ہو اسے ناجائز قرار دینا کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے۔ حال میں بزمانہ عرس حضرت خواجہ اجمیر رحمتہ اللہ علیہ جو واقعہ حضرت خواجہ بہشت مولانا شاہ محمد حسین قدس اللہ سرہ کے وصال کا گزر اور قابل غور ہے۔ ۸ رجب کو بہ تقریب دعوت' نواب سرورجنگ کے ہاں جلسہ سماع میں اجمیر شریف کے قوال حضرت شاہ عبدالقدوس گنگو ہی رحمتہ اللہ علیہ کی غزل آستین بررو کشیدی ہمچو مکار آمدی) گا رہے تھے محفل پر ایک خاص حالت طاری تھی آپ ہر مصرعے کی شرح فرماتے جاتے تھے جب قوال مقطع پر پہنچے (گفت قدوسی فقیرے درفنادر بقا۔ خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی) تو آپ نے "خود بخود آزاد" کی تکرار فرمائی اور نفس نفیس کی طرف اشارہ کیا۔ تیسری مرتبہ ادا کرنا چاہتے تھے کہ سر بسجدہ ہو گئے اور آنا فانا مقصود پر پہنچے۔ اور تقریب باسنکے علاوہ تقرب ظاہری بھی یہ حاصل کیا کہ مزار مبارک حضرت خواجہ غریب نواز کے زیر سایہ جگہ پائی۔ اناللہ وانااليه

راجعون۔ حضرت شاہ صوفی جان مدظلہ نے جو آپکے قریب ہی بیٹھے تھے سب سے پہلے فرمایا کہ آپ نے وصال فرمایا۔ پھر بھی لوگوں کو شبہ رہا اور ڈاکٹر نے فصد لی لیکن کچھ نہ ہوا۔

آپ کے وصال کی خبر جب علی گڑھ پہنچی تو خان بہادر مولوی زین العابدین صاحب نے دیوان حافظ کے ذریعہ سے لسان الغیب حضرت خواجہ شیراز سے سوال کیا کہ آپ مولانا کی گزشتہ اور موجودہ حالت سے آگاہ کیجئے اس کے جواب میں حضرت حافظ کی یہ مشہور غزل نکلی

زاہد خلوت نشین دوش بہ میخانہ شد
از سر پیمان گزشت برسر پیمانہ شد
صوفی مجلس کے دی جام و قدح میشکست
دوش بہ یک جو عرے عاقل و فرزانہ شد
منزل حافظ کنوں بار گہ کبریا مست
دل بر دلدار رفت جاں برجانا نہ شد

یہ پوری غزل گویا حضرت کی مکمل سوانح عمری ہے۔ کیونکہ آپ مولانا عبدالحی مرحوم فرنگی محلی کے شاگرد تھے اور پہلے سماع وغیرہ کو جائز نہ سمجھتے تھے مگر کچھ دنوں کے بعد جب حضرت مولانا شاہ امداد اللہ قدس سرہ مہاجر کے مرید ہوئے اور سماع سے ذوق پیدا ہوا تو ابتدا میں چھپ چھپ کر دروازہ بند کر کے سنتے تھے جس کا اشارہ مطلع میں ہے۔ جس مجلس میں آپ کا وصال ہوا اس میں قوالوں سے نغمے کی فرمائش کی اور حضرت شاہ صوفی جان قبلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ صوفی کے مار ڈالنے کے لئے بھی کافی ہے خان بہادر موصوف نے مقطع کے دوسرے مصرعے سے جو حضرت کے قرب حق کی خبر دیتا ہے بہ نغمیہ الفاظ "باب الم" یہ تاریخ نکالی۔

صوفی صافی نہاد شاہ محمد حسین
فانی فی اللہ گشت از ہمہ بے گانہ شد
حافظ خوش خواں ندا کرد بہ "باب دلم"
دل بردلدار رفت بر جانا نہ شد

منجملہ دیگر صفات ظاہری و باطنی مولانا مثل بعض اولیائے متقدین شاعری کا بھی بہت

اچھا مذاق کہتے تھے چنانچہ آپ کی ایک غزل درج کی جاتی ہے۔

مہ گردوں ندارد تاب حسن بے حجاب امشب
کہ باشد گرمی نظارہ برق اضطراب امشب
نہ باماناش پروائے نہ با صہبا سرد کارے
کہ مست از جلوہ خویش است چشم نیم خواب امشب
ایک دم لعل ساقی راداز ہوش و خرد رفتم
دربالانشہ دارد برہم صہبائے ناب امشب
زسیل گریہ طرح تر دماغی ریختت درعالم
کہ دامن تر تواں فرموداز موج شراب امشب
زخجلت آب شدا ماندارد جزنگوں بختی
عجب دارم من از بیداری چشم حباب امشب

سنا ہے کہ آخری حج میں آپ نے مدینہ منورہ میں دعا کی تھی کہ یا میں مدینہ میں رہوں یا پھر اجمیر میں۔ سودہ آرزو پوری ہوئی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے بعد بحالت وجد میں امتیاز کے ساتھ شاید ہی کسی کا انتقال ہوا ہو اللہ اللہ خدا کے محبوب بندے اسی طرح شہید شوق ہوتے ہیں۔ فقط

○ ○

میں چاہتا ہوں کہ

چاہتا.... آہ چاہتا ہوں کہ تم اسی طرح مجھے نہ پہچانو' نہ جانو اپنا تغافل قائم رکھو اور میں تلخ کام زہرناک ہجر میں زندگی بسر کروں۔ ہجر میں زخم کھا کھا کے' رو رو کے تڑپ تڑپ کے مرجاؤں' داغوں کی سوزش سے جل جاؤں۔

اور تمہیں خبر نہ ہو کہ میں نے تمہارے لئے جان دے دی' تمہاری برق نگاہ کے خیال میں جل کر راکھ ہو گیا خاک ہو گیا تمہیں خبر نہ ہو کہ ایک پژمردہ دل تمہارا خیال کر کر کے تمہاری یاد کر کر کے اپنی تمام جوانی' اپنی تمام عمر کاٹ رہا ہے اس کی تمنائیں امیدیں حسرتیں تمہارے لئے ہیں' وہ تمہاری خاطر غمزدہ زندگی بسر کرتا' اور تمہاری خاطر غمزدہ موت مرنا چاہتا ہے۔ وہ بے چارہ دل بس یہی' صرف یہی چاہتا ہے! جب پروانہ کی طرح' سایہ کی طرح رات دن میں تمہارے پاس تھا' تب تو کبھی ایک نگاہ غلط انداز لطف سے شاد کام نہ کیا' پس اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ کبھی شاد کام نہ ہوں۔ آہ! اسی طرح مر جاؤں' اسی طرح مہجور' مقہور اسی طرح وطن سے دور' اسی طرح مشتاق' اسی طرح حسرت کس شورش ہائے نہانی مرجاؤں..

میں چاہتا ہوں کہ جس طرح صبح سویرے نور کے تڑکے' باغ میں چھوٹی چڑیاں ایک شاخ گل سے دوسری شاخ گل تک اڑتی پھرتی ہیں' اور گلاب کی پنکھڑیوں پر سے شبنم کے قطروں کو گرا دیتی ہیں' اور نہیں سمجھتیں کہ کیا ظلم کیا' اسی طرح تم بھی کبھی نہ سمجھو نہ میرے جینے کی' تمہارے لئے جینے کی' نہ میرے مرنے کی' تمہارے لئے مرنے کی' تمہاری چاہ میں مرنے کی تمہیں خبر ہو۔ تم مجھے نہ دیکھو' شاید... آہ شاید میرے مرنے کے بعد قبر پر... مگر میں اسے بھی نہیں چاہتا' میں اس کا بھی قائل نہیں۔

میں چاہتا ہوں' چاہتا ہوں کہ تم اسی طرح مجھے کبھی نہ جانو نہ پہچانو' اپنا تغافل قائم رکھو اور میں تلخ کام' زہرناک ہجر میں زندگی بسر کروں۔ ہجر میں زخم کھا کھا کے' رو رو کے' تڑپ تڑپ کے مرجاؤں' داغوں کی سوزش سے جل جاؤں (یلدرم) ترجمہ

تنقید رسائل و کتب

(۱) معیار لکھنؤ

حکیم سید علی محسن خان صاحب ابر لکھنوی کے اہتمام سے لکھنؤ نخاس جدید سے ماہوار شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت ۸ روپے ہے اس رسالہ میں جتنی غزلیں شائع ہوتی ہیں ان کی زبان مستند اور مذاق بھی صحیح ہوتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لکھنؤ کی شاعری کا انداز ضلع جگت کے عیوب سے پاک ہو کر سادگی اور اثر کے صفات کو حاصل کرتا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو

غم نہیں گر اتنے صدموں کے مقابل ایک ہے
میں سراپا دل ہوں کیا پروا اگر دل ایک ہے
پھر پلٹ کر دیکھ لے صدقہ نگاہ ناز کا
جانے والے اس طرف بھی نیم بسمل ایک ہے
دشمن جاں درد فرقت جانستان ناز وصال
ہجر ہو یا وصل ہو دونوں کا حاصل ایک ہے
ایک سرگشتہ ہے گرداب محیط عشق میں
خندہ زن خمیازہ کش بالائے ساحل ایک ہے
رستخیز کشتگان غمزہ دیکھا چاہئے
ہاتھ لاکھوں گوشۂ دامان قاتل ایک ہے
اک اشارہ اس کا کافی ہے مگر ہو تو سہی
مشکلوں کا سہل کرنا بھی تو مشکل ایک ہے

جز تحیر کچھ نہیں صورت کدہ میں حسن کے
جس طرف جاتا ہوں آئینہ مقابل ایک ہے
اضطراب شوق کی ہم وحشیوں کی حد نہیں
گرمی رفتار تا پایاں منزل ایک ہے
تجھ سے واعظ کیا کہوں کیفیت بزم شراب
وہ بھی اپنے رنگ کی دنیا میں محفل ایک ہے
ایک ہلال عید سے ہوتی ہے عالم کو خوشی
غم ہو جانبازوں کو کیوں گر تیغ قاتل ایک ہے
بزم حسن اور اختلاف اتنا مذاق عشق کا
ہم تن تنہا صفی محفل کی محفل ایک ہے

مصرع طرح کے ہمراہ چند قافیے بھی لکھ دیئے جاتے ہیں اور انہیں قافیوں پر طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ لیکن ہم اس پابندی قوافی کی دشواری کو پسند نہیں کرتے۔

(۲) غنچہ جاوید بمبئی

بھی اپنی وضع کا اچھا گلدستہ ہے اردوی معلی میں کیٹس کی نظم کا ترجمہ "بلبل" اسی سے نقل کیا گیا تھا حصہ نظم میں بھی اکثر اچھی اچھی غزلیں شائع ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

جدا یہ کہہ کے دل ناصبور میں نے کیا
کہ ایک فساد تھا پہلو سے دور میں نے کیا
برا نہ مانو اگر ذکر حور میں نے کیا
غرور تم نے کیا تھا قصور میں نے کیا
تمہیں کچھ اور سوا تم کے کون کہتا تھا
جناب میں نے بنایا حضور میں نے کیا
وہ قتل عام کو نکلے ہیں ایک تماشا ہے
ہر ایک سوچ میں ہے کیا قصور میں نے کیا

اب اس کو پردہ دری سمجھو یا کچھ اور کہو
تمہارے حسن کا چرچا ضرور میں نے کیا
کسی کا شکوہ عشق عدو پہ یہ کہنا
نہیں کیا بھی تو اب ہاں ضرور میں نے کیا
شراب پردہ گستاخی وصال بنی
وہ جب خفا ہوئے عذر سرور میں نے کیا
جنون زدہ ہوں میں دیوانہ ہوں مجھے تسلیم
مگر کہو کہ تجھے ناصبور میں نے کیا
خجل ہوں حشر میں ناکردہ جرم سے برتر
قصور رحمت رب غفور میں نے کیا

(۳) اختلاف اللّسان

یعنی دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے الفاظ اور محاوروں کا فرق مولف منشی وجاہت حسین صاحب صدیقی بھنجھانوی۔ حجم ۸۴ صفحے۔ قیمت ۱۰ر کتاب مولف سے لاہور رفاہ عام اسٹیم پریس کے پتے سے ملے گی۔

اس کتاب کے آغاز میں مولف نے ۱۲ صفحوں کا ایک دلچسپ دیباچہ لکھا ہے جس میں لکھنؤ اور دہلی کے مذاق شاعری کا فرق پسندیدہ طور پر ظاہر کیا گیا ہے اور سرورق پر بھی شجر اردو کی تصویر میں لکھنؤ اور دہلی کے کلام کی خصوصیتیں یعنی واہ اور آہ کی کیفیت بہت خوبی کے ساتھ نمایاں کی گئی ہے چنانچہ ہم بھی اس موقع پر اس کو ملاحظہ ناظرین کے لئے نقل کرتے ہیں۔

آہ	واہ	
↓	↓	
سلاست	لفظی رعایت	
↓	↓	
سادگی	رنگینی	
↓	↓	
فصاحت	بلاغت	
↓		

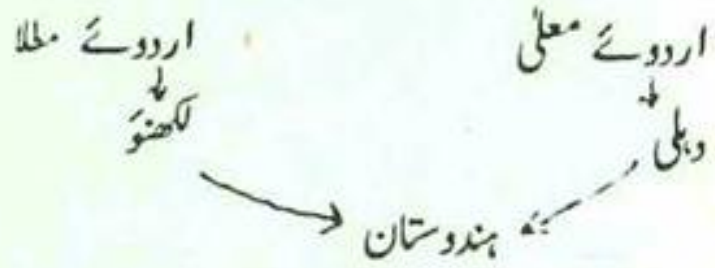

کتاب کا مضمون نہایت دلچسپ ہے اور الفاظ و محاورات دہلی و لکھنؤ کے جمع کرنے میں مولف کی محنت اور کوشش بھی قابل داد ہے لیکن افسوس ہے کہ لکھنؤ کے محاوروں کے متعلق مولف نے کافی تحقیق و تدقیق سے کام نہیں لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں سے نصف سے زیادہ الفاظ اور محاورے یا تو لکھنؤ میں بولے ہی نہیں جاتے یا اگر کبھی بولے جاتے تھے تو اب یکقلم متروک ہو گئے ہیں۔ اور اس نقص کا سبب غالباً یہ ہے کہ حضرت وجاہت نے مروجہ زبان لکھنؤ سے اطلاع بہم نہیں پہنچائی اور اپنی تلاش کو صرف بحرو قلق و امانت وغیرہ کے کلام یا حضرت جلال کی لغت تک (جو درحقیقت رشک کے زمانے کی تالیف ہے) محدود رکھا ہے۔ ذیل میں ہم بطور نمونہ چند الفاظ اور محاوروں کی نسبت مولف کی غلط تحقیق کی کیفیت دکھانا چاہئے۔

(ا) وہ محاورے جو لکھنؤ میں مستعمل نہیں ہیں حالانکہ حضرت وجاہت ان کو خصوصیت کے ساتھ لکھنؤ سے منسوب کرتے ہیں۔

(ا۔ اوہیلا "لکھنؤ میں پیسے کے نصف حصے کو کہتے ہیں اہل دہلی دھیلا بولتے ہیں"

۲۔ ادھیلی "نصف روپیہ لکھنؤ میں بولا جاتا ہے۔ دلی والے دھیلی کہتے ہیں۔"

ادھیلا ادھیلی لکھنؤ کی زبان نہیں ہے۔ وہاں بھی دھیلا اور دھیلی بولتے ہیں بلکہ دھیلی علیحدہ اٹھنی کی بجائے مستعمل بھی نہیں ہے۔ روپیہ دھیلی البتہ سننے میں آتا ہے۔

۳۔ بادبھنا "لکھنؤ میں ہوا چلنے کو کہتے ہیں" ہم نے کسی کو بادبھنا بولتے نہیں سنا۔

۴۔ بردا۔ "لڑکا چھوکرا معصوم" یہ لفظ بھی اس معنے میں کبھی سننے میں نہیں آیا۔

۵۔ تکی لگانا۔ بمعنی گھورنا ان میں سے کوئی لفظ لکھنؤ میں مستعمل نہیں ہے قدیم زبان ہو تو ہو یہ بیان غلط ہے

۶۔ تانسنا۔ چشم نمائی کرنا

۸۔ گرگا۔ "اہل لکھنؤ بدکار و بد وضع کو گرگا کہتے ہیں۔"

۹۔ گوندی۔ "یہ لفظ پنجاب اور لکھنؤ میں اسی طرح بولا جاتا ہے اہل دہلی گوندنی کہتے ہیں۔" ممکن ہے کہ پنجاب میں گوندی کہتے ہوں لیکن اہل لکھنؤ تو گوندنی کہتے ہیں۔

۱۰۔ گھنگھور لڑائی۔ محاربہ عظیم ان میں ایک بھی لکھنؤ کا محاورہ نہیں ہے۔ گھن گرج اور لنگوٹیا یار البتہ مستعمل ہیں۔

۱۱۔ گھسن پٹی زود کوب

۱۲۔ گھولے میں ڈالنا۔ الجھاؤ میں ڈالنا

۱۳۔ لنگوٹیل یار۔ جس سے عہد طفلی سے یارانہ ہو

(۲) زبان قدیم جواب متروک ہے

۱۔ سن کر۔ لکھنؤ میں میوہ فروش کو کہتے ہیں۔ امانت ؎

گھر سے تو میوہ فروشوں کو اگر دیتا صدا
غیر سن کر کی طرح آواز سن کر بولتے

۲۔ قہاقا۔ بجائے قہقہہ برق

مسکرایا جو نظر آئے دہن غنچوں کے
کبک کی چال جو دیکھی تو قہقہہ مارا

۳۔ کاندھی دے جانا۔ پہلو تہی کرنا۔ ٹال جانا

۴۔ مہرا انا۔ کسی کو طنز کی بات کہنا

یہ دونوں محاورے اب لکھنؤ میں نہیں بولے جاتے

۳۔ وہ محاورے جو دراصل لکھنؤ کی زبان میں نہیں ہیں بلکہ محض رعایت لفظی کے خیال سے بعض جگت باز شعرا ان کو باندھ گئے ہیں

(۱) دھاگا دینا۔ نئی فریب دینا دھوکا دینا۔ رشک ؎

ہے بندوبست حسن خط زلف عارضی
دھاگا نہ دیجئے ہمیں دام و کمند سے

دم دھاگا' یا دم جھانسا البتہ مستعمل ہے۔ رشک نے محض لفظی رعایت کے خیال سے دھاگا نہ دیجئے لکھا ہے شگوفہ دکھانا۔ بلا میں پھنسانا۔ بحر لکھنوی ؎

تخم الفت نے شگوفہ یہ دکھایا مجھ کو
دشت پر خار کے کانٹوں میں لٹایا مجھ کو

لوہا برسنا' کنایہ ہے بہت تلوار چلنے سے (بحر) ؎

بھویں بالوں سے ہیں شمشیر ابری
کہیں عشاق میں لوہا نہ برسے

○ ○

مکتوبات مشاہیر

(نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی والی لہارو تلمیذ رشید مرزا غالب مرحوم کا خط) کیا مہر آور ذیشان ثاقب تنور کوئی حادثہ اندوہ آفریں اور کوئی دنیاوی فکر جان گزا باقی نہیں رہا کہ جو اس برس مجھ پر پرجوڑ کر نہیں گرا شاہین غم و پریشانی کو میں صید جان پرور بن گیا ہوں واقعی سال بلا یعنی سال ۲۳ میرے لئے وہ سال ہے کہ میں عالم بے شورو شر سے جہاں ابتر دفتر میں آیا اب ۴۷ برس باعتبار دورہ شمسی مجھ پر ترکتاز کر رہے ہیں گویا دام بلا ۱۸۸۰ء ادا کر رہا ہوں اس لئے سال اسی میں میرا جائزہ حیات لے رہی ہیں اور باعتبار دورہ قمر میری عمر ۴۹ برس سمجھو' اللہ سخت جانی و بیحیائی کہ ہم پلہ موج ۴۹ ہوں اور دنیا کی بحر سے نہیں گزرتا کیا گرداب اب و گل ہے اور کیا بے غیرت دل ہے تمہاری غمخواری کا تمہارے لطف دور افتادہ نوازی کا سپاس ایسا ہے کہ اگر اور چند روزہ انفاس باقیہ صرف درہن شکر کروں تو ادا نہ ہوں عمر جاوید اور تازگی امید نصیب ہو میں نے اپنے کوائف اعتلال اور اپنی اغراض اور استغنائی طبیعت کو اشغال سے حضور نواب لفٹنٹ بہادر پر ظاہر کیا تھا اور چاہا تھا کہ کنارہ کش یہاں کی کن مکن سے اور دور اجانب و اقارب کے انجمن سے ہو جاؤں اور مالک حقیقی کا نام لے کر حرف غلط کی مانند صفحہ روزگار سے اٹھ جاؤں مگر التماس مقبول نہ ہوا اور یوں فرمایا کہ میعاد جس حبس دوام سے اور تار نفس نا گسیختہ تاباقی ہے' لوہار و متام ہے مجبور معذور اب ارادہ ہے کہ جنوری دسمبر میں جب دائرہ دولت نواب لفٹنٹ گورنر بہادر حصار کو آوے گا اگر میں زندہ رہا تو ہاتھ پاؤں ماروں گا جان یہاں سے چھوڑ آؤں گا یہاں کا پانی قابض ہے بالطبع اگر بدل جائے اور میرے شہر کا پانی نصیب ہو تو شکایت معدہ و معاز ہے۔ ڈاکٹر صاحب آگرہ کمند لال کامل سہی مگر میں عادی نہیں تاطبیب عربی خوان نہ ہو تا وضع و قدیم رسم پر علاج نہ جانتا ہو میں رجوع نہیں کر سکتا میرے لئے وہی حدو رسم مقرر ہے جو شرفائے بانسل مغل کے لئے مقرر تھے ہاں تم اگر کبھی قدم رنجہ کرو اور میری مسرت بن کر لوہارو کی رونق ہو کر آجاؤ تو احسان ہے مجھ کو زیادہ تر وجہ پریشانی یہ ہے کہ دربار پنجاب سے میں معاف ہوا تھا بوجہ علالت مگر فرخ مرزا کو بلایا ہے۔ فرخ مرزا کا مجھ سے دور ہونا میرے لئے مرگ کے اسباب میں ہی نہیں کہہ سکتا کہ کیا میرے قلب کا حال ہے

قدر بابا آن زماں دانی کہ خود بابا شوی

ان کا عزم روز جمعہ اور میں آج ہی سے نیم جان ہوں فرخ مرزا نے عبارت خط دیکھی کہتا ہے کہ آمیہ سری اور سراسیمگی مانع رقم وقلم ہے ورنہ سپاس و سلام ضرور لکھتا خیریار باقی و صحبت باقی فقط ۱۶ر اکتوبر ۸۰ء

جناب مولوی محمد محسن صاحب محسن کاکوروی کا والا نامہ

برخوردار سعادت آثار عرفان دستگاہ سلمہ اللہ

دعوات ترقی عمر و دولت و عزت و علم و عمل کے ساتھ واضح ہو کہ میری طبیعت بوجہ پیرانہ سالی زائد از ہفتاد و پنج و بیماری وجع مفاصل و ورم دست و پا کے ہر وقت مضمحل اور افسردہ رہتی ہے اور شاعری اور مشق سخن خواب فراموش ہیں ایسی حالت میں قصیدہ خندان واشتن جو پہنچا تو گویا جان پڑ گئی بہت دنوں کے بعد عرفی وہ خاقانی کے ہم مثل کا کلام دیکھ کر جان آگئی۔ مجھ کو حیرت ہوئی کہ یہ زبان تم نے کہاں سے پائی اور دماغ عارفانہ کہاں حاصل ہوا بار بار اس کے سننے سے میرے بدن میں جان تازہ آگئی اور ہر وقت اس کی قوت سے وجد کرنے کو جی چاہا۔ واللہ بہت ہی اچھا قصیدہ ہے اور نہایت عمدہ مضامین اور عبارت مسلسل ہے پر شعر پر صاد صلی علی لکھنا چاہئے اور کوئی نقص کسی مصرعہ میں نہیں معلوم ہوا جو میں درست تو کیا کرتا مگر لکھ بھیجتا اور خط کی عبارت زیادہ تر معجز ہے۔ وہ قصیدہ میں نے رکھ لیا ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کو سن کر مزہ اٹھاؤں اور نظم و نثر چھپے تو ضرور بھیج دیجئے۔

دوسرے خط برخوردار نورالحسن میں تم نے سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ معاذ اللہ ایسا ہرگز قصد نہ کیجیو جو لکھو گے جھوٹ ہوگا وکالت جو پیشہ روپیہ حاصل کرنیکا بذریعہ قوانین انگریزی..... تقریر و تحریر فریب آمیز کی ہے کچھ شرف نہیں ہے جو یادگار ہو اور علوم دینی اور تصوف سے بھلا مجھ کو کیا واسطہ اور عاشقانہ شاعری بھلا میں کب کرتا تھا جس کو ترک کر کے نعت گوئی اختیار کی اب میرا ہاتھ نہیں چل سکتا جو لکھوں۔ آخر کو یہ نصیحت ہے کہ تم زیادہ تر شاعری عربی و فارسی میں مصروف نہ رہو اگر خاقانی اور سعدی ہوئے تو اس زمانہ میں قدردان کون ہے اور دنیا کا اطمینان جو تجارت یا نوکری سے یا زمینداری سے ہے اس سے کیا حاصل ہوگا آپ ہی لکھو اور آپ ہی پڑھو اور آپ ہی خوش ہو۔ ہاں باطن کی طرف جو توجہ ہے وہ ٹھیک ہے مگر یہ لکھو کہ فکر معاش تم نے کیا کی ہے اور کیا نوکری ہے اور علاقہ کا کیا حال ہے بندوبست ہوا یا نہیں۔ عمرت دراز و بخت و مساز

محمد محسن ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۲۰ ہجری

جناب منشی امیر احمد۔ امیر مینائی لکھنوی مرحوم کا عالی نامہ

فقیر نواز کہوں یا امیر نواز کہوں۔ امیر نواز کہنے میں آپ کی ترقی مراتب تو ہے مگر اپنی نسبت امارت کی اضافت خود نمائی ہے اور وہ بھی جھوٹی خود نمائی اس لئے کہ برائے نام امیر ہوں اور در حقیقت فقیر ہوں وہ بھی بمعنی لغوی یعنی محتاج محض نہ باعتبار اصطلاح تصوف کہ وہ فقیری ہر امیری پر ترجیح رکھتی ہے ؎ گدا پادشاہ است، و نامش گدا است

بہر کیف فقیر نواز و امیر نواز اس جگہ دونوں یکساں ہیں، لکھنا کیا تھا، قلم بہک کر کدھر نکل گیا معاف کیجئے اور مطالب کا جواب لیجئے کہ عنایت نامہ آیا منت پذیر فرمایا اپنی کیفیت ابتدائے سن شعور سے ابتک کی جو کچھ آپ نے لکھی وہ سب مکرر مینے پڑھی اور آپ کی بے تکلف عبارت کے مزے لوٹے حقیقت یہ ہے کہ لڑکپن سے جوانی تک اس انسان ضعیف النبیان کو عجب عجب کیفیات میں بسر کرنا ہوتا ہے طبیعت تو آزادی چاہتی ہے اور مربی مقید کرتی ہے مگر ایک تیسری منزل آتی ہے جس کو بڑھاپا کہتے ہیں بھائی وہ بڑی کڑی منزل ہے جو لوگ اس منزل میں داخل ہو چکے ہیں وہاں کے مصائب وہی جانیں اللہ آپ کی عمر میں ایسی برکت دے میرے اس مطلع کی مصداق ہو جائے۔

باقی نہ کوئی دل میں الٰہی ہوس رہی　　بارہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہی

اور بڑھاپا بھی اللہ آسایش سے بسر کر دے ہم لوگوں کی طرح ایڑیاں نہ رگڑیں۔ ایڑیاں رگڑنے کی توضیح اگر لکھوں تو آپ کا وقت عزیز ضائع کروں اور یقین تو آئے نہیں اسلئے کہ اس منزل مقصود پر ابھی پہنچے ہی نہیں لہذا اس افسانے کو چھوڑتا ہوں اور ضروری مطالب لکھتا ہوں کہ مسدسات مطلوبہ کا پمفلٹ بھیجدیا۔ ہدایات متعلقہ شاعری جو آپ مجھ سے پوچھتے ہیں ماخو نشین گم ایم کرار ہبری کنیم

ایک عمر گزر گئی مگر آج تک وہ باتیں پیش آتی ہیں کہ خود تحیر رہتا ہے آپ ذہن اور جوہر قابل کیر اسطے کچھ ہدایت نامہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ماشاءاللہ فکر رسا ہے جو قسم شعر کہے ابتداء میں کسی استاد سے اصلاح لیجئے اسکے محود اثبات سے چند روز میں خود راہ راست پر آجائیگا لغزش جاتی رہے گی۔ رہا منزل مقصود پر پہنچ جانا یہ بہت مشکل ہے اسباب سب فراہم ہوں تب بھی ؎ عمرے باید کہ یاد آید بکنار

عروض عربی کے رسائل بہت ہیں بعضے چھپ بھی گئے ہیں معیار الاشعار محقق نصیر الدین طوسی جامع عروضی عربی و فارسی ہے اور اگر عروض عربی زبان عربی میں مقصود ہو تو شرح قصیدہ خرزجیہ دیکھئے اور مولوی محمد سعد اللہ صاحب مرحوم نے عروض با قافیہ ایک متن معہ شرح لکھا ہے وہ چھپ گیا ہے۔ وہاں نہ ملے تو میں تلاش کر کے بھیج دوں گا زیادہ کیا لکھوں۔ راقم آثم۔ امیر فقیر عفی عنہ۔ ۳ مارچ ۱۸۸۳ء

انتخاب اُردوی معلےّ

حصہ پنجم

مشتمل بر غزلیات متفرق

غزل جناب میر مہدی حسین مجروح دہلوی شاگرد فخر المتاخرین جناب مرزا غالب مرحوم

اغیار کے آیئے دکھادوں گا نشان اور
بس چپ رہو کھلواؤ نہ اب میری زبان اور
دکھلا کے مجھے غیر کے گھر جائیں تو جائیں
اک یہ بھی سہی اتنی مصائب ہیں جہاں اور
خوبی نہیں اس بت کی ان آنکھوں میں سماتی
اللہ مجھے دے کوئی چشم نگراں اور
ہم سے تو وہ سختی ہے اور اعدا سے یہ نرمی
کیا خوب تیرا دل ہے یہاں اور وہاں اور
جز دوریئے رہ منزل مقصود کا اپنے
ڈھونڈا بھی مگر ہم نے پایا نہ نشاں اور
ہے جام تو کیا میکدہ آشام ہوں میکش
ساقی کے ذرا منھ سے نکل جائے کہ ہاں اور
ہے دوسرے بھی زخم اور خواہاں دل بسمل
تلوار کا اک وار لگا دے مری جاں اور
رہتا ہے جو مداح ہر اک ان کی کمر کا
اتراتے ہیں سُن سُن کے اسی دل میں میاں اور
یوں شعر تو کہنا بہت آسان ہے مجروح
پر ہے روش غالب اعجاز بیان اور

غزل جناب حکیم عبدالہادی خان صاحب وفار امپوری

اس طرف عکس ادھر آپ کی رعنائی ہے
آئینہ تختۂ مشق ستم آرائی ہے
جس قدر چھپتے ہو اتنی ہی کھلے جاتے ہو
پردہ شرم بھی اک محشر رسوائی ہے
دیکھتے دیکھتے مٹ جائینگے مٹنے والے
حسن خود بین نے تجلی کی قسم کھائی ہے
اس سے کیا کام وہ رشک مہ و انجم ہی سہی
میں ہوں اور جلوہ داغ شب تنہائی ہے
آرزو کہتے ہیں کس کو یہ وہ پتھر دل تھا
درد غربت نے بھی مشکل سے جگہ پائی ہے
اے ترا نقش قدم مردمک چشم قبول
اے تیری خاک قدم سرمۂ بینائی ہے
اے وفا اب نہ سخن ہے نہ سخن کی عزت
نہ چمن ہے نہ مذاق چمن آرائی ہے
شعر کہتے ہیں کسے کہنے کی فرصت کس کو
ماتم شیفتہ و مومن و صہبائی ہے

غزل حسرت موہانی بر غزل بیدار

روش حسن مراعات چلی جاتی ہے
ہم سے اور ان سے وہی بات چلی جاتی ہے
اُس جفا جو سے بایمائے تمنا ابتک
ہوس لطف و عنایات چلی جاتی ہے
مل ہی جاتے ہیں پشیمانی غم کے اسباب
شوق حرمان کی مدارات چلی جاتی ہے

کچھ رہی تھی ہوس مے سو تغافل سے تیرے
وہ بھی اے پیر خرابات چلی جاتی ہے
ہم سے ظاہر میں وہ ہر چند خفا ہیں لیکن
کوشش پرسش حالات چلی جاتی ہے
دن کو ہم اُن سے بگڑتے ہیں وہ شب کو ہم سے
رسم پابندیٔ اوقات چلی جاتی ہے:
اس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتا
سعیٔ تاویل خیالات چل جاتی ہے
نگہ یار سے پالیتے ہیں دل کی باتیں
شہرت کشف و کرامات چلی جاتی ہو
حیرت حُسن نے مجبور کیا ہے حسرت
وصل جاناں کی یونہیں رات چلی جاتی ہے

غزل جناب شوکت علی خان صاحب "فانی" بی اے
بر طرح مشاہرہ علی گڑھ

زندۂ جاوید فانی نام اپنا ہوگیا
سحر الفت رشک اعجاز مسیحا ہوگیا
نذر دینے لائے تھے ہم جلوہ جاناں کو دل
وہ بھی صرف کشمکش ہائے تماشا ہوگیا
خانہ ویرانی سلامت چاہئے کچھ غم نہیں
یہ بھی سن لینگے کہ اپنا گھر بھی صحرا ہوگیا
پنجہ وحشت میں یارب کیا کوئی ناخن نہیں
درد کہتا ہے کہ دل کا زخم اچھا ہوگیا
زندگی اتنی ہی تھی جینا مقدر میں تنہا
راز عشق یار فانی مفت رُسوا ہوگیا

غزل حسرت موہانی مشتمل بر بیان جفائے بے پروا و مایوسی مجبور

قطعہ اول

توڑ کر عہد کرم نا آشنا ہو جائے
بندہ پرور جایئے اچھا خفا ہو جائے
میرے عذر جرم پر مطلق نہ کیجئے التفات
بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جایئے
خاطر محروم کو کر دیجئے محو الیم
درپے ایذائے جان مبتلا ہو جایئے
راہ میں ملیئے کبھی مجھے تو ازراہ ستم
ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جایئے
گر نگاہ شوق کو محو تماشا دیکھئے
قہر کی نظروں سے مصروف سزا ہو جایئے
میری تحریر ندامت کا نہ دیجئے کچھ جواب
دیکھ لیجئے اور تغافل آشنا ہو جایئے
مجھ سے تنہائی میں گر ملئے تو دیجئے گالیاں
اور بزم غیر میں جان حیا ہو جایئے
ہاں یہی میری وفا سے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اس سے بھی بڑھ کر پھر جفا ہو جایئے
جی میں آتا ہے کہ اُس شوخ تغافل کیش سے
اب نہ ملیئے پھر کبھی اور بے وفا ہو جایئے
دل سے یاد روزگار عاشقی دیجئے نکال
آرزوے شوق سے نا آشنا ہو جایئے
کاوش درد جگر کی لذتوں کو بھول کر
مائل آرام و مشتاق شفا ہو جایئے
ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دل مایوس میں

یعنی آخر بے نیاز مدعا ہو جایئے
بھول کر بھی اس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد
اس قدر بیگانہ عہد وفا ہو جایئے
ہائے ری بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جایئے
چاہتا ہے مجھ کو تو بھولے نہ بھولوں میں تجھے
تیری اس طرز تغافل کے فدا ہو جایئے
کشمکشہائے الم سے اب یہ حسرت جی میں ہے
چٹکے ان جھگڑوں سے مہمان قضا ہو جایئے

غزل حسرت موہانی

اثر تیرے تغافل کا رقیب کامراں تک ہے
وجود رشک یعنی اضطراب بدگماں تک ہے
ابھی دیکھیں نہیں گستاخیاں جوش تمنا کی
تمہاری کم نگاہی التماس بیزباں تک ہے
چمن میں دور فصل گل ہے لیکن وائے محرومی
قیام بلبل مجبور رحم باغباں تک ہے
دل بیتاب کی بیباکیاں انسے یہ کہتی ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپ کی شوخی کہاں تک ہے
مری مجبوریاں مشق جفا سے باز رکھیں گی
ترا شوق ستم ظالم خیال امتحاں تک ہے
سکھہ ویگی ندامت شیوۂ قدروفا ان کو
یہ شان کج ادائی میری جان ناتواں تک ہے
مجھے طوف حرم کی آرزو کیوں ہو۔ گذر میرا
سر کوئے بتاں تک ہے در پیر مغاں تک ہے
وہی جورِ خزاں ہوگا وہی محرومیاں ہونگی
نشاطِ بلبل بیدل بہار بوستاں تک ہے

ہماری داستان بیقراری بھی سنا دیجیو
گذر تیرا تو اے باد صبا ان کے مکاں تک ہے
کہاں سے آئینگی نیرنگیاں ترکیب مومن کی
یہ لطف خوش بیانی حسرت رنگیں ماتک ہے

غزل جناب احمد علی صاحب شوق لکھنوی

ہم نہ مانیں کہ کھلی سُرخی خواب آنکھوں سے
پھوٹ نکلا ہے تیرا رنگ شباب آنکھوں سے
اس سے بڑھ کر وہ کریں بے وہنی کیا ثابت
کچھ کہو منہ سے تو دیتے ہیں جواب آنکھوں سے
شوخی حُسن کو اللہ سلامت رکھے
کہ الٹ دیتی ہے پلکوں کی نقاب آنکھوں سے
دو گھڑی کے لئے وہ آئے تو وہ گھر لوٹے
لے گئے چھین کے دل ینہ سے خواب آنکھوں سے
سنکے دیوانہ ہوا شوق مگر تب کیا ہوا
دیکھ لے تجھ کو جووہ خانہ خراب آنکھوں سے

غزل از جناب محمد علی میاں صاحب خیال شاہ جہانپوری

مقدر میں عشق بتاں لے آکے آئے
ازل سے غم جاوداں لے کے آئے
وہ کہتے ہیں سنکر میری حسرتوں کو
تم آئے کہ اک کارواں لے کے آئے
چلے گا نہ یاں تیرے خنجر کا فقرہ
وہ گو ہاتھ بھر کی زباں لے کے آئے
دل مضطرب دیکھ کر مجھ سے پوچھا
یہ آفت بغل میں کہاں لے کے آئے
کہاں میں خیال اور کہاں کوہے قاتل
بڑی اک مرے مہرباں لے کے آئے

غزل حسرت موہانی

مشاعرہ علی گڑھ کے بعد لوگوں کی ملامت بے جا سے تنگ آکر میں نے ایک غزل لکھی تھی جس میں کچھ درودو لکا اظہار تھا تو اس کے چند اشعار ملاحظہ ناظرین کے لئے حاضر ہیں پوری غزل کا شائع کرنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے۔

گرفتار محبت ہوں اسیر دام محنت ہوں
میں رسوائے جہان آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں
عجب انداز ہے میرے مزاج لا اُبالی کا
نہ ممنوں تمنا ہوں نہ مشتاق مسرت ہوں
مری بیتابیوں کا قول ہے ہم جان تمکیں ہیں
مری افتادگی کہتی ہے تاج فرق عزت ہوں
مرا شوق سخن پروردۂ آغوش حرمان ہے
میں خود شیدائے غم ہوں رفتہ درد محبت ہوں
نہیں ہے قدرداں کوئی تو میں ہوں قدر داں اپنا
تکلف بر طرف بیگانۂ رسم شکایت ہوں
کمال خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے یوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

غزل از جناب احمد علی صاحب شوق لکھنوی

لب کیوں نہ ہوں باتوں میں طرفدار اُنہیں کے
پرور دہ انہیں کے ہیں نمکخوار انہیں کے
اس سے تو ہمیں کاش وہ گھر ہی میں بلا لیں
کہلاتے ہیں یوں بھی پس دیوار اُنہیں کے
روزن کریں نالے مرے تو کیوں وہ خفا ہوں
کمرے ہوئے جاتے ہیں ہوا دار اُنہیں کے
صبر او دل بیمار کہ ظاہر ہیں وہ آنکھیں

اُن سے تو نہ اچھے ہوئے بیمار اُنہیں کے
دل تجھ سے پہرا شوق تو زلفوں ہی کو آ دی
تجھ کو جو یہ بیماری ہے تو سرمار انہیں کے

غزل حسرت موہانی

ترا ناز بھول بیٹھا مری سب نیاز مندی
بغر درد لبربائی پہ یقین دلپسندی
نہ ہے اختیار تجھ پر نہ ہے اعتبار دل پر
تیرے عاشقوں کا دل ہے کوئی رنگ مستمندی
مجھے شکوہ جفا کی نہیں آنے پاتی نوبت
وہ ستم بھی گر کرے ہے تو بہ لطف ہوشمندی
تیری بزم ناز ظالم ہے عجب طلسم حیرت
کہ جہاں ہے میرے دل کو سر خدمت سپندی
غم آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی میرے شوق کی بلندی

غزل۔ازیادگار مومن وجناب منشی امیر اللہ تسلیم مد ظلہم

نکالینگے نیا رستہ جنون قسہ سامان میں
کرینگے رخنہ سر ٹکراکے ہم دیوار زنداں میں
دم طفلی سے میں ہوں آشنائے مرگ دوراں میں
فلک نے مجھ کو پالا دامن شمشیر عریاں میں
بنی بے تیرے یہ دم پر کہ میں پچھلے پہر آخر
اجل کو ڈھونڈنے نکلا شب تاریک ہجراں میں
نظر کر اے ستمگر ربط باہم اس کو کہتے ہیں
کہ پیکاں دل میں ہے دل ناز برداری پیکاں میں
شہیدان محبت کا نرالا سب سے کعبہ ہے

جھکائے سر ہیں محراب خم شمشیر عریاں میں
چلو گھر خاک بھی ڈالو حنا کا خون ہوتا ہے
کفِ افسوس ملتے ہو کھرے گنج شہیداں میں
حسینوں سے بگڑنا اور دل کو داغ دیتا ہے
بہت روئی زلیخا بھیج کر یوسف کو زنداں میں
ڈراتا کیوں ہے اسے تسلیم واعظ مجھ کو دوزخ سے
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و احساں میں

غزل از شمس العماء جناب مولوی امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی

عدو کا رشک کب ہے ہنگامۂ محشر کے ساماں میں
قیامت ہے نہاں ان کے تبسمائے پنہاں میں
مرے حسن بیاں سے اک جہاں تصویر حیرت ہے
مرقع یار کا ہے جو غزل ہے اپنے دیواں میں
اسی جادو نے ارباب نظر کو مار رکھا ہے
کہ شوخی ہے حیا کے ساتھ ان کی چشم فتاں میں
سبھی گل زیر کف گلشن میں ہیں انصاف کر یارب
غضب ہے رند خالی ہاتھ ہوں فصل بہاراں میں
کیا کیوں ذکر اس کے دشنۂ خونریز مژگاں کا
چبو یا تو نے نشتر چار گر میری رگ جاں میں
اسی سے پائی ہے شیرازہ کونین نے بندش
دو عالم کی ہے جمعیت تری زلف پریشاں میں
خزاں صیاد گلچیں باغباں سب ہی کا کھٹکا ہے
عبث بلبل نے طرح آشیاں ڈالی گلستاں میں
ہوئی جاتی ہے یارب پار کیونکر سینہ دولے
درازی یونتو کچھ ایس نہیں اُس بت کی مژگاں میں

ہوا ہے راہ کعبہ میں اثر کا ہمسفر ہی ہے
وہ کافر جس سے سوختے پڑے دین مسلمان میں

غزل حسرت موہانی

گریباں چاک ہیں گلہائے رنگین صحن بستان میں
قیامت کا اثر تھا نالہائے عبد لیباں میں
نگاہ یار بھی کس کس ادا سے لطف کرتی ہے
تغافل ہائے پیدا میں نواز شہائے پنہاں میں
نگاہ شوق کیونکر کامیاب شادمانی ہو
غضب کا رعب ہے اس شوخ کے حسن نگہباں میں
قیامت کا تعلق ہے قیامت کی محبت ہے
مرے زخموں کی گویا جان ہے تیرے نمکداں میں
مجھے معلوم ہے پھر جوش الفت رخنہ ڈالیگا
تیرے عہد تغافل میں مرے پیمان حرماں میں
تمہارے حسن روز افزوں کے جلوئے کیا قیامت ہیں
نگاہ شوق کی بھی جا نہیں ہے چشم حیراں میں
الٰہی خیر میرے عہد ترک میگساری کی
ہجوم شوق میں ہنگامۂ فصل بہاراں میں
اثر کا مصرعہ رنگین پسند طبع حسرت ہے
قیامت ہے نہاں ان کے تبسم ہائے پنہاں میں

غزل از قاضی شمس الضحیٰ صاحب اخگر قاضی پوری

کہلائینگے یہ پائے خونچکاں پھر گل بیابان میں
مزے آئینگے پھر گلچے خار مغیلاں میں
خوش آئے کیا اُسے یا رب تیرا ویرانۂ جنت

رہا ہو مدتوں تک جو بہشت کوئے جاناں میں
حجاب آیا کچھ ایسا کشتگاں وعدہ سے تیرے
چھپی صبح قیامت دامن شہبائے ہجراں میں
وہاں زخم واہیں فرط لذت سے ابھی قاتل
چھڑک دے اور اک چٹکی جو برکت ہو نمک داں میں
جنون عشق ہی اپنا طلسم حیرت افزا ہے
منگالوں چاہوں جب صحرائے وحشت کنج زنداں میں
کہیں ملتی ہے آخگر ناشاد کی تربیت
پریشاں پھر رہی ہے بیکسی گور غریباں میں

غزل۔ طبعزاد جناب سید جلال الدین صاحب توفیق حیدر آباد دکن

اشک رہتے ہیں رواں نالہ ادا ہو کہ نہ ہو
قافلہ راہی منزل ہے درا ہو کہ نہ ہو
تپش قلب کو تحریک نفس سے مطلب
شعلہ زن رہتی ہے یہ آگ ہوا ہو کہ نہ ہو
یہ بھی کیا بزم تماشا ہے کسی کی یارب
دل میں ارمان چلے آتے ہیں جا ہو کہ نہ ہو
چونک اٹھیں یا نہ اٹھیں خواب عدم سے مردے
یوں چلو تم۔ تو کہو۔ حشر بپا ہو کہ نہ ہو
ناتوانی نے جو دی رخصت فریاد تو کیا
نابلب۔ قسمت فریاد۔ رسا ہو کہ نہ ہو
ضبط حائل ہے دم عرض شکایت۔ توفیق
کچھ نکل جائے زباں سے تو گلا ہو کہ نہ ہو

غزل جناب حافظ جلیل حسن صاحب جلیل جانشین امیر مینائی مرحوم

جو تڑپانے کی باتیں نہیں وہ ہیں ان کی چھتوں میں
اثر آئے تو اب آئے کہاں سے مری چتوں میں

کھڑے تربت پہ کس حسرت بھرے دل سے وہ کہتی ہیں
مرے بچپن کیونکر نیند آئی تجھ کو مدفن میں
چمن میں پھول چننا پھول والوں کو مبارک ہو
یہاں بھی اے جنوں پرزے گریباں کے ہیں دامن میں
تمہیں جانو کہاں چھپ چھپ کے تم رات کو جاتے ہو
تمہارے نقش پا کچھ کہہ رہے ہیں کوئے دشمن میں
کبھی روتا ہوا گذرا تھا شاید کوئی دیوانہ
ہزاروں چاک آتے ہیں نظر آتے ہیں صحرا کے دامن میں
گل وہ بلبل ہنسیں بولیں صبا سے بھی ہو سرگوشی
ہمیں سے سب کہتے ہیں ہمیں ہیں خار گلشن میں
پروتے ہو جو تم زنار میں تسبیح کے دانے
جلیل اچھا ہی رشتہ جوڑ دو شیخ و برہمن میں

غزل جناب شمس العماء مولوی امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی

کیونکر نہ ہوتی دل کو اُس دلربا کی خواہش
ناصح ہے سب پہ بالا رب العلا کی خواہش
رہتی ہے تجھ کو اس کی زلف دوتا کی خواہش
خواہش بھی ایسی خواہش اے دل بلا کی خواہش
ظالم وہ کون دل ہے جس میں نہیں بھری ہے
تیرے ستم کی حسرت تیری جفا کی خواہش
اے خالق دو عالم یہ کیا معاملہ ہے
ان کو جفا کی خواہش مجھ کو وفا کی خواہش
پامال جور ہم ہیں باغ جہاں میں ورنہ
تیرے قدم سے نکلی کیا کیا حنا کی خواہش
ہے موت ہی مسیحا ہے درد ہی مداوا
تیرے مریض غم کو کیا ہو شفا کی خواہش

منہ دیکھ کر کسی کا خاموس رہ گیا میں
پہنچی کہاں زباں تک مجھ بیوا کی خواہش
ہم نے اثر سنا ہے اہل رضا کو کہتے
اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش

غزل مرزا ہادی صاحب بی اے پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ

صبر آتا ہے نہ آتا ہے وہیں سے کوئی
ڈھونڈھ لائے تجھے اے موت کہیں سے کوئی
سائلوں کے ہے اب کوئی سزا ہو تجویز
جانتے ہو کہ زمانے گا نہیں سے کوئی
بیخودی میں یہی ہر ایک سے کہہ دیتا ہوں
پوچھے جاکے مرا حال نہیں ہے کوئی
اور تو سب تیری محفل میں جمے بیٹھے ہیں
بار بار اٹھنے کو کہتا ہے ہمیں سے کوئی
خاک میں تو نے ملا یا تھا کہاں مرزا کو
حیف اتنا بھی نہ پوچھے گا زمیں سے کوئی

غزل حسرت موہانی

تھی راحت حیرت کی کس درجہ فراوانی
میں نے غم ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی
اک میں ہوں سو کیا میں ہوں۔ محروم فراغت ہوں
اک دل ہے سو کیا دل ہے۔ مجبور پریشانی
کس درجہ پشیمان ہے تاثیر وفا میری
اُس شوخ پہ آتا ہے الزام پشیمانی
دیکھ اے ستم جانان۔ یہ نقش محبت ہیں
بنتے ہیں بدشواری مٹتے ہیں بآسانی
میں اُس بت بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں
کھینچا نہ کبھی اس نے اندوہ پشیمانی

یاں صبر میں ہے پنہاں کیفیت بیتابی
واں لطف سے پیدا ہے انداز ستم رانی
قائم ہے تیرے دم سے طرز سخن قائم
پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگ غزل خوانی

ہمپایہ قدسی و کلیم ملک الشعرا جناب شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی یاد گار مومن و نسیم دہلوی

وعدہ جو کیا شام کو وقت سحر آیا
اُس ماہ میں خورشید کا عالم نظر آیا
کیا خاک رکھا تھا دل پرسوز نے باقی
جو اور جلانے مجھے داغ جگر آیا
اللہ رہی ہمدردی یاران خرابات
خالی جو ہوا شیشہ دل جام بھر آیا
جیتا ہوں نہیں جینے کی جب تک مجھے امید
مرجاؤنگا بالین پہ مسیحا اگر آیا
اے واعظ مسجد رہ میخانہ بتادے
مستی میں نہیں ہوش کدھر تھا کدھر آیا
اعمال جو پوچھینگے۔ کہونگا دم محشر
خالی زبن گور تھا کچھ خاک بھر آیا
تسلیم بیاباں سے سوئے خانہ پھروں کیا
آیا دل عاشق کی طرح میں جدہر آیا

جناب ضمیر الدین احمد صاحب عرش شاگرد رشید جناب تسلیم از گیا

بے داغ الم۔ دل میں پھپولا نظر آیا
اس تحل میں پھول آنے سے پہلے ثمر آیا
کچھ اور ہی نقشہ عدم آباد کا پایا
اک اور ہی عالم تہ مدفن نظر آیا

اک چھیڑ نکالی وہیں پیکان ستم نے
کچھ دیر کو بھی دل کا جہاں زخم بھر آیا
جی ہی تو ہے اپنا جسے چاہا اُسے چاہا
دل ہی تو ہے ظالم جدھر آیا اُدھر آیا
اب رات نہیں صبح کے آثار میں ظاہر
بیدار ہوائے عرش کے وقت سفر آیا

غزل جناب شمس العلماء مولوی امداد امام صاحب اثر عظیم آبادی

دل یہ کہتا ہے صنم تجھ پر فدا ہو جائے
جان یہ کہتی ہے مرے اللہ کیا ہو جائے
دست قاتل چومیئے صرف دعا ہو جایئے
ساتھ غیروں کے شریک مرحبا ہو جایئے
قید ہستی سے فنا ہو کر رہا ہو جایئے
نکہت گل بن کے گلشن سے ہوا ہو جائے
ہے دل بے آرزو ہونا کمال بندگی
بندۂ بے مدعا ہو کر خدا ہو جایئے
کیجئے معدومی تن سے علاج رنج دل
نیستی سے درد ہستی کی دوا ہو جایئے
تابہ عشق پیہ حشماں میں رویا کیجئے
کشتہ تیغ نگاہ سرمہ سا ہو جائے
انتہائے آرزو اپنی یہی ہے اے اثر
کربلا میں مر کے خاک کربلا ہو جایئے

غزل جناب خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی

محو ہیں اپنی جگہ آسودگان کوئے دوست
آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

زندگی تا چند محراب دعا میں کاٹیے؟
کاش اک دن ذبح کر چھوڑے خم ابروئے دوست
نکلے آتے ہیں زمین سے پھول کس کس رنگ کے
شعبدے دکھلا رہی ہے نرگس جادوے دوست
لاشۂ عریاں عاشق کا کوئی دیکھئے وقار
دیکھئے کب ہو پذیرا ہم گنہگاروں کی عرض
دل دھرے یا تھونکے اوپر ہیں نظر سوئے دوست
ڈھانکتی ہے اٹھ کے کس الفت سے خاک کوے دوست
کس کی قدرت۔ کون سمجھے ان اشاروں کو بھلا
خلوت اسرار دل ہے گوشۂ ابروے دوست
دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلابات عظیم
آسماں بدلا۔ زمیں بدلی نہ بدلی خوے دوست
کس خوشی سے تہنیت دے دے کے یوں کہتا ہے دل
وصل کی شب ہے مبارک دوست کو پہلوئے دوست
شاد اہل شک یونہی شک میں پڑے رہی بیٹھی
ہم انہیں آنکھوں سے اک دن دیکھ لینگے روئے دوست

غزل حسرت موہانی

ہم پر بھی مثل غیر ہیں کیوں مہر بانیاں
اے بدگماں یہ خوب نہیں بدگمانیاں
جرت ہے یادگار زمان جنوں ہنوز
باقی ہیں شوق یار کی اب تک نشانیاں
طاعت گذار ہوں دل حسرت پسند کا
ناکامیاں ہیں میرے لئے کامرانیاں
رنگ بہار باغ ہے مہمان یک نفس
اے والے عبدلیب تیری شادمانیاں

ٹھہرا ہے ضبط شوق پہ آکر معاملہ
اللہ رہے آرزو کی مرے بے زبانیاں
گو ترک آرزو کو زمانہ گذر گیا
لیکن گئیں نہ ہم سے تیری سرگرانیاں
حسرت تیری شگفتہ کلامی پہ آفریں
یاد آگئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

غزل جناب احسن اللہ خان ثاقب رئیس آگرہ

ضدیں جمع ہیں تری چشم سیاہ میں
شوخی بھی ہے حیا بھی ہے ظالم نگاہ میں

یوں خاک میں ملا کے نکر بے نشاں سمجھے
ڈھونڈ گی بیکسی مری ظالم کہاں مجھے
اے مرغ پرشکستہ کوئی لحن و لخراش
تجھ سے سوا عزیز ہے تیری زباں مجھے
ثاقب نہیں رہے خیر کہ تندوخو کے پاس
پھر آج پیچیس مری بے تابیاں مجھے

غزل حسرت موہانی

چہرۂ یار سے نقاب اٹھا
دل سے اک شور اضطراب اٹھا
رات پیر مغاں کی محفل سے
جو اٹھا مست اٹھا خراب اٹھا
ناز بے جا اٹھائے تھے اُن کے
اے دل اب ناز اضطراب اٹھا
ہم تھے بے باک اور وہ محجوب
شب غرض لطف بے حساب اٹھا
تھے اسی پر بناہ کے دعوے

سر تو اے شوخ بے حجاب اٹھا
مے کشوں سے نہ محتسب کی چلی
آخر کار لاجواب اٹھا
اُس قیامت خرام کو یوں چھیڑ
حشر اے جوش اضطراب اٹھا
مست صہبائے شوق ہے حسرت
ہمنشیں ساغر شراب اٹھا

غزل جناب شیخ امیر اللہ صاحب تسلیم لکھنوی چراغ خاندان مومن و نسیم دہلوی

بالہ بے چھیڑے ہوئے غیر کے پیدا نہ ہوا
میں لب نے کی طرح آپ سے گویا نہ ہوا
صفت اشک چکیدہ یہ فلک نے کھویا
کہ دم حشر بھی کوئی مرا جویا نہ ہوا
عمر بھر رشک عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال
وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہ ہوا
خشک آنسو نہ ہوئے طعنۂ اعدا سن کر
خاک اڑانے سے بیاباں کبھی دریا نہ ہوا
مثل شمع نہ فانوس وہاجلوہ فگن
اس نے پردہ بھی کیا ہم سے پردہ نہ ہوا
کیا کہوں مرتے ہیں کس بات پہ دنیا والے
اے اجل مجھ کو تو جینا بھی گوارا نہ ہوا
کامل راہ طلب قید سے دیکھئے آزاد
موج سے سلسلہ برپا کبھی دریا نہ ہوا
تھی وہ تصویر خیالی کہ سوا مٹنے کے
مفت بھی کوئی خریدار ہمارا نہ ہوا

ظلمت دل ہے وہی لاکہہ جلایا غم نے
پھونک دینے سے بھی اس گھر میں اُجالا نہ ہوا
کیا کہوں چھوٹ کے میں اس گل تر سے تسلیم
صورت نکہت برباد کہیں کا نہ ہوا

جناب ضمیر الدین احمد صاحب عرش۔ گیا مصنف حیات تسلیم شاگرد جناب تسلیم لکھنوی

خوب برہم کیا ہے کام مرا
بے خودی اب تو لے سلام مرا
کام میرا کیا تمام آخر
آہ وہ عشق ناتمام مرا
صورت شمع جل بجھا آخر
دیکھ کہ انجام و اختتام مرا
ہجر کی شب ہے اور کون اپنا
دوست ہے اک چراغ شام مرا
عرش کیونکر نہ قدر قیس کروں
عاشقی میں وہ ہے امام مرا

غزل حسرت موہانی

کسی عنوان صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو
الٰہی کیا کروں اس خاطر محو تمنا کو
نہ تھی واقف جو میرے اشتیاق نے نہایت سے
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اُس نگاہ بھی محایا کو
وہ خواب ناز میں تھی اور نہ تھی۔ اے شوق پابوسی
نہ سمجھی پستی ہمت تری اس لطف ایما کو
تمہیں بھی یاد ہوگا وہ زمانہ عیش ماضی کا
تمنا چاہتی ہے پھر اسی لطف شناسا کو

بھر آئے اشک دور اُفتا دگان بزم ساقی کی
مئے رنگین سے خالی دیکھ کر آغوش مینا کو
نگاہ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی ظالم
ترے ظلم نمایاں نے تیرے حسن خودآرا کو
عیاں سب حال ہوجاتا ہماری بے قراری کا
وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنی نازکیتا کو
چھپائے سے کہیں آثار چھپتے ہیں محبت کے
نہ دو الزام میرے اضطراب آشکارا کو
گذاری عمر شغل عاشقی میں مرحبا حسرت
نہ پاس آنے دیا غم ہائے بے پایان دنیا کو

سُن چکے شکوے ملال خاطر ناشاد کے
ہم کہ خوگر ہیں سپاس لذت بیدار کے
اک ذرا اس شوخ کی محشر خرامی دیکھیو
دل میں ہنگامے بپا ہیں شورش فریاد کے
دیکھ کر عالم مری حیرانی خاموش کا
اُڑگئے ہوش ان کی تمکین ستم ایجاد کے
ضبط راز عشق نے رخصت ندی فریاد کو
آکے لب تک رہ گئے شکوے تیری بیداد کے
تگ نام شوق تھی پابندے سودوزیاں
لاابالی مشغلے ہیں عاشق آزاد کے
رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے صرصر بیداد میں
رنگ ہیں بوے وفا میں نکہت برباد کے
مرحبا حسرت نباہا خوب انداز نسیم
لطف ہر ہر شعر میں ہیں بندش اُستاد کے

جناب حسن مرتضیٰ صاحب شفق عماد پوری شاگرد حضرت امیر مینائی مغفور

ہوتے ہوئے کم بس اتنی رسم اُلفت رہی گئی
ان سے ہم سے دور کی صاحب سلامت رہ گئی
آرزوئیں مٹگئیں دل مٹ گیا ہم مٹ گئے
مرمٹونکی یادگار اک اسکی حسرت رہ گئی
اُس کے جلوے کی زمانے بھر میں پھیلی روشنی
ہائے اک میرے سیہ خانے میں ظلمت رہ گئی
جب اُٹھے وہ فتنے اُٹھ اُٹھ کر قدم لینے لگے
جب چلے وہ ٹھوکریں کھا کر قیامت رہ گئی
شیشہ مے گر کے ٹوٹا خیر گذری محتسب
تھی بہت نازک تری توبہ سلامت رہ گئی
قدر پوچھے داغ حسرت کی مرے دل سے کوئی
اک نشانی آتش غم کی امانت رہ گئی
بیکسوں کی قبر پر آنسو بہانے کے لئے
اور تو کوئی نہیں اک شمع تربت رہ گئی
صورت برگ حنا پیا شفق کا دل تو کیا
دیکھ ہاتھوں میں ترے او شوخ رنگت رہ گئی

غزل حسرت موہانی

ہجوم بیکسی کو وجہ لطف بیکراں پایا
کہ ہم نے آج اس نا مہرباں کو مہرباں پایا
مگر تھا رنگ بزم یار میں نیز نگ عالم کا
کسیکو سرنگوں میں دیکھا کسیکو شادماں پایا
تم سمجھے ہوئے تھے ہم تیری بے اعتنائی کا

مگر جب غور سے دیکھا تو اک لطف نہاں پایا
کسے فرصت تمہاری جستجو کے شوق بے حد سے
ابھی ہم نے کہاں ڈھونڈیا ابھی ہم نے کہاں پایا
نہ سمجھا بانٹے جو رو جفا اُس شوخ کو کوئی
کہ ہم نے جس کو پایا شکوہ سنج آسمان پایا
نہ پاسکتے کبھی پابند رہ کر قید ہستی میں
سو ہم نے بے نشاں ہو کر تجھے او بے نشاں پایا
حقیقت نالۂ دل سے کھلی غم ہائے پنہاں کی
سنا شور جرس جس نے۔ نشان کارواں پایا
ہنسی عبرت بہت جب رنگ گل کی بے ثباتی نے
چمن میں عندلیب سا وہ دل کو شادمان پایا
نہ جائے کوئی میری وضع رسوا پر کہ اے حسرت
کمال عاشقی نے مجھ کو یکتائے زماں پایا

از خان بہادر جناب مولانا سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی

صورت یار سے مقصود ہے قدرت اس کی
ذہن تنگ ہے کیا چیز حقیقت اس کی
چشم و لب سے ہے قضا و قدر و حکم مراد
یہ بھی اک طرح کی گویا ہے مشیت اُس کی
مے سے عرفان کہیں مقصود کہیں عشق مراد
مطلب اس بزم سے بزم مئے وحدت اس کی
ساقی بزم علیؑ پیر مغاں پیغمبرؐ
میکشی یہاں کی ہے گویا کہ اطاعت اس کی
مدعا موت سے اکثر ہے وصال محبوب
زندگی سے کہیں مطلوب ہے فرقت اس کی
شاد اشعار میں جس شخص نے رکھی یہ مراد
کاش لگ جائے ٹھکانے کہیں محنت اس کی

غزل از ابوالکمال سید محمد علی صاحب امید امیٹھوی از لکھنؤ

بھرے ہیں پائے رنگین بر سر خون تمنا سے
بگڑ آئے ہو کس ناکام کی بزم تماشا سے

ہوا ہوں اک بت کفر آشنا کا بندۂ الفت
بجے ہیں گوش ایماں حلقۂ زلف چلیپا سے

برا ہونا امیدی کا کہ دل آخر لہو ہو کر
برنگ اشک حسرت گر پڑا چشم تمنا سے

گلہ کرتی ہے دیکھو غیر کی افسردہ طبعی کا
نگاہ گرم کیا کہتی ہے چشم فتنہ آرا سے

ہوا جاتا ہوں صرف ذوق آخر کچھ تو نسبت ہے
دل حسرت زدہ کو میرے اُردوی معلیٰ سے

الگ بیگانہ وش وہ دیکھے امید بیٹھائے
میری جاں چشم بددور آپ کی بزم تماشا سے

غزل حسرت بر طرح مشاعرہ مارہرہ

مینوشیوں میں بے خبر دو جہاں رہے
ہم خوش رہے کہ بندۂ پیر مغاں رہے

اس بدگماں کو ترک وفا کی گماں رہے
محروم ہم کہ مائل ضبط فغاں رہے

اے والے آرزوے عنا دل کی سادگی
ممکن نہیں کہ جلوۂ گل جاوداں رہے

یارب ہمارے بعد بھی بزم شراب میں
ساقی کے دم سے دور مئے ارغواں رہے

یہ مقتضائے رابطہ حسن و عشق تھا
ہم بدگماں ادھر وہ ادہر بدگماں رہے

ہنگامہ بہار کا دیکھا کبھی نہ رنگ

ہم نے کہ مبتلائے بلائے خزاں رہے
رنج شب فراق کی مٹ جائیں سختیاں
یونہیں اگر خیال ترا مہرباں رہے
محرومی وفا سے نہ آیا یقین لطف
وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے
اُن سے شب وصال بھی کہہ کر نہ ہم ملے
تا صبح شکوہائے جفا درمیاں رہے
دلچسپ کس قدر تھا مرا قصہ وفا
جب تک ہوا بیان وہ محوبیاں رہے
رہنا تھا ان کا ہوکے رہے جو عزیز خلق
ہم کیا رہے کہ طبع جہاں پر گراں رہے
خاموشیوں پہ میری کہ حیرت نصیب تھیں
اس پر جفا کو صبر و سکون کے گماں رہے
حسرت رواروی میں بھی اتنا رہے لحاظ
اشعار میں نسم کا رنگ بیاں رہے

نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی

گر ہو سلوک باہم انسان گر کے بھولے
احسان کا مزہ ہے احسان کر کے بھولے
نشتر سے کم نہیں ہے کچھ چھیڑ آرزو کی
عاشق مزاج کیونکر ارمان کر کے بھولے
وعدہ کیا پھر اس نے تم نے قسم بھی کھائی
کیا بھول ہے کہ ایسا پیماں کر کے بھولے
وعدے کی شب رہا ہے کیا انتظار مجھ کو
آنے کا وہ یہاں تک سامان کر کے بھولے
یہ بھول بھی ہماری ہے یادگار دیکھو
دل دے کے مفت اپنا نقصان کر کے بھولے

تم سے وفا جو کی ہے ہم سے خطا ہوئی ہے
ایسا قصور کیونکر انسان کر کے بھولے
اب عشق کا صحیفہ یوں دل سے مٹ گیا ہے
جس طرح یاد کوئی قرآن کر کے بھولے
اے داغ اپنا احسان رکھے گا یاد قاتل
وہ اور میری مشکل آسان کر کے بھولے

غزل۔ جناب شمشاد علیخانصاحب سوداگر۔ نانپارہ مخلص بہ فخر

جس گھڑی مقتل کو وہ گنج شہیداں کر چکے
ہنس کے بولے آج ہم لاکھوں پہ احسان کر چکے
سر جھکائے دیر تک وہ سوچ میں بیٹھے رہے
جب بیاں ہم قصہ غمہائے ہجراں کر چکے
حسرتیں نکلیں ہزاروں ہر شگاف زخم سے
تیر اُنکے جب تن بسمل میں پیکاں کر چکے
میری رسوائی پہ روئی خوب غیرت پھوٹ کر
جب مجھے محفل کے باہر اُنکے درباں کر چکے
وائے قسمت حال دلپر مہرباں وہ کب ہوئے
فخر جب ہم عمر ساری حرف ہجراں کر چکے

غزل جناب قاضی عبدالصمد صاحب فصیح شاگرد امیر مرحوم

عدد کے نام پہ وہ ماہ مہرباں نکلا
یہ چاند دیکھ رہے تھے کہاں کہاں نکلا
یہ جوش گریہ میں لخت جگر سے کہتا ہوں
کہ اے عزیز برستے میں تو کہاں نکلا

کسی کا تیر وہ پیاسا تھا خون عاشق کا
کہ تشنگی سے نکالے ہوئے زبان نکلا

خدا کا خوف دلاتا تھا کسقدر واعظ
وہ باپ ماں سے کہیں بڑھ کے مہرباں نکلا

وہ دل میں آنے کو آئے مگر بہت پچھتائے
کہ یہ انہیں کا اجاڑا ہوا مکاں نکلا

گلا وہ کرتے ہیں احسان ماننا کسکا
کہ تمنے دل جو دیا تھا وہ بدگماں نکلا

تمام دیکھ لیئے اپنے دیکھنے والے
فصیح سا بھی رنگیلا کوئی جواں نکلا

غزل جناب مولوی محمد اسمعیل ذبیح چھپرا موی

ہوائے دلکش صوتِ انا کچھ اور کہتی ہے
نوائے نغمۂ قالو بلی کچھ اور کہتی ہے

بہ ظاہر حکمت رب العلیٰ کچھ اور کہتی ہے
مگر باطن میں شان مصطفےٰ کچھ اور کہتی ہے

بٹھائے دیتی ہے جی گرچہ کو تہ دستی قسمت
مگر مجھ سے مری آہ رسا کچھ اور کہتی ہے

لب جاں بخش کے عیسیٰ نفس ہونیکا کیا کہنا
مگر تیغ تبسم کی ادا کچھ اور کہتی ہے

شب فرقت کا قصہ مختصر ہو یا ہو طولانی
یہ تل کچھ اور یہ زلف رسا کچھ اور کہتی ہے

کسی کی موت قبل از وقت تو آتی نہیں ہرگز
مگر اُس کی ادا میری قضا کچھ اور کہتی ہے

اُمنڈ کر زلف کی کالی گھٹا آتی ہے جب رُخپر
تو برقِ خندۂ دنداں نما کچھ اور کہتی ہے

کہا کرتے تھے استادانِ فن میرے لڑکپن میں
ذبیح نکتہ داں کی ابتداء کچھ اور کہتی ہے

غزل از جناب رضا علی صاحب وحشت متوطن کلکتہ

پایہ بہت کیا بلند اُس نے حریم ناز کا
تا نہ پہنچ سکے غبار رہگزر نیاز کا
کوتھی نصیب نے دور رکھا تو کیا ہوا
بندۂ خانہ زاد ہوں اس کے قددراز کا
آہ و فغاں کے ساتھ ساتھ چھاگئی ایک بے خودی
قطع زباں ضرور تھا شمع زباں دراز کا
خاک میں مل گئے ولے آنکھ اٹھی نہ شرم سے
ہم سے ہوا نہ حق ادا اس کی نگاہ ناز کا
مطرب خلاکیا سنائے وحشت خستہ کیا سنے
معتقد قدیم ہے زمزمۂ حجاز کا

غزل از جناب میرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

اشارہ کرتے ہی تسکین ہوگی بے قراروں کی
تری چشم عنایت جان ہے امیدواروں کی
جفائے عشق نے راحت اُڑا دی ساری دنیا سے
زمیں سوبار کانپ اُٹھی تڑپ سے بے قراروں کی
قیامت اک عذاب تازہ ہے خلوت پسندوں کو
اذیت دے گئی اہل قبر کو صحبت ہزاروں کی
ترے دیدار نے محشر میں بھی فتنے کیئے برپا
نگاہیں لڑ رہیں تھیں اک طرف امیدواروں کی
زمانہ اُس کا عاشق اور مرنا بھی ضروری ہے
جگہ نکلے کہاں تک کوئے جانان میں مزاروں کی

یہ کس انداز سے تلوار کھینچی اس ستمگر نے
فدا پہلے ہوئیں اُٹھ اُٹھ کے نظریں جان نثاروں کی
دل بیمار کے مرنے سے ارماں پا گئی فرصت
کشاکش سے ہوئی محشر رہائی غمگساروں کی

غزل از جناب رضا علی صاحب وحشت متوطن کلکتہ

قسمت میں نا امیدی و حسرت ہے کیا کروں
اُس بے وفا سے مجھ کو محبت ہے کیا کروں
کس کو خبر نہیں ہے کہ دیتا ہے وہ فریب
یاں تو فریب کھانے کی عادت ہے کیا کروں
میں بیمروت اُس کو کہوں گا نہ زینہار
یہ اقتضاے رسم مروت ہے کیا کروں
شدت نے صدماسی نہاں کی ستم کیا
تیرے ستم کی لب پہ شکایت سے کیا کروں
ہے خار چشم اب خس و خاشاک آشیان
ہنگامۂ بہار کی رخصت ہے کیا کروں
بگڑے جو اپنی بات تو قسمت ہے کیا بنے
آئے کسی پہ دل تو طبیعت ہے کیا کروں
قائل ہوں خوشکلامی واعظ کا میں وے
پیر مغاں سے مجھ کو عقیدت ہے کیا کروں
ہے اب یہی صلاح کہ چھوڑوں نہ میکدہ
ناصح سے مجھ کو سخت ندامت ہے کیا کروں
وحشت مجھے غلامیٔ دربان قبول ہے
بیتابی فراق سے وحشت ہے کیا کروں

غزل نتیجہ طبع مولوی محمد احسن اللہ خان صاحب ثاقب۔ مدیر قندپارسی

صغیر دلپذ یزم عبدلیباں محبت را
نوائے من رواں درتن و مدارباب الفت را

چہ حسرت تھا کہ ازنا دیدن روئے تو خوں گردو
اگر امروزمے سازند فردائے قیامت را
کدوے در بغل برعتبہ پیر مغاں رفتم
بشارت باوازمن کوچہ گردان ملامت را
زمن گرمی گرفت این انجمن آخر پس از عمرے
شراب از خون دل کر دم و خرابات محبت را
فغاں بی ثاقب من بزم بادہ بزم ماتم شد
بدوش بے خودی آریدآں رنگین طبیعت را

غزل حسرت موہانی

اس نازنین سے ہم کو جتنے گزند پہنچے
سب دلپذیر پہنچے سب دلپسند پہنچے
عالم ہی اب نہیں وہ تفریح بی خلل کا
محفل میں تیری ناحق ہم دوستو نہ پہنچے
دل پر گذر گئی کچھ لب تک جبھی تو آخر
آہیں بھی چند پہنچیں نالے بھی چند پہنچے
بیتابیوں نے آخر دعوائے صبر توڑا
پہنچے لبوں پہ نالے گوبند بند پہنچے
کس کو نہیں تمنا اُس بزم جانفزا کی
نزدیک ہے کہ دل بھی ہو کر سپند پہنچے
باوصف نارسائی تا ملک یاس حسرت
نالے ہمارے پہنچے اور سر بلند پہنچے

پیہم مجھے پیالۂ مے برملا دیا
ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا
اس حیلہ جو نے وصل کی شب ہم سے روٹھ کر
نیرنگ روزگار کا عالم دکھادیا

اللہ ری بہار کی رنگ آفرینیاں
صحن چمن کو تختہ جنت بنا دیا
اب وہ ہجوم شوق کی سرمستیاں کہاں
مایوسی فراق نے دل ہی بجھا دیا
حسرت غزل تو وہ ہے جیسے سن کے سب کہیں
مومن سے اپنے رنگ کو تو نے ملا دیا

غزل جناب شفق عمادپوری رفیع گنج ضلع گیا

آنکھیں نثار دوست ہیں دل ہے دل سے فدا ہے دوست
حاضر ہے جان زار بھی آگے رضائے دوست
نا آشنائے غیر ہوئی اس قدر نگاہ
دشمن کوئی نظر نہیں آتا سوائے دوست
صد چاک کیوں ہے جامۂ گل اے نسیم صبح
اُتری ہوئی یہی تو نہیں ہے قبائے دوست
دشمن کی بھی زباں سے سننے میں لطف ہے
کہنے کو چاہئے جیسے کہے ماجرائے دوست
اُڑ کر برنگ نکہت گل چلتے ہیں شفق
لے جائے اب جدھر کو اُڑا کر ہوائے دوست

غزل جناب قاضی شمس الضحیٰ صاحب اخگر بی۔اے قاضی پوری

رات اک پیر طریقت رونق میخانہ تھا
وجد میں تھے رند میکش دور میں پیمانہ تھا
بے لگائے منہ سے کیوں اس نے جھجک کر کہہ دیا
جنبش گستاخ میں شاید لب پیمانہ تھا
وہ کہاں اگلی سی برساتیں کہاں لطف شراب
ٹل گیا یہ سر سے ہاں اک قرض جو سالانہ تھا
اُٹھتے ہی محفل سے میرے بے تکلف تم نہ ہو

ورنہ سب کے سب یہ سمجھیں گے یہی بیگانہ تھا
کھل گیا آخر معماء زندگی کا بعد مرگ
خواب تھا جو کچھ کہہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

غزل از جناب رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدر آباد

ذہن سے پھول برساتی ہے آہ آتشیں اپنی
فلک بھر لے گا دامن گود بھر لے گی زمیں اپنی
الٰہی جلد آنکھیں بند ہوجائیں تو اچھا ہے
کسی کے دل میں کھٹکے گی نگاہ واپسیں اپنی
تری خاطر سے غیروں کی بھی خاطر داریاں کرتے
طبیعت گر نہ ہوتی اس قدر رشک آفریں اپنی
جنوں میں لُٹ گئے ہم اب تو خالی ہاتھ بیٹھے ہیں
ہوئی پیوند دامان بیاباں آستیں اپنی
سفارش کے لئے کیفی کہیں کیا شرم آتی ہے
خطائیں بخشوائیں گے کسی سے کچھ ہمیں اپنی

غزل جناب مولی ضمیر الدین احمد صاحب رئیس گیا۔ شاگرد رشید حضرت تسلیم لکھنوی مدظلہ

دیکے دم مجھ سخت جان کو تونے بے جان کر دیا
واہ کس خوبی سے اس مشکل کو آسان کر دیا
جسم پر میرے جراحت کی بدل دیں صورتیں
تونے زخموں کو نمک بھر کر نمکداں کر دیا
دل میں بلبل کے محبت بھی اسی نے ڈال دی
جس نے باغ دہر میں گل کو نمایاں کر دیا
کچھ مری مشکل نہیں یونس کی مشکل سے سوا
کیسی کیسی مشکلوں کو تو نے آسان کر دیا
وجد کے لائق سخندانی مگر اس کی ہے عرش
جس نے اپنے فیض سے تجھ کو سخنداں کر دیا

غزل حضرت ظہیر دہلوی

اے راہ رو ملک عدم خواب کہاں تک
دل بستگی عالم اسباب کہاں تک
اے دیدۂ تر بارش خوناب کہاں تک
دامن میں بہار گل شاداب کہاں تک
تاچند جگر کا وئ افغاں غزلبار
دل سوزئ فریاد جگر تاب کہاں تک
تاچند شب افروزی مصباح کواکب
تابندگی کرمک شب تاب کہاں تک
تاچند ہم آغوشی خوباں گل اندام
آسودگئ بستر سنجاب کہاں تک
تاچند نظر بازی و پابندی تقویٰ
ہمسائیگی شعلہ و سیماب کہاں تک
پہنچانتے ہیں جانتے ہیں خوب نظر باز
آخر یہ کرشمے پس جلباب کہاں تک
بیدار ہو بیدار ظہیر قدح آشام
اے تیغیر عزم سفر خواب کہاں تک

جناب مولوی عبدالحی صاحب بیخود۔ بدایوانی

نہاں ہو آنکھ سے دم بھر یہ جلوا ہو نہیں سکتا
مری جاں دیکھنے والے سے پردا ہو نہیں سکتا
وہی ہے زندۂ جاوید جو مر جائے فرقت میں
وہی بیمار اچھا ہے جو اچھا ہو نہیں سکتا
مٹاتے ہو مٹاؤ ہم کو لیکن یہ بھی سُن رکھو
کہ ایسا مٹنے والا مٹ کے پیدا ہو نہیں سکتا
وصال یار تمہید فراق ہر دو عالم ہے
کہ اُس کا ہو کے پھر کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا
وہ میرا اشتیاق ہمکناری وصل میں بے خود
وہ اُس کا ہنس کے یہ کہنا کہ ایسا ہو نہیں سکتا

غزل جناب مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

واہ کیا خوب قدر کی دل کی
نہ سنی تم نے ایک بھی دل کی

ضبط فریاد میں کٹی شب ہجر
شکر ہے بات رہ گئی دل کی

مست ہیں نشۂ جوانی سے
کیا خبر آپ کو کسی دل کی

بڑھتا جاتا ہے طول گیسوئے یار
گھٹتی جاتی ہے زندگی دل کی

وہ زمانہ اب آیا ہے محشر
ہے ہر اک بزم میں ہنسی دل کی

غزل حسرت موہانی

اضطراب عاشقی پھر کار فرما ہوگیا
صبر میرا ناشکیبای سراپا ہوگیا

ساد گل ہائے تمنا کے مزے جاتے رہے
ہو گئے مشتاق ہم اور وہ خود آرا ہوگیا

وائے ناکامی نہ سمجھا کون ہے پیش نظر
میں کہ حسن یار کا محو تماشا ہوگیا

بعد مدت کے ملے تو شرم مجھ سے کس لیئے
تم نئے کچھ ہوگئے یا میں نرالا ہوگیا

نوجوانی تھی کوئی شید انتہا میرے سوا
ایک حسن یار کا وہ بھی زمانہ ہوگیا

شورشیں جاتی رہیں وہ آرزوے وصل کی
رنج دوری مرہم زخم تمنا ہوگیا

سحر وہ کیا تھا نگاہ آشنائے یار میں
جو دل بیمار کے حق میں مسیحا ہوگیا

ضبط سے راز محبت کا چھپانا تھا محال
شوق گر پنہاں ہوا غم آشکارا ہوگیا
ہے زبان لکھنؤ میں رنگ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرت نام روشن شاعری کا ہوگیا

غزلیات حسرت موہانی

یاد میں ساری وہ عیش بافراغت کے مزے
دل ابھی بھولا نہیں آغاز الفت کے مزے
وہ سراپا ناز تھا بیگانہ رسم جفا
اور مجھے حاصل تھی لطف بے نہایت کے مزے
حُسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنی عشق سے
اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے
میری جانب سے نگاہ شوق کی گستاخیاں
یار کی جانب سے آغاز شرارت کے مزے
یاد ہیں وہ حُسن والفت کی نرالی شوخیاں
التماس عذر و تمہید شکایت کے مزے
صحتیں لاکھوں مری بیچارے غم پر نثار
جس میں اٹھے بارہا ان کی عیادت کے مزے

دربیان ادعائے ترک محبت

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترک الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں
نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیت صبا کے افسانے
شراب بے خودی کے مجھ کو ساغر یاد آتے ہیں
رہا کرتے ہیں قید ہوش میں اے وائے ناکافی
وہ دشت خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں
نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترک محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

غزل جناب ظفر رسول پوری (ماخوذ از پنچ بانکے پور)

چلی آرہی ہے دھواں دھار بدلی
مزا دے رہی ہے مزے دار بدلی
تڑھتی ہے رہ رہ کے یہ برق تاباں
کہ چمکاتی پھرتی ہے تلوار بدلی
سر بام کھولے نہ ہوں اُس نے گیسو
جھکی پڑتی ہے سوئے کہسار بدلی
ہوا پر اُڑیں زُلفیں بکھرا کے پریاں
کہ منڈلائی ہے یہ دھواں دھار بدلی
گلابی شلو کا بسنتی دوپٹا
یہ پوشاک تم نے طرحدار بدلی
یہ چالیں ریا کاریوں کی جو آئیں
ظفر تم نے زاہد سے دستار بدلی

غزل حضرت نسیم بھر تپوری

غیر کے گھر میں وہ مہمان بڑی مشکل ہے
جان جانے کے ہیں سامان بڑی مشکل ہے
اور پھر کس سے کہیں حال پریشانی دل
تم تو ہوتے ہو پریشان بڑی مشکل ہے
اُس نے لی جان ہزاروں کی یہ دم دے دے کر
ہم پہ مرنا نہیں آسان بڑی مشکل ہے
وہ اٹھا لیتے ہیں رکھ رکھ کے چھری گردن پر
کام ہوتا نہیں آسان بڑی مشکل ہے
دوستی سہل نہیں اُس بت بدخو سے نسیم
ضد نہ کر! دیکھ کہا مان بڑی مشکل ہے

غزل رضی الدین حسن صاحب کیفی حیدر آبادی

خم سبو ساغر صراحی جام پیمانہ مرا
میرے ساقی جب مرا تو ہے تو میخانہ مرا
بعد مدت کے ہوئی ہے قدر اب کہتی ہیں وہ
آج تک مرا ہی دیوانہ ہے دیوانہ مرا
میں یہ کہتا ہوں پرائی آگ میں گرتا ہے کون
شمع کہتی ہے مگر ایسا ہے پروانہ مرا

غزل جناب مسعود احمد صاحب ضمیر بینائی خلف امیر بینائی مرحوم

واہ اور روئیں سن کر فسانہ کیسی کا
بناوٹ ہے آنسو بہانا کیسی کا
ہم اس چاٹ پر بیٹھے ہیں زخم کھولے
چھڑک دے نمک مسکرانا کسی کا
نہ سرمہ نہ مسی فقط سادگی تھی
مجھے یاد ہے وہ زمانا کسی کا
ہزاروں تھیں باتیں مگر میرے دل کو
رہا یاد اک [illegible] جانا کی کا
ضمیر آپ انسان اپنا ہے دشمن
مخالف نہیں ہے زمانا کسی کا

غزل جناب منشی حبیب النبی خان صاحب صولت متوطن کلکتہ

عشق بازی کا حوصلہ نہ رہا
ہم رہے وہ نہ وہ زمانہ نہ رہا
مدعی ہیں تو مدعا بھی ہے
یہ نہ کہئے کہ مدعا نہ رہا
نعش صولت پہ اس نے رو کے کہا
مشق بیداد میں مزا نہ رہا

غزل از جناب خان بہادر مولوی سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی

زمانہ چاہئے دل کو کہ حاصل ہو نیاز اُس کا
بہت دیر آشنا ہے اے جبین شوق ناز اُس کا
رہے دبستگی غم سے بڑھے سوز و گداز اُس کا
گرہ کھل جائے گی دل کی تو کھل جائیگا راز اُس کا
حدی مجنوں کی تیرے بار خاطر ہو تو ہو لیلی
اٹھالیتے ہیں مزا صحرا نوردان حجاز اُس کا
نہ چھوڑے جستجوئے یار خفر شوق سے کہہ دو
کسی دن خود لگائے گی پتہ عمر دراز اُس کا
کہاں یہ تاب و طاقت ہے کہ ہم قفل ذہن کھلیں
خزانے کی طرح دل میں لئے بیٹھے ہیں راز اُس کا
دل اک محل نشیں کے ساتھ مدت سے ہے آوارہ
پتہ کچھ ڈھونڈھ کر لکھیں مقیمان حجاز اُس کا
اب اس کا ذکر کیا قاصد یہ جو گزری وہ ہو گزری
نہ کہنا اس خبر کو شاد سا دل ہے گداز اس کا

غزل جناب نواب سید محمد رضا صاحب موج عظیم آبادی

اوروں کو دیکھتی نہیں آنکھیں سوائے دوست
نا آشنائے خلق ہے زوو آشنائے دوست
خوش ہوں جو سانس تک بھی نہ لوں بہ رضائے دوست
اے دل ہزار جان گرامی فدائے دوست
گھیرے ہے دل کو الفت بے انتہائے دوست
مجھ کو نہیں تمیز جفاؤ وفائے دوست
خلوت میں شب کو جب اُسے روکا پکارئے
بے اختیار آتی ہے ویسے صدائے دوست
الزام کیا جو آنکھوں نے دیکھا نہ اور کچھ
حق ہے کہ اس جہاں میں تھا کیا سوائے دوست

دیکھا ہے میں نے آنکھوں سے اپنی جمال یار
اکثر سنی ہے کانوں سے اپنی صدائے دوست
شہنا کا حال آج تلک ہوسکا نہ فاش
کم بخت نے کہاں سے اُتاری صدائے دوست
روشن اُس کے فیض قدم سے ہیں مہرو ماہ
ہے طوطیائے چشم فلک خاکپائے دوست
اس کے سوا بساط میں کیا ہے فقیر کی
آئے تو فرش رہ ہیں آنکھیں برائے دوست
اے موج طول ہجر تو کرتا مجھے ہلاک
رکھے ہیں جان آج تلک وعدہ ہائے دوست

غزل جناب مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

ایذائے بے قراری فرقت نہ پوچھئے
سب پوچھئے حضور یہ حالت نہ پوچھئے
نازک مزاج آپ ہیں اور حال غم فزا
انجام کار درد محبت نہ پوچھئے
ایسا نہ ہو بتاؤں تو شرمندہ ہوں حضور
سینے میں دل ہے کسکی امانت نہ پوچھئے
دل اور زباں دونوں سے آپس میں ساز تھا
وجہ بیان طول شکایت نہ پوچھئے
شب بھر جو دیکھے خواب تصویر موت کی
ایسے مریض عشق کی حسرت نہ پوچھئے
جینے کی کچھ خوشی ہے نہ مرنے کا کوئی غم
رازو نیاز اہل محبت نہ پوچھئے
محشر جو مست بادۂ عہد شباب ہیں
اُن کا مزاج ان کی طبیعت نہ پوچھئے

غزل جناب مولوی حکیم عبدالہادی خان صاحب وفاؔ رامپوری

یہ مشق سادگیسائے تمنائے نہاں کب تک
لکھے گا خامہ حسرت تمہیں آرام جاں کب تک
دل افسردہ اور سر گرمی آہ فغاں کب تک
اٹھے گا آتشِ خاموش سے آخر دھواں کب تک
نصب دوستاں یہ مشق مرگ نا گہاں کب تک
چلے گی ہاتھ سے پہلے تری تیغ رواں کب تک
تغافل پر تلوں کا اثر کیونکر نہیں پڑتا
دل ناکام وقف آرزو ہائے نہاں کب تک
ستم اے مرگ بے پروانہ مرتا ہوں و جیتا ہوں
پھرے گی سامنے آنکھوں کے وہ تصویر جاں کب تک
ابھی اے صورت درماندگی تجھ کو بھی مٹنا ہے
رُخ افسوس پر رنگ غبار کارواں کب تک
ہوئی فرصت تو مرگ ناگہاں سے ہم بھی پوچھیں گے
ملے گی خاک میں امید عیش جاوداں کب تک
خبر لو کس کے حُسن پارسا پر حرف آتا ہے
لڑے گی شوق رسوا سے نگاہ پاسباں کب تک
وفاؔ دل بھر گیا اندیشہ ہائے روز افرو سے
زمیں سے آسمان اور آسماں سے لامکاں کب تک

غزل جناب نواب سید محمد رضا صاحب موج عظیم آبادی

اس نے تو کبھی شکل چھپائی ہی نہیں تھی
پر آئینہ دل میں صفائی ہی نہیں تھی

منزل پہ پہنچتے ہی تھکن مٹ گئی اس طرح
جیسے کوئی تکلیف اٹھائی ہی نہیں تھی

اللہ غنی اس نگہ ناز کا عالم
پلٹی تو خدائی کی خدائی ہی نہیں تھی

یہ جام تو آخر کا غضب ڈھا گیا ساقی
ایسی تو کبھی تو نے پلائی ہی نہیں تھی

مژدہ جو سنا وصل کا اے موج مری موت
یوں ٹھہر گئی جیسے ادھر آئی ہی نہیں تھی

غزل (ناتمام)

نہاں شاں تغافل میں ہی رمز امتیاز اس کا
بانداز جفا ہے التفات دلنواز اس کا

نگاہ آرزو تاب نگاہ یار کیا لاتی
اگر حائل نہ ہو جاتا حجاب کار ساز اسکا

غلط ہے شکوہ سنجی میری عشق ناشکیبا کی
بجا کرتا ہے جو کرتا ہے حسن بے نیاز اس کا

چھڑایا دم زدن میں دل کو فکر شادی و غم سے
قیامت پر اثر تھا جلوہ حیرت نواز اس کا

دیار شوق میں ماتم بپا ہے مرگ حسرت کا
وہ وضع پارسا اس کی وہ عشق پاکباز اس کا

غزلیات حضرت سید الشعرا مولانا شاد خان بہادر مدظلہ

ہے ہے مری چشم حیرت کا سب درد دل ان سے کہہ جانا
دانتوں میں دبا کر ہونٹ اپنی، کچھ سوچ کے انکار ہجانا
اف اف وہ ہتھیلی سے ان کا شرما کے چھپانا آنکھوں کو
برچھی کا ادا کی چل جانا اس تیر نگہ کا رہ جانا
ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہئے
منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زبان میں کہہ جانا
سن لیں دل نالاں کی باتیں بے کار بگاڑیں کام اپنا
وہ ظلم کریں یا جور و ستم اے شادر ہمیں تو سہہ جانا

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا

سینے سے چلا نالہ دل تب تار نفس خود ٹوٹ گیا
اک عمر سی تھی تکلیف جسے کل شب کو وہ قیدی چھوٹ گیا
دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا
احوال جوانی پیری میں کیا عرض کروں اک قصہ ہے
وہ طرز گئی وہ وضع گئی، انداز گیا، اسلوب گیا
کیا اس کا سبب میں عرض کروں کچھ واقعی ایسی پیش آئی
میں روتا ہوا آیا تھا یہاں جب یہاں سے گیا مرعوب گیا
طاقت جو گئی اب حیرت سے تصویر کا عالم رہتا ہے
وہ آخر شب کی آہ گئی وہ نعرہ یا محبوب گیا
مشہور مقب سیاد سے تھا عف عف سے اسی کی تنگ تھے
صد شکر جہاں کی محفل سے آخر وہ سگ معیوب گیا

رہے گا ورد زباں آوروں کو نام ترا
سند ہوا فصحا کے لئے کلام ترا
ہوئے خموش لیا جب کسی نے نام ترا
خوش اعتقاد ہیں کرتے ہیں احترام ترا
وہ ولولے نز ہے' وہ صفائیں ذہین
مگر دلوں میں نہیں اندنوں مقام ترا
نہ اضطراب ہے باقی نہ بے قراری ہے
ہمیں تو موت نے پہنچا دیا پیام ترا
تو ہی بتا کہ رسائی ہوشاد کی کیونکر
کمند آہ سے اونچا بہت ہے بام ترا

سراپا یاس ہوتا جا' سراپا در ہو جاتا
جہاں تک بن پڑے اے جسم لاغر زرد ہو جاتا

غفلت میں ہوئی اوقات بسر' اے عمر گریزاں کچھ نہ کیا
جانے کا وہاں کے شوق ہی تھا۔ جانے کا ساماں کچھ نہ کیا
تکلیف کسی کو گر پہنچی تو اس میں تکلیف کیا نکلا
حیراں رکھا گر قاتل کو' تو دیدہ حیراں کچھ نہ کیا
کچھ ضبط نہ اپنے کام آیا بات آ گئی آخر کہنے میں
سب ہم نے کیا جو ہم سے ہوا' پر تمغے میری جاں کچھ نہ کیا
تربت پہ بلائے گا ان کو یہ خام خیالی ہے دل کی
وہ گھر میں کرے گا کیا آ کر جس نے سرمیداں کچھ نہ کیا
اے ننگ جاں اے شاد خریں کچھ شرم بھی اس کی ہے کہ نہیں
اے جہل مرکبائے حیواں' اے بجبر انساں کچھ نہ

ڈھونڈھو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم
میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم
اے شوق پتا کچھ تو ہی بتا' اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
ہم میں ہے دل بیتاب نہاں یا آپ دل بیتاب ہیں ہم
مرغان قفس کو بھولوں نے اے شاد یہ کھلا بھیجا ہے
آ جاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

غزلیات حضرت سید الشعرا مولانا شاد خاں بہادر مدظلہ

کچھ کہے جاتا تھا غرق اپنے ہی افسانے میں تھا
مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا
ہائے پروانے کا وہ جلنا' وہ رونا شمع کا
میں نے روکا ورنہ کیا آنسو نکل آنے میں تھا
دیر تک میں ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھا کیا
چہرہ ساقی نمایاں صاف پیمانے میں تھا
ہنستے ہنستے رو دیا کرتے تھے اکثر قصہ خواں
اک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا
خود غرض دنیا کی حالت قابل نفرت تھی شاد
لطف ملنے کا نہ اپنے میں نہ بیگانے میں تھا

ہے عطا تری ہے کرم تر اوہ ستم کہ جس میں دوام ہو
اگر اس میں کچھ یہی کلام ہو تو بہشت مجھ پہ حرام ہو
جب میں کہتا ہوں گوارا مری ذلت نہ کرو
سر جھکا لیتے ہیں' کہتے ہیں "محبت نہ کرو"
کچھ اس طرح سے چھپائے تھے اپنی مستی شاد
کہ میکدہ میں کسی نے نہ امتیاز کیا

جانے بھی دے محل یہ نہیں کبرو ناز کا
آخر ہے رات وقت ہے راز و نیاز کا
ان کی نگاہ ناز جو پلٹی تو دیکھنا
منہ دیکھتی رہے گی حقیقت مجاز کا
دیکھا تو ہو گا ہم ازل میں ترا جمال
لیکن وہ کوئی وقت نہ تھا امتیاز کا
اللہ رے بلندی بام ثنائے دوست
جھک جھک گیا ہے سر قلم سرفراز کا
غفلت میں زندگی کا زمانہ بسر کروں
خمیازہ میں اٹھاؤں ترے خواب ناز کا
شاید صف فعال میں تھوڑی سی جا ملے
اے شاد ہم بھی رکھتے ہیں دعوا نیاز کا

غزل جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت متوطن کلکتہ عطیہ حضرت ثاقب مدیر قند پارسی

ہے جستجوئے مرگ جواب ہجر یار میں
کیا آگ لگ گئی دل امیدوار میں
مطلب ہے سیر باغ سے افزائش جنوں
ورنہ د ہراہی کیا ہے نسیم بہار میں
تنگ آ گئے تغافل صبر آزما سے ہم
چٹکی ہے کاش دل میں وہ دل بے قرار میں
ہوں گل فروش جلوہ صبح وطن ہنوز
بے لطف کیوں ہو شام غریبی بہار میں
وحشت نہ پوچھ مستی حبیب و جنون دست
وحشت نے گل کھلائے ہیں فصل بہار میں

غزل حضرت سید الشعرا مولانا شاد خان بہادر عظیم آبادی

وہ شوق وصل بڑھاتے ہیں ورنہ فرقت کیا
انہیں کا فیض ہے میں کیا مری محبت کیا

بسی ہوئی ہے امیدوں کی اک نئی دنیا
اسی کی شان ہے اتنے سے دل کی وسعت کیا

تو کیا میں ہی نہیں ان عاشقوں میں اس قابل
مجھی کو سہو کرے گی تری عنایت کیا

مریض غم کو عبث پوچھتے ہیں مجھ سے آپ
گزر چکا ہو جو حالت سے اس کی حالت کیا

کسی سے کیا غرض اپنے سے آپ مطلب ہے
مرے زمانے کی اے شاد آدمیت کیا

غزل حسرت موہانی

میں ہوں مجبور دل ہے سودائی
رخصت اے صبر اے شکیبائی

حسن کو ہے سرخود آرائی
مژدہ اے آرزوئے شیدائی

نظر افروز اہل بینش ہے
تیری پہنائیوں میں پیدائی

متحقق ہے جلوہ رخ یار
متحیر ہے شخص بینائی

ہے وہ رنگین ادابشان وفا
جان محبوبی و دلا رائی

مذہب عاشقی میں ہے اے عقل
بے خودی انتہائے دانا ئی

اثر حسن یار سے آخر
آ گئی عشق میں بھی رعنائی
عشق کامل کے دونوں ہیں مرعوب
سحر وصل وشام تنہائی
بندہ بندگان حضرت عشق
حسرت سرفراز رسوائی

غزل جناب مولوی مخدوم عالم صاحب اثر مارہروی

تم سنو اور برائی مری یوں غیر کرے
ہے اگر یہ ہی عنایت تو خدا خیر کرے

وائے قسمت کہ عیادت کو رقیب آتا ہے
کام جو دوست کے کرنے کا ہو وہ غیر کرے
ہم نہ توڑیں گے کبھی عہد وفا جیتے جی
بے وفائی اسے کرتا ہے تو وہ خیر کرے
مولوی یوں ہیں زمانہ کے مخالف جیسے
رہ کے دریا میں مگر مجھ سے کوئی بیر کرے
اہل دیں سن کے عقاید مرے فرماتی ہیں
اے اثر تیرا خدا خاتمہ بالخیر کرے

غزل حسرت موہانی

برسر ناز وہ ازراہ کرم پہنچا تھا
شب عجب لطف کا سامان بہم پہنچا تھا
شرح بے میری احباب کروں کیا حسرت
رنج ایسا دل مایوس کو کم پہنچتا تھا

غزل جناب منشی سید شبیر حسین صاحب نسیم بھرتپوری

گھر مرے جبکہ وہ مہمان چلے آتے ہیں
دل میں روٹھے ہوئے ارمان چلے آتے ہیں
دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسو ان کے
لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں
مڑ کے دیکھو تو سہی اپنے خریداروں کو
تم پہ ہوتے ہوئے قربان چلے آتے ہیں
چار انگل کا وہ پرچہ نہیں لکھتے مجھ کو
پاس اغیار کے فرمان چلے آتے ہیں
بزم اغیار میں کس شخص نے گستاخی کی
کہ وہ خاموش پشیمان چلے آتے ہیں
کیا بتائیں کہ نسیم آتے ہیں کیوں آپ کے گھر
مفت ہونے کو پشیمان چلے آتے ہیں

غزل جناب ضامن کنتوری

فروغ ماہ تمہاری جبیں سے ہے گلہ مند
چراغ صبح کا مہر مبیں سے ہے گلہ مند
کہاں کٹائے ہیں پر تیغ ناز کے ہوتے
کہ ذوالفقار بھی روح الامیں سے ہے گلہ مند
غم فراق کی ایسی ہوئی ہے لذت گیر
کہ روح رابطہ ماء وطین سے ہے گلہ مند
زبسکہ جرعہ کش جام نامرادی ہوں
مذاق تلخ مرا انگبین سے ہے گلہ مند
رقیب قدر ستمہائے ناز کیا جانے
خدا کی شان وہ تمسے حسین سے ہے گلہ مند

زمیں پہ آنکھ سے ٹپکے نہ خون دل کیونکر
یہ مے شکستگی سا بکس سے ہے گلہ مند
گہن جو مہر کو لگ جائے کیوں نہ ہو اندبیر
ہٹاؤ ہاتھ جبیں آستین سے ہے گلہ مند
چھڑاؤ آ کے کشاکش سے نزع کی للہ
کہ شوق دیدوم واپسیں سے ہے گلہ مند
نہ کھاؤ ٹھوکریں ضامن تلاش مضموں میں
سمند فکر بہت اس زمیں سے ہے گلہ مند

غزل حسرت موہانی

عشق کی روح پاک کو تحفہ غم سے شاد کر
اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر
جان کو محو غم بنا دل کو وفا نہاد کر
بندہ عشق ہے تو یوں قطع رہ مراد کر
غمزدہ دلفریب کو اور بھی جانفزا بنا
پیکر ناز حسن پر رنگ حیا زیاد کر
خرمی دو روزہ کو عشرت جاوداں نہ جان
فکر معاش سے گزر حوصلہ معاد کر

اے کہ نجات ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو
ہمت سربلند سے یاس کا انسداد کر
قول کو زید وعمر کے حد سے سوا اہم نہ جان
روشنی ضمیر میں عقل سے اجتہاد کر
حق سے .عذر مصلحت وقت پہ جو کرے گریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ اس پر نہ اعتماد کر

خدمت اہل جور کو کر نہ قبول نہ زنہار
فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زاد کر
غیر کی جدوجہد پر تکیہ نکر کہ ہے گناہ
کوشش ذات خاص پر ناز کر اعتماد کر

غزل از مولوی محمد احسن اللہ خاں ثاقب مدیر قند پارسی

غم سے شب فراق میں دلبستگی تو ہے
عشاق خستہ حال کا مونس یہی تو ہے
آوارہ وطن کا دیار غریب میں
کوئی اگر نہیں ہے نہ ہو بیکسی تو ہے
گودشت فتنہ خیز ہے گو چرخ حیلہ جو
خضر رہ مراد مری بیخودی تو ہے
ہے جاں گداز و تاب شکن گرچہ سوز ہجر
مرنے کی اپنے روز ہمیں اک خوشی تو ہے
مل جائے گی کبھی نہ کبھی دولت سرور
پیر مغاں سے نسبت رنداں قوی تو ہے
دشت وفا میں کوئی نہیں اسکا ہم قدم
ثاقب کے گو مزاج میں آشفتگی تو ہے

غزل جناب نواب سید محمد رضا صاحب موج عظیم آبادی

تری جستجو میں مٹتے تجھے یوں تلاش کرتے
اسی ایک دہن میں رہتے کبھی یوں بھی کاش کرتے
کوئی پوچھے محتسب سے کبھی کچھ ترس بھی آیا
بھرے شیشے مے کدہ کے تجھے پاش پاش کرتے
کبھی بے نقاب اس کو نہ گزرتے میں نے دیکھا
سر راہ عمر گزری ہمیں بود و باش کرتے

میں صدائے صور سن کر اسی سر زمیں سے اٹھتا
مجھے دفن اسی گلی میں مرے دوست کاش کرتے
وہ ہزار بے خودی تھی پہ مجال کیا تھی ساقی
کہ ہم اور مے کدہ کا کوئی راز فاش کرتے
ہمیں اس کی جستجو کا یہ پڑا ہے موج لپکا
اسے ڈھونڈ بھی جو پاتے تو یہیں تلاش کرتے

غزل جناب محمد احمد صاحب بے خود موہانی

کریں وہ لن ترانی مجھ سے ایسا ہو نہیں سکتا
کبھی ہر طالب دیدار موسیٰ ہو نہیں سکتا
کرم اے خود فراموشی کہ کوئی جلوہ آرا ہے
قیامت ہے کہ میں محو تماشا ہو نہیں سکتا
مری ایذا پرستی مجھ کو یوں تسکین دیتی ہے
کہ تیرا ہو کے وہ ظالم کسی کا ہو نہیں سکتا
سلامت دم ہے جب تک آپ کے حسرت پرستوں کا
ہجوم یاس محروم تمنا ہو نہیں سکتا
کسی کا جلوہ بے تاب بھی پابند محشر ہو
فریب ناز ہے اے شوق ایسا ہو نہیں سکتا
ترے حسن خرد دشمن سے جب اک خالی ہے سب کا
ہجوم حشر میں پھر کوئی رسوا ہو نہیں سکتا
عبث شوق تماشا شکوہ سنج بے نیازی ہے
وہ مست ناز اے بیخود کسی کا ہو نہیں سکتا

رشید جناب سید مصطفےٰ مرزا صاحب عرف پیارے صاحب لکھنوی

نظر میں خانہ صیاد بھی ہے گلشن بھی
کہ ہم کو یاد قفس بھی ہے اور نشیمن بھی

مرے لہو کو ہوس ہے کہ اڑ کے جا پہنچوں
ہوائے شوق میں اڑتا ہے ان کا دامن بھی
ہماری زندگی و موت کی ہو تم رونق
چراغ بزم بھی ہو اور چراغ مدفن بھی
نہ بچ سکیں گے اب اے شہسوار دونوں جہاں
تیرا مزاج بھی بگڑا ہوا ہے تو سن بھی
رشید زلف کی الفت ہوائے معاذ اللہ
نہ اس بلا میں کبھی مبتلا ہو دشمن بھی

صفی۔ جناب مولوی سید علی نقی صاحب لکھنوی

تازہ خون آرزو کا دمبدم اک جوش ہے
دیکھئے خاک شہید ناز کیا گلپوش ہے
اک زمانہ ہی زلیخا کی نگاہوں میں سیاہ
ماہ کنعاں سے جو خالی حلقہ آغوش ہے
دیدنی ہے دور ساغر بھی مگر کیا کیجئے
آنکھ کھولے بزم ساقی میں یہ کس کو ہوش ہے
دیکھ لو تم بھی مزار کشتگان ضبط غم
آنکھ میں آنسو بھرے شمع لحد خاموش ہے
لی تھی انگڑائی خمار بادہ دیدار میں
یہ نہ سمجھے تھے کہ تمہید وداع ہوش ہے
اک ذرا شوخی تو دیکھو حسن جاناں کی صفی
سب کو اک جلوہ دکھا رکھا ہے خود روپوش ہے

غزل حضرت ریاض

ضعف پیری جو بڑھا موت کے پیغام چلے
آ گیا وقت سفر صبح چلے شام چلے

رات دن بزم میں دور مئے گلفام چلے
زور تجھ سے جو مرا گردش ایام چلے
کوئی دیکھے تو کوشی غیر کے گھر جانے کی
شام سے پہلے وہ بن کر شفق شام چلے
کاٹے کٹتی نہیں مجھ مست سے برسات کی رات
میکدے والی ملے آج تو کچھ کام چلے
سنگ بت خانوں سے مے خانوں سے شیشے آئے
طرف کعبہ جو ہم پیرو اسلام چلے
چشم ساغر نے بھی حسرت سے نگاہیں ڈالیں
جب بچائے ہوئے ہم جامہ احرام چلے
جاؤ بھی بیٹھے ہو کیا بزم میں تائب بن کر
اے ریاض آؤ بھی دور مے گلفام چلے

غزل جناب مولوی محمد احسن اللہ خاں ثاقب مدیر قند پارسی

دل پھر اسیر کاکل پر پیچ و خم ہوا
پھر آہ شعلہ ریز ہوئے دیدہ نم ہوا
جس دل کو الفتات مسرت بھی بار تھا
وہ دل رہین کاوش بیداد غم ہوا
اللہ ری فراق کی حرمان نوازیاں
ہر لمحہ اپنی عمر کا صرف الم ہوا
یارائے شکوہ تاب شکایت ہمیں کہاں
جو کچھ ہوا وہ حسن خود آرا سے کم ہوا
شیشے نے بزم شوق میں کیں پردہ داریاں
ساقی کے روبرو سر تسلیم خم ہوا

ثاقب یہ کیا ستم ہے نہیں پاس نام و ننگ
پھر خط شوق جانب جاناں رقم ہوا

ابر۔ حکیم سید علی محسن خانصاحب مالک رسالہ معیار لکھنؤ

میں بھی غم دوست ہوں یہ دل بھی ہے دیوانہ غم
نیند آجائے جو چھیڑے کوئی افسانہ غم
عشق ساقی میں جو پی جاؤں میں جام زہر اب
رعشہ اندام کا ہو لغزش مستانہ غم
دل جو قابو میں نہیں لب پہ ہے آہ پر درد
بے خودی اپنی کہے دیتی ہے افسانہ غم
شمع کی خاک نہ برباد کر اے باد سحر
ذرے ذرے میں نہاں ہے پر پروانہ غم
ان کی تصویر لئے ہاتھ میں یہ کہتا ہوں
تو نے چپ رہ کے بنایا مجھے دیوانہ غم
اس طرف نیند کہ بند آنکھ ہوئی جاتی ہے
اس طرف شوق کو پورا کہوں افسانہ غم
درد دل نیعا جو اے ابر کروں سے حد سے سوا
خامشی میری بنائے مجھے دیوانہ غم

غزل جناب احسن میرزا صاحب شرر لکھنوی

لو قیامت آئی سر پر آفتاب آ ہی گیا
امتحان لینے وہ حسن لاجواب آ ہی گیا
مے پرستوں کی طلب میں بھی ہے کیا حسن قبول
جام اٹھا کر جب دعا مانگی سحاب آ ہی گیا
بزم مے میں دل نے دکھلایا یہ جذب اتصال

کھینچ کے مجھ مایوس تک جام شراب آ ہی گیا
جب اٹھائی آنکھ پردہ بن گئی حد نگاہ
دیکھنا چاہا تجھے جس نے حجاب آ ہی گیا
اے شرر اپنی جوانی موت کی تمہید ہے
دل کا آنا اب رہا باقی شباب آ ہی گیا

غزل حسرت موہانی

خیال یار میں بھی رنگ و بوئے یار پیدا ہے
یہ رنگین ماجرا ہے عشق شیریں کار پیدا ہے
ترے روے دلارا کے تصور کا یہ عالم تھا
کہ چشم شوق میں اک حسن کا گلزار پیدا ہے
مرے اصرار مضطر میں نہاں تھی میری مایوسی
ترے اقرار آساں سے ترا انکار پیدا ہے
طریق عشق جاناں ہے جدا گبرو مسلماں کا
یہیں سے سبحہ و زنار پیدا ہے
نگاہ آرزو گلچیں باغ کامرانی ہے
بشان خواب شکل طالع بیدار پیدا ہے
وفا میری بمشکل بیزبانی آشکارا تھی
ستم تیرا برنگ پرسش اغیار پیدا ہے
نسیم دہلوی کی پیروی آساں نہیں حسرت
تجھی سے ہے کہ یہ نیرنگی گفتار پیدا ہے

صفی۔ جناب مولوی سید علی نقی صاحب لکھنوی

بن پڑی چرخ فتنہ جو تیری
چال چلتی ہیں خوبرو تیری

ضعف میں جان کے برابر تھی
ایک اک بوند اے لہو تیری
دل میں یہ کون شے کھٹکتی ہے
پھانس کوئی کہ آرزو تیری
کلک قدرت نے نقش دل کھینچا
رکھ کے تصویر رو برو تیری
سچے موتی سے کم نہیں ہے صفی
یہ خدا داد آبرو تیری

غزل جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت متوطن کلکتہ

نوائے بلبلاں ہے یا ہوئی ہے لالہ کار آتش
گل آتش غنچہ آتش گلستاں آتش بہار آتش
اگر دریائے اشک آنکھوں سے بہتے بہتے رک
جائے
لگا دی پیکر عشاق میں روئے نگار آتش
ستم کرنا کسی پر باعث اندوہ خاطر ہے
سپند مضطرب کے درد سے ہے بے قرار آتش
نہ پہنچائے طراوت قطرہ شبنم اگر گل کو
گلستاں میں لگا دے تابش رخسار یار آتش
وہ شوخ سنگدل اظہار یاری مجھ سے کرتا ہے
ہوئی پروانہ آتش بجان کی غمگسار آتش
ہمیں بے بیجا ہے وحشت شکوہ اس کی بددماغی کا
کہ ہوں عاشق بہت پیدا نہ ہو گر خوی باز آتش

غزل از مولوی محمد احسن اللہ خان صاحب ثاقب مدیر قند پارسی

حال تباہی دل مضطر نہ پہنچے
بہتر یہی ہے آپ مکدر نہ پہنچے
مہر و وفا کا ذکر یہاں کچھ نہ چھیڑیے
قصہ یہ آپ برسر محشر نہ پہنچے
ہے خار زار عشق یہاں خواب ہے حرام
اس رہگزر میں بالش و بستر نہ پہنچے
جس بزم کے چراغ ہیں یہ اس کو دیکھیے
حیرت طرازی مہ و اختر نہ پہنچے
جاتے ہیں لکھنؤ دل پر آرزو لئے
شوق بقائے حضرت محشر نہ پہنچے
جو دلفریب ہو اسے کیونکر ڈھونڈیے
جو جاں فگیب ہو اسے کیونکر نہ پہنچے
ہنگام ذبح ثاقب آشفتہ حال سے
ذوق روانی دم خنجر نہ پہنچے

غزل حضرت سید الشعرا مولانا شاد خان بہادر مدظلہ

نگاہبان ہیں کچھ ایسے اداؤ ناز ان کے
کہ بچتے جاتے ہیں لغزش سے پاکباز ان کے
تجھی کو نزع میں پوچھا ترے خموشوں نے
اخیر وقت جب آیا چھپے نہ راز ان کے
جنہیں نصیب ہوئی ہے تمہاری ہم بزمی
زمانے بھر میں ہیں مشہور امتیاز ان کے
نظر اٹھانے میں ہوتا ہے باز پرس کا ڈر
جھکائے رہتے ہیں گردن کو سرفراز ان کے

مرے کلام کا جن کو مزا نہیں اے شاد
یقین مان کہ دل ہی نہیں گداز ان کے

غزل جناب مولوی مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

عمر گزری ہے بشغل خانہ ویرانی مجھے
کیا ہوا ہستی سے حاصل جز پشیمانی مجھے
تنگی خلوت سے ہوتا تھا فشار آرزو
راست آئی غنچہ دل کی پریشانی مجھے
ہاں ملالے دشت کو اے وسعت شوق جنوں
ہے بہت کم کاشانے کی ویرانی مجھے
دیکھنا میرا تیری جانب عجب ہنگامہ تھا
کر دیا تو نے تماشا گاہ حیرانی مجھے
بہر تقاضا ہے کہ چلئے بزم جاناں میں عزیز
دیکھئے اب کیا دکھائے دل کی نادانی مجھے

غزل جناب سید علی تقی صاحب صفی لکھنوی

جو دل شکستہ پا ہے پہلے گریز پا تھا
اب پاس ہے تو کیا ہے جب دور تھا تو کیا تھا
مژگاں کے موقلم کی صورتگری جو دیکھی
ہر قطرہ خون دل کا اک نقش مدعا تھا
بیکاری جنوں کا اک یہ بھی مشغلا تھا
ناآزمودہ کاری اپنی ہی تھی وگرنہ
کیوں دوست اس کو سمجھے جو دشمن وفا تھا
تیرنگہ کی تیری اللہ ری کج ادائی
پیوست ہو کے دل میں دیکھا تو پھر جدا تھا

غزل جناب میرزا محمد مشرفیار خانصاحب شرف سب جج ریاست جاورہ

ملو ہم سے بھی دشمن سے بھی ایسا ہو نہیں سکتا
ہماری بندگی ہم سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

یہ دل دشمن ہے دشمن پر بھروسا کر رہا ہوں میں
مگر کہتے ہیں لوگ کہ بھروسا ہو نہیں سکتا

خوشامد پر وہ کہتے ہیں یہ سب مطلب کی باتیں ہیں
یہ مطلب ہے یہاں مطلب کسی کا ہو نہیں سکتا

حیا سے اس نے دونوں ہاتھ یوں آنکھوں پر رکھے ہیں
ہٹا دے کوئی کہہ کر ہم سے پردا ہو نہیں سکتا

یہ درد دل نہیں مٹتا نہیں مٹتا نہیں مٹتا
جو اچھا ہو بھی جاتا ہے تو اچھا ہو نہیں سکتا

یہ وضع عشق مارے ڈالتی ہے ورنہ اے ظالم
وہ جب کیا ہو نہیں سکتا تھا اب کیا ہو نہیں سکتا

بڑا ضدی ہے وہ جس سے پر انہی عشق میں پانا
کوئی کام یشرف حسب تمنا ہو نہیں سکتا

غزل جناب شفق عماد پوری۔ تلمیذ حضرت امیر مینائی

اثر کو ساتھ لئے کامیاب ہو کے پھری
فلک سے میری دعا مستجاب ہو کے پھری

صبا نے غنچوں کے بند نقاب کھولدئے
چمن میں نکہت گل بے حجاب ہو کے پھری

بھر آئی آنکھ جو نرگس کی اشک شبنم سے
میری نگاہ میں چشم پر آب ہو کے پھری

وہ میکسار تھی ساقی نگاہ مست تری
کہ ساری بزم میں جام شراب ہو کے پھری
ہے لاجواب شفق مصرع جناب وحید
پھری جو ان سے طبیعت خراب ہو کے پھری

غزل حضرت ضامن کنتوری

جفا کرتے نہ تھا طالب میں تم سے مہربانی کا
مگر اس بے رخی نے لطف کھویا زندگانی کا
خیال یار گھبرایا ہوا ہے تنگئی دل سے
اس اجڑے گھر میں کچھ سامان نہیں ہے مہمانی کا
بقائی محض تھی پہلے مگر تیری اداؤں نے
سکھایا ہے قضا کو یہ طریقہ جانستانی کا
نہیں زنہار منشائی قناعت پستی ہمت
مگر بے عزتی کیوں ہو وسیلہ کامرانی کا
دو عالم کی بقا کا ہے فنائی عشق سرمایہ
یہ مرنا غازہ ہے روئی حیات جاودانی کا
نظریہ انقلاب آئے سرای دہر میں ضامن
کہ ہے غم کا محل وہ دل جو گھر تھا شادمانی کا

غزل حسرت موہانی

ازبسکہ ناز یار بشکل عتاب تھا
جو کامیاب تھا وہی ناکامیاب تھا
اب آرزوئی شوق کی بیباکیاں کہاں
یعنی وہ سب ملازم عہد شباب تھا
حالت عجیب تھی دل بے اختیار کی

بزم خیالک میں جو وہ بت بے حجاب تھا
اب میں کیا کروں بس یار کے گلے
وہ میں کہ مورد کرم بے حسبا تھا
حیرانی سے حسرت جمال یار دیکھا
تھا پردہ حجاب میں وہ گو بے نقاب تھا

غزل جناب حکیم عبدالہادی خانصاحب وفارامپوری

جس حال میں ہوں وقف تماشا مے ادا ہوں
جس رنگ میں ہوں ماتمی رنگ وفا ہوں
میں حاصل ہنگامہ صد برق فنا ہوں
بربادی امید سے آباد ہوا ہوں
امید اٹھاتی ہے مگر اٹھ نہیں سکتا
تقدیر نے توڑا جسے وہ دست دعا ہوں
یہ پستی اقبال ہے معراج بلندی
میں کون ہوں اور کس کی نگاہوں سے گرا ہوں
فرقت نے نکالے ہیں یہاں وصل کے پہلو
اس لاگ پہ جیتا ہوں کہ میں تم پہ فدا ہوں
پہلے ہی سے محو کشش ناز قلم تھا
سو بار جو بگڑا ہوں تو اک بار بناہوں
آخر کبھی ملتا ہے پتا گوش قدم میں
جو کچھ ہوں وفا ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہوں

حضرت سید الشعر مولانا شاد مدظلہ

یہ دُبھی جئے جب تک جئے جینا اسی کا ہے
پیئے جو سیر ہو کر رات دن پینا اسی کا ہے

تصور اس رخ صافی کا رکھ مدنظر نادان
لگائیے منہ جو آئینے کو آئینا اس کا ہے
بسر ہو میکدہ میں بخشینہ بیٹھ کر جس کا
جو مینوشی میں کر دے صبح آدینا اسی کا ہے
کدورت سے دل اپنا پاک رکھو شاد میری ہے
کہ جس کو منہ دکھانا ہے یہ آئینہ اسی کا ہے

غزل حضرت ضامن کستوری

سود اے زلف ضامن بہر خدا نہ کرنا
سر پر بلا نہ لینا، دل پر جفا نہ کرنا
بے تابی محبت اک شعبہ جنوں ہے
میرے کہے سنے پر تم اعتنا نہ کرنا
رنگ پریدہ رخ تقصیر بے دلی ہے
عرض نیاز الفت اس کے سوا نہ کرنا
جیتے ہیں جینے والے مرتے ہیں مرنے والے
عاشق کے غم میں دیکھو تم زلف وا نہ کرنا
ہاتھوں سے ان کے ضامن چھوٹی عنان تمکین
بس کر چکے جو آہیں ان کے سوا نہ کرنا

غزل حضرت محشر لکھنوی

ہجر کی شب کوئی غمخوار کہاں سے لائیں
چارہ ساز دل بیمار کہاں سے لائیں
وقت پرسش ہو لحاظ بشریت یہی ضرور
ایسی تقدیر ہم کہاں سے لائیں
یاس ہر گام پہ ہے حوصلہ فرسائے تلاش

چارہ سازوں کو اشاروں ہی سے رخصت کرو
اتنی طاقت ترے بیمار کہاں سے لائیں
حسن جویائے مساوات ہے اور عشق کا قول
اتنی ہم گرمی بازار کہاں سے لائیں
لن ترانی کا جواب اور وہ مقبول بھی ہو
ہم یہ خوبی دم گفتار کہاں سے لائیں
بے عیادت کے نہ صبر آئے انہیں اے محشر
وہ برا وقت وہ آزاد کہاں سے لائیں

غزل حسرت موہانی

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیر میں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں
بے زبانی ترجمان شوق بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیش یار کام آتی ہیں تقدیریں کہیں
مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روز گار عیش کی
اب نظر کاہے کو آئیں گی یہ تصویریں کہیں
التفات یار تھا اک خواب آغاز وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابون کی تعبیریں کہیں
تیری بے صبری ہے حسرت خاستگاری کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

جناب سید محمد نذر صاحب، شرف، رئیس سری تمیز حضرت راز لکھنوی

چھائی حیرت جو نقاب رخ زیبا اٹھا
پڑ گیا اور یہ پردا جو وہ پردا اٹھا

دست نازک سے جو شمشیر گلی پر نہ پھری
ہنس کے سینہ سے مرے وہ ستم آرا اٹھا
بے طرح آج وہ بگڑے ہیں خدا خیر کرے
اب کوئی آئی بلا اب کوئی فتنہ اٹھا
پان کھا کر جو ہنسے خون ہوا لاکھوں کا
عطر مل کر جو چلے حشر کا فتنہ اٹھا
تھی یہ امید کہ تربت پہ چڑھائیں گے بھول
فاتحے کو بھی شرف ہاتھ نہ ان کا اٹھا

غزل جناب محمد عبدالحی صاحب بازغ، صیغہ دار دفتر اول تعلقدار، ہمکنڈہ

نہ ہوتی بخت کی برگشتگی جو رہزن شوق
گل امید ہی چنتے، بچھا کے دامن شوق
پیامبر نے خبر دی ہے، ان کے آنے کی
ہمارے سینہ میں پھولا ہوا ہے گلشن شوق
وہ سامنے ہیں، میں کچھ عرض کر نہیں سکتا
لبوں پر آکے خموشی بنی ہے سوزن شوق
لگا کے خنجر ابرو کے وار، تڑپا دو
سر رضا ہے خمیدہ، جھکی ہے گردن شوق
کدھر گئے وہ طبیعت کے ولولے بازغ
شباب میں ارے کمبخت بن نہ دشمن شوق

غزل مرزا راکاظم حسین صاحب محشر لکھنوی

ان کے پہلو سے ہم جو روکے اٹھے
بولی تقدیر خوش تو ہو کے اٹھے

زلف برہم نثار مستی چشم
اس ادا سے وہ آج سو کے اٹھے
ہے ہر اک سے خفا نگاہ ستم
چشم بد دور یوں وہ سو کے اٹھے
اٹھئے دیر و حرم سے حضرت دل
کیا ملے گا جو بات کھو کے اٹھے
تیرے مستوں کو ہوش یوں آیا
جیسے کوئی - - - - - کے اٹھے

غزل حسرت موہانی (پولیٹکل)

رسم جفا کامیاب دیکھئے کب تک رہے
حب وطن مست خواب دیکھئے کب تک رہے
دل پہ رہا مدتوں غلبہ یاس و ہراس
قبضہ حزم وحجاب دیکھئے کب تک رہے
تا بکجا ہوں دراز سلسلۂ فریب
ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھئے کب تک رہے
پردہ اصلاح میں کوشش تخریب کا
خلق خدا پر عذاب دیکھئے کب تک رہے
خدمت باطل میں ہے فرقہ نرم آج کل
حق سے اسے اجتناب دیکھئے کب تک رہے
پال و تلک کا جو ہیں درپے اظہار حق
باغی و مفسد خطاب دیکھئے کب تک رہے
نام سے قانون کے ہوتے ہین کیا کیا ستم
جبر بزیر نقاب دیکھئے کب تک رہے
دولت ہندوستان قبضہ اغیار میں

بے عدد و بے حساب دیکھئے کب تک رہے
خرمے بے خلل دیکھئے کیونکر ملے
کشمکش انقلاب دیکھئے کب تک رہے
ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزم حریفاں کا رنگ
اب یہ شراب و کباب دیکھئے کب تک رہے
حسرت آزاد پر جور غلامان وقت
ازرہ بعض و عتاب دیکھئے کب تک رہے

جناب مولوی حکیم عبدالہادی خانصاحب وفا رامپوری

وہ دماغ اب کہاں ہے کہ مجھے خیال ہوگا
نہ رہا وہ دل ہی ظالم جسے پھر ملال ہوگا
جو فروغ لایزالی بسر کمال ہوگا
نہ یہ صبح و شام ہوگی نہ یہ ماہ و سال ہوگا
صف حشر چھانتی ہے عبث اے ہوائے محشر
اسی کوئے دلنشیں میں دل پامال ہوگا
ہے دماغ جنت آئیں تو بساط وہم رنگیں
وہ کرشمہ باغبان چمن خیال ہوگا
یہ وفا دل حزیں ہے جسے ہم نے خوش نہ دیکھا
یہ نہال وہ نہیں ہے جو کبھی نہال ہوگا

غزل حضرت ضامن کنتوری

خدا تو کہہ نہیں سکتے خدا کی شان عالی ہے
مگر اپنی جگہ وہ بت مثال بے مثالی ہے
تیرے اک گوشہ دامن کا طالب ہے غبار اپنا
نہ ذوق سرفرازی ہے نہ تاب پائمالی ہے
دئے سب کام چھوڑ اب دلفروشی پیشہ کرتی ہیں
تیرے دربار میں آنے کی یہ صورت نکالی ہے

خدا آباد رکھے تیرے میخانے کو اے ساقی
بھرے ہیں سب کے دل لیکن مرا پیمانہ خالی ہے
نہ پوچھو حال ہم سے ضامن آزادہ مشرب کا
نہ مومن ہے نہ کافر ایک زہد لاابالی کا

غزل جناب محشر لکھنوی

زینت میں ہر ایک اپنی ادا دیکھتے رہنا
آنکھوں سے مری شان خدا دیکھتے رہنا
اے دیدہ پرنم تمہیں قاتل کی قسم ہے
خنجر کی روانی کو ذرا دیکھتے رہنا
دل دیدیا بے عذر مگر عرض ہے اتنی
فرصت ہو تو انداز وفا دیکھتے رہنا
تاکید دل و شوق یہ ہے مجھ سے شب وصل
شکوہ نہ بڑھے حد سے سوا دیکھتے رہنا
احباب سے ہے نزع میں اتنی مری خواہش
وہ آتے ہیں پہلے کہ قضا دیکھتے رہنا
محفل میں جو دیکھا مجھے دربانون سے بولے
ہم نے نہ کہا تھا کہ ہمیں دیکھتے رہنا
دل لے کے تم اس بزم میں جاتے تو ہو محشر
کوئی سنگ دل نہ چرا لے تم دیکھتے رہنا

غزل حسرت موہانی

اے گریہ محرومی تو جان محبت ہے
تو جان محبت ہے ایمان محبت ہے
ہر چند کو بے تابی ہے لازمہ محنت
ہم چپ ہیں کہ ایسا ہی فرمان محبت ہے

ہوں دولت و حشمت پر ارباب ہوس نازاں
یاں بے سروسامانی سامان محبت ہے
مجبوری و حیرانی آغاز کی تھیں باتیں
بے خویشی و بے جانی پایان محبت ہے
درخورد شکایت تھی پیدار تری لیکن
منظوری و خاموشی شایان محبت ہے
بے گانہ آرائش مسغنی آسائش
اے بے خبری حسرت حیران محبت ہے

عزیز مرزا محمد ہادی صاحب لکھنوی

سب پچھلی رات صبح کے آثار دیکھ کر
روئے سپیدی رخ بیمار دیکھ کر
لبریز عشق شیشہ دل رہگزر میں ہے
اے مست دور ساغر رفتار دیکھ کر
یاد آ گئیں وہ حسن کی یوسف فروشیاں
ہنگامہ خیز عشق کا بازار دیکھ کر
بے نور ہو چلی ہے نگاہ مریض ہجر
تاروں کے ڈوبتے ہوئے آثار دیکھ کر
حسرت کدہ میں عشق کے سچ ہے بقول میر
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

غزل حسرت موہانی

یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا
باوجود حسن تو آگاہ رعنائی نہ تھا
عشق روز افزوں پہ اپنے مجھ کو حیرانی تھی
جلوہ رنگین پہ تجھ کو ناز یکتائی نہ تھا
دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی
جبکہ تیرا حسن سرگرم خود آرائی نہ تھا

انتخابِ سُخن

جلد ہشتم سلسلۂ آسیر و امیر

مرتبہ: سید فضل الحسن حسرت موہانی بی۔اے

ایڈیٹر اردوئے معلےٰ و روزنامہ مستقل کانپور

انتخاب دیوان آسیر	۲۶۹
انتخاب دیوان دوم آسیر	۳۰۸
انتخاب دیوان سوم آسیر	۳۳۴
انتخاب دیوان امیر مینائی (شاگرد آسیر) حصہ اول	۳۵۵
انتخاب دیوان امیر مینائی حصہ دوم	۳۸۳
انتخاب دیوان جلیل مانک پوری (شاگرد امیر) حصہ اول	۴۴۴
انتخاب دیوان جلیل حصہ دوم	۴۶۲

انتخاب دیوان آسیر

حسن حصین ہے ذکر جناب امیر کا
جوشن ہے نام پاک صغیر و کبیر کا
قول علےؑ حدیث پیمبر سے کم نہیں
فرمان بادشاہ ہے شقہ و زیر کا
کیونکر نہ ہو بلند سلیماں سے مرتبہ
دوش نبی ہے پایہ علی کے سریر کا
اک ناقہ ہے وہاں تو شتر کی یہاں قطار
صالح سے بڑھ کر رتبہ ہے اس کے فقیر کا
نام علیؑ ہو ورد زبان وقت نزع بھی
ہو خاتمہ بخیر الٰہی اسیر کا

ازل سے سلسلہ ہے اس جنون فتنہ سامان کا
شگاف خامہ کن چاک ہو میرے گریباں کا
نہ کھولو منہ نہ کھولو منہ زوال حسن ہے صاحب
خزاں میں بند ہی بہتر ہے دروازہ گلستاں کا
وہ بلبل ہوں کہ میری گھات میں ایسی زمیں پکڑی
کہ نشانہ بن گیا صیاد دیوار گلستان کا
وہ شاہ ملک خوبی کب مری وحشت سے غافل ہے
لگے پرچہ اڑے پرزہ اگر کوئی گریباں کا

وہ روشن دل ہیں دیوانے کہ نکلا ایک ماخذ سے
سپید صبح جنت کا غبار اپنے بیاباں کا
تکلف سے مرا خالی نہیں ہے طرز وحشت بھی
بچھایا فرش گھر میں پھاڑ کر دامن بیاباں کا
عجب فیض نظر ہے ناز سے جب وہ پری دیکھے
کھٹولا آسماں پر تخت بن جائے سلیماں کا
ہوا ہے میکدہ مقتل اسیر اس کی جدائی میں
نہ ہو کیونکر یقین جام مئے پر زخم نداں کا

فکر مضموں سے بلند ایسا ہمارا ہو گیا
عرش اعظم کا یہ موتی گوشوارہ ہو گیا
دل ہمارا تھا حسینوں اب تمہارا ہو گیا
ملک یہ آخر امانی سے اجارہ ہو گیا
کاتب قدرت ہوا بے خود یہ رعب حسن سے
مصرعہ ابرو رقم اس سے دوبارہ ہو گیا
گل ہوا غنچہ جو بوجامہ سے باہر ہو گئی
دل ہوا زخمی اگر راز آشکارہ ہو گیا
فصل گل میں نیت زاہد بھی بدلی میکشو
طاق پر تسبیح رکھ دی استخارہ ہو گیا

ہوں میں زخمی تیغ ابروئے ستم ایجاد کا
چاہئے زخموں کو مرہم بیضہ فولاد کا
ہے نشاط عید نظارہ رخ جلاد کا
ہو رہا ہے زخمیوں میں غل مبارکباد کا

آب و آتش کا ٹھکانا نہ خاک و باد کا
حال ابتر ہو گیا مجموعہ اضداد کا
آنکھ کا حلقہ نہیں ہے دائرہ ہے صیاد کا
ابروئے خمدار خلعت ہے کسی استاد کا
لی ہے جو مہتاب نے خورشید سے تعلیم نور
داغ چہرے پر نشاں ہے صلی استاد کا
قید ہونے کا نہیں غم ہے فقط اتنا الم
جی نہ گھبرائے اندھیرے میں میرے ہمزاد کا
روز و شب ہیں اپنی آنکھوں میں گل رعنا اسیر
دیکھتے ہیں ہم تماشا گلشن ایجاد کا

گناہ غیر مجھے باعث حجاب ہوا
شراب پی جو کسی نے میں آب آب ہوا
وہاں یار کا مضمون نشہ میں سوجھا
چراغ راہ عدم ساغر شراب ہوا
کہاں فلک نے نہ باندھی کمر عداوت پر
چلے سفر کو جو ہم گرم آفتاب ہوا
دیا خدا نے یہ اس مشت خاک کو رتبہ
پھر قدر ہوا آسمان جناب ہوا
کہاں کہاں نہ ہوا میری مرگ سے ماتم
اسیر خانہ زنجیر تک خراب ہوا

دل جلایا ہم نے ترا نام آتش خو ہوا
جان دینے سے ہمارے جان عالم تو ہوا
ہجر میں بھی وصل کا حاصل رہا ہم کو مزہ
یار پہلو سے اٹھا تو درد ہم پہلو ہوا

مہر عالم تاب ہے تو صورت شبنم ہوں میں
پھر کہاں میرا ٹھکانا جلوہ گر جب تو ہوا
واہ کیا چمکا ہے تیرا اختر قسمت اسیر
یار کی انگشتری پائی سلیمانی تو ہوا

شہرہ سرمہ سے ہوا تیغ نگاہ یار کا
ہے مثل سچ باڑھ کاٹے نام ہو تلوار کا
دیکھ کر وہ زلف و قد دیتے ہیں یہ رہروں
حشر تک قائم رہو سایہ علم برادر کا
درد اے قاتل گلے میں بسملوں کے ہے کمال
پی گئے کیا بال پانی میں تری تلوار کا
کیا خبر ہے قید سے میری رہائی کی اسیر
بند دروازہ کئی دن سے ہے جو گلزار کا

یار کو ڈھونڈھ نکالا کہیں لشکر اترا
جب میں اترا اسی خیمہ کے برابر اترا
پا کے کمزور مجھے پاٹ دیا زخموں سے
سارا غصہ میرے قاتل کا مجھی پر اترا
غیر نے ڈال دیا گردن مینا میں جو ہاتھ
میری آنکھوں میں لہو صورت ساغر اترا
کیا شرافت ہے کبھی وضع نہ بدلی میری
پیرہن صورت گل جسم سے پھنکر اترا
کی جو تعریف خط سبز تو بولے وہ اسیر
زہر کا گھونٹ گلے سے ترے کیونکر اترا

چھپ گئے وہ داغ عشق چشم جادو رہ گیا
یاد گار آہو کا نقش پائے آہو رہ گیا
قتل کرتی ہین وہ آنکھیں لعل لب خاموش ہیں
معجزہ جاتا رہا عالم میں جادو رہ گیا
ترک عزت کی تو آیا حسن کا جلوہ نظر
آبرو سے مدعا زائل تو آبرو رہ گیا
مصحفی و میرو سودا سب زمانہ سے گئے
اے اسیر ان شاعروں میں اب فقط تو رہ گیا

نام ہے طور اس پری کے توسن چالاک کا
ہے چراغ طور شعلہ بڑے آتشناک کا
غش سے چونکے اس کے چہرے کا پسینہ سونگھ کر
روغن گل سے ہوا روشن چراغ ادراک کا
بوئے عطر شاہد گل پھر کبھی زائل نہ ہو
رنگ اگر پائے تری اتری ہوئی پوشاک کا
صبح کے مانند وہ آمادہ وحشت ہوں میں
شوق رہتا ہے مجھے دامن سے پہلے چاک کا
میکشی میں وہ فلاطوں مرتبت ہیں ہم اسیر
خم بنا جو گرد باد اٹھا ہماری خاک کا

چلے گا اور مضموں اس کے حسن پاک کا
ہاتھ میں خامہ ہے شہپر طائر ادراک کا
مثل گل دو روز کو آیا ہوں میں اس باغ میں
خار دامنگیر ہے کیوں مجھ گریباں چاک کا

Library
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

ناتواں کیونکر نہ سمجھیں داغ سے اپنا فروغ
گرم ہے بازار گلخن سے خس و خاشاک کا
نور ہے وہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اسیر
کیوں نہ ہو معدوم سایہ سید لولاک کا

کور مستی سے ہر اک مرغ چمن زاد ہوا
جو کھلا پھول چراغ کف صیاد ہوا
گھر سے نکلا جو حسیں باعث بیداد ہوا
جس نے تلوار سنبھالی مرا جلاد ہوا
لطف اس درجہ اٹھایا ہے گرفتاری میں
رو دیا ہم نے جو بندہ کوئی آزاد ہوا
رگ گردن جو لہو دیتی ہے تھوڑا تھوڑا
تیغ قاتل نہ ہوئی نشتر فصاد ہوا
رخ کمال کا ترے پرتو سے بنا چہرہ حور
تیر آ کر تری چٹکی میں پری زاد ہوا
طبع سے ہوتے ہیں پیدا جو مضامین اسیر
یہ سمجھتا ہوں کہ میں صاحب اولاد ہوا
بڑھ کر موزوں ہے کہیں سرو سے بالا اپنا
مرتبہ کیوں نہ ہو قمری سے دوبالا اپنا
آ کے تربت میں نکیریں نے کیا شاد کیا
شکر ہے کوئی تو ہے پوچھنے والا اپنا
بام پر چڑھتے اترتے ہو بہت کیا باعث
سچ بتاؤ ہے کلیجہ تہہ و بالا اپنا
وصف رخسارہ معشوق رقم کرتے ہیں
دفتر گل سے بھی رنگین ہر رسالا اپنا

خوجنوں میں بھی رہی گوشہ نشینی کی اسیر
پاؤں زنجیر کے گھر سے نہ نکالا اپنا

تن سے سرکس کا کرے گا وہ ستمگار جدا
ایک دم ہاتھ سے ہوتی نہیں تلوار جدا
صفحہ دہر بھی گویا ہے بساط شطرنج
دیکھے جس کو یہاں اوسکی ہے رفتار جدا
بیٹھ رہتے ہیں زمانہ سے الگ مسجد میں
سب سے اوقات بسر کرتے ہیں دیندار جدا
اک غزل اس میں ہلالی کی بھی دیکھی ہے اسیر
مادریں باغ ندیدیم گل از خار جدا

کعبہ میں آئے جو ہم سے دیر خالی ہو گیا
بت پھرے تو کیا ہوا۔ اللہ والی ہو گیا
داغ جتنے تھے زمانہ میں وہ ہم نے چن لئے
چرخ تاروں سے چمن پھولوں سے خالی ہو گیا
فصل گل میں رنگ پھر آنے لگا رخ پر میرے
عامل مغرول ' مشتاق بحالی ہو گیا
لگ گیا دل محفل جاناں میں اپنا اے اسیر
آہوئے وحشی شکار شیر قالی ہو گیا

پرتو پڑا ہے جب سے اس چشم نرگسی کا
لبریز مے ہے مینا سونے کی آرسی کا
شیشہ رہے بغل میں جام شراب لب پر
ساقی یہی مزہ ہے دو دن کی زندگی کا

ابرون ماہ نو ہے لرزاں ہے مہر جس سے
مشرق تلک ہے شہرہ اس تیغ مغربی کا
ہندی میں آٹھ دیواں لکھے اسیر کیسے
ہے روضۂ تمن کیا خوب مصحفی کا

جلاتا ہے امیروں کو بھی عشق اس ترک مہوش کا
جو بوٹا ہے دو شالے کا وہ انگارہ ہے آتش کا
پئے عاشق ہے غفلت خوب کچھ معشوق کے آگے
مزہ موسیٰ سے پوچھو جلوہ گاہ طور میں غش کا
نگاہوں سے نہ کر اے لاغری پنہاں بدن میرا
نشانہ ڈھونڈھتا ہے تیر اس ترک کماں کش کا
نہیں ساقی تو پھر کیا شیشہ و ساغر میں کیفیت
یہ پھوڑا ہے بغل کا وہ پھپھولا دست میکش کا
اسیر ایسے مضامین گرم نکلے طبع عالی سے
کہ نازاں میری شاگردی سے ہے استاد آتش کا
پیری میں جام دے مجھے ساقی شراب کا
ہوتا ہے وقت صبح ظہور آفتاب کا
آیا ہے تجھ کو دیکھ کے غش آفتاب کو
شبنم سے صبح دیتی ہے چھینٹا گلاب کا
نکلا نہیں ہے مصحف عارض پہ اس کے خط
آیا ہے اپنی شان میں آیہ عذاب کا
بے کار کوئی رہنے نہ دی میکدہ کی چیز
ٹوٹا سبو تو جام بنایا شراب کا
پر وہ ہماری آنکھ کا حاضر ہے اے اسیر
منظور ہو جو یار کو پر وہ حجاب کا

بلبل سے گل ہے شمع سے پروانہ آشنا
اک ہم رہے سو ہم سے ہے بے گانہ آشنا
غنچہ سے کام ہے نہ ہمیں گل سے باغباں
اپنا ہے ایک سبزہ بیگانہ آشنا
باقی ہے جو مزاج میں تھی اس کی سادگی
زلفوں سے آج تک نہ ہوا شانہ آشنا
پابند ہوں میں سلسلہ زلف میں اسیر
زنجیر کا نہیں دل دیوانہ آشنا

ہر نقش قدم سکہ ہے اس رشک پری کا
ٹکسال سے باہر ہے چلن کبک دری کا
صیاد سے کہہ دو کہ بہت خاک نہ چھانے
آتا ہے زمانہ مری بے بال و پری کا
ہے داغ چراغ لحد کشتہ الفت
پھولا ہے یہ لالہ تری بے داد گری کا
آئینہ تاریک ہے اس بزم سے باہر
دفتر میں سیاہہ نہیں فرد نظری کا
پیری میں عبادت ہو جو کم عزر کی جا ہے
ہے وقت بہت تنگ نماز سحری کا
ہے جوش بہاراں سے چمن کان جواہر
ہر پھول میں عالم ہے عقیق شجری کا
پیری میں اسیر اب ہے کسے زیست کی امید
بجھنا ہی مناسب ہے چراغ سحری کا

اچھا اگر کوئی مراد داغ جگر ہوا
رویا کہ بے چراغ مصیبت کا گھر ہوا
یاران رفتہ سے کہو ٹھہرے ہوئے چلیں
اپنا بھی کوچ شام ہوا یا سحر ہوا
عزلت کر اختیار کہ حاصل ہو آبرو
ٹھہرا صدف میں قطرہ نیساں گہر ہوا
کیونکر نہ ہو یہ رخنہ دل جان سے عزیز
پوچھا جو اس نے حال ہمارا تو فخر کیا
اک یہ بھی اتفاق قضاؤ قدر ہوا
سر آستان یار سے جس نے اٹھا لیا
رسوا ہوا خراب ہوا در بدر ہوا
عزلت میں پائی مثل گہر آبرو اسیر
ہم کو سفر وسیلہ فتح و ظفر ہوا

غم ہے اس بحر میں کیا بے سرو سامانی کا
ناخدا خود ہے خدا کشتی طوفانی کا
غسل کرنے کو نہ آیا سوئے حمام وہ مہر
گرم ہنگامہ کسی دن نہ ہوا پانی کا
ہجر میں کون ہو مجروح چمن میں جا کر
زخم اٹھنے کا نہیں لالہ پی کانی کا
موشگافوں سے سنی ہے یہ صفت جوڑے کی
خوب مجموعہ ہے اجزائے پریشانی کا
ساتھ ہوں اس کی سواری کے میں گریاں جو اسیر
صاف عالم ہو گھٹا ٹوپ میں بارانی کا

اوروں کو اس نے اذن دیا بار عام کا
ہم ڈھونڈھتے ہیں دور سے موقع سلام کا
تشبیہ دوں میں کیا ترے چہرے سے اے قمر
سارا بدن سپید ہے ماہ تمام کا
ہم جانتے ہیں غیر سے رکھتے ہو راہ تم
پرچہ لگا ہے ہم کو تمہارے پیام کا
وقت نماز ہاتھ میں جس کے ہوں بت اسیر
میں معتقد نہیں کبھی ایسے امام کا

رونق گلشن جو وہ رند شرابی ہو گیا
پھول ساغر بن گیا غنچہ گلابی ہو گیا
تشنہ لب سیراب آب تیغ قاتل سے ہوئے
موجزن مقتل میں بحر کامیابی ہو گیا
جام جس کے ہاتھ میں دیکھا ہوا اس کا مرید
مذہب اے پیر مغاں میرا ارکابی ہو گیا

زاہد و معلوم ہے کچھ تم کو احوال اسیر
زہد و تقوے چھوڑکر رند شرابی ہو گیا
کھنچواتے ہیں مکاں میں وہ تصویر آفتاب
چمکا ہوا ہے اختر تقدیر آفتاب
ذرہ بنا ہے آ کے تری بارگاہ کا
اللہ رے رسائی تقدیر آفتاب
ممکن نہیں کہ جوہر ذاتی نہاں رہیں
واقف ہے کب نیام سے شمشیر آفتاب
برتر سحر سے ہے کہیں جلوہ گاہ دوست
ذروں میں دیکھتا ہوں میں تنویر آفتاب

دیکھوں جو روئے یار تو رونا کہاں اسیر
شبنم کو خشک کرتی ہے تنویرِ آفتاب

کرم کرم کہ مرا حال ہے سقیم بہت
غریب ہوں ترے بندوں میں یا کریم بہت
مجھے ہے مدنظر آپ اپنی بربادی
مرے غبار سے اڑتی ہے کیا نسیم بہت
وہ کہتے ہیں سرفروشوں سے
وہ راہ راست چلو جو مستقیم بہت
دکھادے برق کا جلوہ کہ تیرے کوچہ میں
فقیر بیٹھے ہیں اوڑھے ہوئے گلیم بہت
در یتیم کا خواہان جہاں میں کون نہیں
کہو شکستہ نہ ہو خاطر یتیم بہت
اسیر کون قیامت کو دور رکھتا ہے
کہ ہے قریب وفا وعدہ کریم بہت

رشک سے لڑتے ہیں باہم رہوان کوئے دوست
روز اک ہنگامہ رہتا ہے یہاں کوئے دوست
بے قراری نے مری عالم دکھائے بارہا
مل گئی اکثر زمین و آسمان کوئے دوست
نالہ پر سوز کرتا ہے سحر تک شام سے
دل مرا ہے عندلیب بوستان کوئے دوست
تختہ گلزار ہے خون شہیداں سے زمیں
دیکھ اے بلبل بہار بے خزان کوئے دوست
صحبت واعظ میں جی لگتا ہے کب اپنا اسیر
ذکر جنت سے ہے بہتر داستان کوئے دوست

عاشق ہیں دو چند ابروئے خمدار کے باعث
اک ایک کے دو دو ہوئے تلوار کے باعث
عشاق کی کثرت سے دماغ اور ہے ان کا
ہے جنس گراں جوش خریدار کے باعث
راہ اس کے دہن کی ہمیں کیونکر نظر آئے
لب بند ہیں شیرینی گفتار کے باعث
خورشید سے کچھ گرم نہیں ریگ بیاباں
جلتے ہیں قدم گرمی رفتار کے باعث
تم کون تھے آگاہ تھا کب تم سے زمانہ
شہرت ہے اسیر آپ کی اشعار کے باعث

عمر ہے آراستہ ہو ساقیا میخانہ آج
دے مبارک بادستوں کو لب پیمانہ آج
دل مرا ہو گا خراب جلوہ جانا نہ آج
سیل ہنگر چاندنی ڈھائے یہ کاشانہ آج
آشنا سے ربط ہے مجھ کو نہ بے گانے سے کام
دل مرا ہے آشنائے معنی بیگانہ آج
مست ایسا کر دیا مجھ کو شراب شوق نے
محتسب سے پوچھتا ہوں میں رہ میخانہ آج
میرے باعث فروغ کفر و ایمان ہے اسیر
داغ دل میرا ہے شمع کعبہ و میخانہ آج

مری نظر سے وہ غائب ہوئے نظر کی طرح
بدن تمام چرانے لگے کمر کی طرح

ہمارا گوشہ عزلت بھی ہے صدف آسا
بجائے بیٹھے ہیں ہم آبرو گہر کی طرح
اسیر گریہ الفت بھی ہے کوئی طوفاں
کہ ایک اشک میں دل بجھ گیا شرر کی طرح

پیری میں چاہئے ہمیں ساقی شراب صبح
سرما میں ہے عزیز بہت آفتاب صبح
داغ جگر تھا شام تلک تو چراغ شام
پیدا ہوئی جو صبح ہوا آفتاب صبح
عبرت سے بے ثباتی عیش جہاں کو دیکھ
دو چار دم ہے خندہ پائدور کاب صبح
گیسو سواد لیل ہے یا ہالہ قمر
چہرہ چراغ شام ہے یا آفتاب صبح
قید شب فراق سے ہم کو چھوڑ دیا
قائم رہے ہمیشہ الٰہی شباب صبح
کانٹا ہے تیرے چہرہ گلگوں کے سامنے
خورشید ہے اگرچہ گل انتخاب صبح
طول شب فراق سے ہم کو یقیں ہوا
نکلے گا روز حشر کو اب آفتاب صبح
بے پردہ کیا ہوا وہ رخ آتشیں اسیر
پارہ سے بھی زیادہ ہے کچھ اضطراب صبح

ہوتی ہے دل کی ضیا صبر خدا داد کے بعد
ضیا دس واسطے کرتے ہیں رقم صاد کے بعد
ساتھ دولت کے رہے یاد اجل بھی اے دل
مقبرہ بھی ہو بنا قصر کی بنیاد کے بعد

آبرو کس کو ہے دوبھر جو کرے اس سے کلام
گالیاں بھی وہ دیا کرتے ہیں ارشاد کے بعد
کھینچے ہیں میرے تصور نے بھی کیا کیا نقشے
ایک نقاش ہے یہ مانی و بہزاد کے بعد
شعر اچھے بھی ہمارے نہ کیے اس نے پسند
جا بجا نون نظر کا بھی لکھا صاد کے بعد
معتقد کیوں نہ ہوں میں حضرت باقر کا اسیر
کہ سزا وار امامت ہیں وہ سجاد کے بعد

اس بزم میں نہ ہو کبھی اے دل فغاں بلند
سر شمع ساں کیے گا جو ہو گی زباں بلند
کرتا ہے ایک جام بھی سلطاں فقیر کو
کیسا ہے دست ہمت پیر مغاں بلند
دل یار لے گیا نہ ہوئی آنکھ کو خبر
مال اٹھ گیا رہی نظر پاسباں بلند
پائے طلب کو کاٹ کے بیٹھے ہیں ہم فقیر
کرتا ہے کون ہاتھ سوئے آسماں بلند
جاتا اسیر جس سے میں بام مراد پر
ایسی نہ ائی ہاتھ کوئی نردباں بلند

نشیمن طائران روح کا ہے تیغ جاناں پر
ہزاروں بلبلیں بیٹھی ہیں دیوار گلستاں پر
کیا زخمی مجھے کس بادشاہ ملک خوبی نے
خط شمشیر چہرہ پر نہیں طغرا ہے فرماں پر

چھپایا رقص میں منہ یا بنایا مجھ کو دیوانہ
پڑا دامن پر اس کا ہاتھ یا میرے گریباں پر
صفائے قلب مجنوں کا سراسر حال لکھا ہے
بیاض گردن لیلیٰ تصدق میرے دیواں پر
فقط منہ پر ہے رونق دل ہے تاریک اہل دنیا کا
سیہ خانہ ہے زنداں چاندنی ہے سقف زنداں پر
کہیں مسکن فراغت کا نہیں ہے ہند میں باقی
اسیراب بیٹھ رہئے مرقد شاہ شہیداں پر
موت ہنستی ہے بجا قاصد مری تقدیر پر
خط لکھا قاصد نے مجھ کو صفحہ شمشیر پر
ہے اداسی خطر سے اس کے حسن عالمگیر پر
کیا سپاہ زنگ کا ڈاکہ پھرا کشمیر پر
میں فقط کرتا نہیں مژگاں و ابرو کی ثنا
ہے یہ چرچا تیغ کے لب پر زبان تیر پر
لڑ مرے جانباز کیا کیا کل مرقع دیکھ کر
لاکھ تلواریں کھینچیں اک بے کر تصویر پر
ہاتھ تھامے گا وہ محشر میں ہمارا اے اسیر
سر تھا وقت نزع جس کا زانو سے شبیر پر

بے دلوں سے یہ کمی شاہد رعنا ہو کر
جاں مردوں سے چھپاتے ہو مسیحا ہو کر
ہم تری تیغ کو کیا یاد کریں گے قاتل
پانی پیاسوں کو پلاتی نہیں دریا ہو کر
سرکشی عالم ایجاد میں بیجا ہے اسیر
سینکڑوں خاک میں پنہاں ہوئے پیدا ہو کر

جاتی ہے جان گرمی بزم شراب پر
دل لوٹتا ہے گردش سیخ کباب پر
میری وفائیں اور تری بے وفائیاں
موقوف یہ حساب ہے روز حساب پر
ہوتا ہے جب سوار وہ مہر پھر حسن
خورشید و ماہ ملتے ہیں آنکھیں رکاب پر
ہم مر گئے ہیں مستی چشمان یار پر
ساغر چڑھاؤ پھولوں کے بدلے مزار پر
بندے جو ہم ہوئے تو علیؑ کے ہوئے اسیر
سجدہ کیا تو خاک دربو تراب پر

کم نہیں ساغر جمشید سے اصلا ساغر
سارے عالم کو دکھاتا ہے تماشا ساغر
مے طلب کی تو یہ جھنجلا کے کہا ساقی نے
ٹھہرو ٹھہرو کہ نہیں منہ کا نوالا ساغر
دے مئے ناب ہمیں بھی کوئی چلو ساقی
تو نے تقسیم کئے بزم میں کیا کیا ساغر
فرقت یار میں شیشہ ہے بغل کا پھوڑا
نظر آتا ہے ہتھیلی کا پھپھولا ساغر
تیرا چلنا ہے مئے ناب کا چلنا ساقی
بن گیا راہ میں ہر نقش کف پا ساغر
بعد مردن بھی نہ جائے گی مری میخواری
لبِ کوثر بھی چلے گا تہِ طوبےٰ ساغر
محوِ نظارۂ ساقی ہے مری طرح اسیر

بن گیا ہے ہمہ تن چشم تماشا ساغر

شعر کہتا ہوں نظر ہے اس رخ پر نور پر
طائر مضموں ہے پروانہ چراغ طور پر
کیا ہوا غیروں نے اس کو بام پر دیکھا اگر
منکروں کو بھی نظر آئی تجلی طور پر
زاہد و زہد ریائی سے ملے گا کیا بہشت
ہو عبث ناداں تم اپنے سعی ناشکور پر
زلف و قد یار کو دیکھا تو آیا یہ خیال
ظل حق ہے رایت شاہ ابوالمنصور پر
بسکہ ہے تردستی مطرب میں کیفیت اسیر
ساغر مے کا گماں ہے کاسنہ طنبور پر

نظر پڑتی ہے جب دونوں کی تیرے روئے رنگیں پر
پھڑک جاتی ہے بلبل شاخ پر گل دست گلچیں پر
گل رعنا کوئی کوئی گل صد برگ کہتا ہے
ہزاروں باندھو بندھتے ہیں اس دستار رنگیں پر
بندھے ہیں بسکہ مضموں اس کی زلف عنبر افشاں کے
گھٹا چھائی ہے کالی گلشن اشعار رنگیں پر
پسینا آ گیا جمشید کو مجھ مست کے آگے
گھڑے پانی کے لاکھوں پڑ گئے جام مہمان میں پر
اسیر استاد شاگردوں کے چلانے سے کیوں خوش ہوں
عجب ملا ہے جس کو ناز ہے لڑکوں کے آمیں پر

اس رخ کی نازکی ہے گل تازہ بہار
ہر تار زلف رشتہ شیرازہ بہار
شبنم کی طرح اشک فشاں کیوں نہ و سحاب
کم ہے نمود برق سے اندازہ بہار
اوراق گل چمن میں پریشان ہیں اے نسیم
کیا کھل گیا ہے رشتہ شیرازہ بہار
ہر داغ سینہ لالہ گلزار فیض ہے
پاتے ہیں چاک جیب میں اندازہ بہار

ہے اور سے اور اب تو دل زار کی آواز
سچ ہے کہ بدل جاتی ہے بیمار کی آواز
دروازے تلک شبہ سایل میں نہ آئے
پہچان گئے طالب دیدار کی آواز
کیا تجھ سے کہے درد دل اے غیرت عیسی
ہے ضعف نکلتی نہیں بیمار کی آواز
آفت ہے اسیر اپنی یہ آہ شرر افشاں
ایسی نہیں بندوق ہو ادار کی آواز
داغوں سے میں ہوں جلوہ نمائے پر طاؤس
تن پر ہے مرے تنگ قبائے پر طاؤس
ہر ایک ستارہ ہے عیاں داغ کے مانند
گردوں نے بھی اوڑھی ہے ردائے پر طاؤس
آتے ہی خزاں فصل بہاری نے کیا کوچ
گلشن میں پر زاغ ہے جائے پر طاؤس
ہمسر ہے اسیر اس دل پر داغ کا مشکل
ہر چند ہزاروں نظر آئے پر طاؤس

باغ سے کچھ کم نہیں ساقی دوکان میفروش
جام ہے گل شیشہ سرد بوستان میفروش
ہمت عالی میں پایا اس کو حاتم سے سواء
کر لیا سو بار ہم نے امتحان میفروش
خط ساغر پر فقط موقوف اے ساقی نہیں
ہے رقم ہر خشت خم پر داستان میفروش
نابلد میخانہ سے ہوں فرق مینا کی قسم
مے سے میں واقف نہیں سوگند جان میفروش
شوق جام مے ہوا اس مہر طلعت و اسیر
چاہئے جمشید سے بڑھ جائے شان میفروش

ہو سکے آئینہ کیا خاک دو چار عارض
ماہ خورشید بھی ہیں آینہ دار عارض
عندلیوں کی طرح کیوں نہ ہو نالان عاشق
نوبہار چمنستاں ہے بہارِ عارض
ملکی خاک میں سب زیب خطہ یار اسیر
بعد مردن نہ رہے نقش و نگار عارض

مشکل ہے اہل کفر میں ایمان کی احتیاط
کیونکر ہو خار زار میں داماں کی احتیاط
جب سے بلند نالہ سوزاں مرا ہوا
کرتی ہے برق اپنے گریباں کی احتیاط

نور کب دیتی ہے پیش روئے آتش خام شمع
مجلس جاناں میں روشن ہے برائے نام شمع

ہو گئے نقش جدا سب دم رفتار چراغ
تم چلے کیا کہ جلائے سربازار چراغ
ایک بھی آکے نشانہ نہ اڑایا تم نے
سینکڑوں ہم نے جلائے سر دیوار چراغ
آگے خورسید کے ہوتا نہیں انجم کو فروغ
تم جو آتے ہو تو ہو جاتے ہیں بے کار چراغ
نور و ظلمت کا ہے کیا ایک جگہ پر جلوہ
زلف جاناں شب دے رہی ہے رخسار چراغ
کیونکر اسرار الٰہی رہیں پوشیدہ اسیر
گھر میں اللہ کے ہیں بیکرار چراغ

جوش وحشت میں چلا تھا باغ رضوان کی طرف
بیقراری کھینچ لائی کوئے جاناں کی طرف
یار کی جانب نظر کرتا ہوں کس حسرت سے میں
دیکھتا ہے جس طرح درویش سلطاں کی طرف
ہند میں ناحق اسیر درد و غم سے تو اسیر
ہو روانہ روضہ شاہ شہیداں کی طرف

دل کھنچا جاتا ہے اس تیغ مصفا کی طرف
بیشتر شیر رہا کرتا ہے دریا کی طرف
ہے نیازوں میں بھی اس بت کا تصور مجھ کو
منہ ہے کعبہ کی طرف دل ہے کلیسا کی طرف
آپ اوج فلک حسن کے ہیں ماہ اگر
آیئے ہالہ آغوش تمنا کی طرف

خبر قافلہ اہل فنا کیا معلوم
نہ پھر املک عدم سے کوئی دنیا کی طرف
سوچ ہے ہم کو یہی گلشنِ ہستی میں اسیر
دیکھئے گل کی طرف یا چمن آرا کی طرف
خط میں لکھا ہے یار نے مجھ کو سلام شوق
قاصد مری طرف سے بھی کہو پیام شوق
پیر مغاں کی جا کے کرے کون التجا
ساقی ہماری بزم میں چلتا ہے جام شوق
طاقت نہیں رہی سفر حج کی ضعف سے
کعبہ کے حاجیوں کو ہمارا سلام شوق
یہ ہی طویل عمر کا عرصہ قلیل ہے
کیونکر تمام ہو سخن ناتمام شوق
تکرار قافیوں کی غزل میں ضرور کیا
مقطع کہو اسیر کرو اختتام شوق

جانے لگے ہیں اب دم سرد آسماں تلک
ٹھنڈی سڑک بنی ہے یہاں سے وہاں تلک
جلتے ہیں غم سے جان و دل و سینہ و جگر
چاروں طرف ہے آگ بجھاؤں کہاں تلک
بیمار ہو گیا ہوں میں قحط سراب سے
للّٰہ لے چلو مجھے پیر مغاں تلک
مسجد سے دور ہے یہ دکاں میفروش کی
آتی نہیں ہے کان میں بانگ اذاں تلک
نکلا جو دم تو راحت و آرام ہے اسیر
آوارگی ہے جسم کی روح رواں تلک

پہنچی ہے تری زلف رسا بڑھ کے قدم تک
ہیں خاک نشیں ہم بھی ضرور آئے گی ہم تک
داغ دل سوزاں سے ہوں میں شمع شبستاں
ہے گرمی ہنگامہ محفل مرے دم تک
زنجیر تعلق سے مرا پاؤں تو نکلے
ہے فاصلہ دو گام کا ، ہستی سے عدم تک
خلاق سخن ہوں میں اسیر سخن آرا
آوازہ مرا ہند سے ہے ملک عجم تک

لائی ہے مجھ کو سوئے چمن جستجوئے دل
آئے خدا کرے کسی غنچہ سے بوئے دل
عاشق ہوئے تو جان کے جانے کا خوف کیا
رہتی ہے روز مجھ سے یہی گفتگو سے دل
طاقت کہاں کہ کوچہ گیسو میں جائیے
کس کو دماغ کون کرے جستجوئے دل
شاید کہ ہو سیاہی داغ ملال دور
ساقی شراب پی کے کروں شست وشوئے دل
آواز نالہ تک نہیں آتی جو اے اسیر
گھونٹا غم فراق نے ساید گلوئے دل

پیش ازیں دیدہ گریاں تھام انور محل
جلوہ افروز ہوئے تم تو ہوا حور محل
محفل عیش میں اظہار نہ کر حال اپنا
ایسی باتوں کا نہیں اے دل رنجور محل

لے گئی گور غریباں میں اجل دونوں کو
طاق کسرائے سے فریدوں سے رہا دور محل
حسن چمکا ہے بہت برق تجلی ہو تم
کیوں نہ ہو غیرت خلوت کدہ طور محل
فائدہ طول عمارت سے زمانہ میں اسیر
ساتھ کب لے کے گئے قیصر و فغفور محل

رکھتے ہیں تقلید سے یہ اے مسیحا عار ہم
دے خدا سب کو اگر صحت تو ہوں بیمار ہم
کنج خلوت میں ہمارے تان ہو شادی کو دخل
گرد غم سے چار سو کھنچوائیں گے دیوار ہم
طائر رنگ چمن ہم کو بنایا ضعف نے
باغباں کیونکر ہوں بار خاطر گلزار ہم
دل غنی ایسا ہمارا ہے اگر لیتے فقیر
بانٹ دیتے اپنے داغوں کے بھی سب دینار ہم
پیر و دست خدا ہیں راہ ایماں میں اسیر
توڑتے ہیں کعبہ دل میں بت پندار ہم

دیکھا کئے جہان کے روز انقلاب ہم
ذرے سے ایک دن نہ ہوئے آفتاب ہم
حسن طلب سے تا دل ساقی ہو مہرباں
مانگیں زبان خشک دکھا کر شراب ہم

پوچھے گئے گنہ تو کہیں گے یہ حشر میں
نسیان بہت ہے بھول گئے ہیں حساب ہم
آثار صبح ہو گئے پیدا غضب ہوا
طے کر چکے جو اس سے سوال و جواب ہم
کر دیں بس ایک مصرعہ قامت پر اس کے صاد
دیوان حشر کو جو کریں انتخاب ہم
آنکھوں میں بے ثبات یہ دولت ہے اے اسیر
داغ سینہ ہیں ہمارے ہے جو فرزند نہیں

ناخن جو لال لال ترے دست و پا کے ہیں
ٹکڑے حریر شعلہ رنگ حنا کے ہیں
روشن جمال پاک سے آنکھوں کو کیجئے
مشتاق دیر سے یہ نگینے جلا کے ہیں
برسات میں عجب ترے وحشی کا ہے جلوس
ہاتھی ہیں بادلوں کے تو گھوڑے ہوا کے ہیں
تکلیف کا طریق فنا میں نہیں نشاں
پیدل بھی شہسوار سمندر قضا کے ہیں
وہ خاکسار ہیں کہ پس مرگ بھی اسیر
قطرے ہمارے قبر میں خاک شفا کے ہیں
طائر رنگ حنا ہوں گلشن ایجاد میں
زندگی میں نے بسر کی ہے کف صیاد میں

ساقیا ہیں سب کے سب بیتاب تیری یاد ہیں
شیشہ روتا ہے لب پیمانہ ہے فریاد میں
رشک ہے آپس میں کھنچی ہے جو ابرو کی شبیہ
نوبت اب تلوار کی ہے مانی و بہزاد میں
روز جاتا ہے سڑک پر سیر کو وہ خانہ جنگ
چال پر چلتی ہیں تلواریں حسین آباد میں
کیا بھروسا ہستی موہوم کا ہے اے اسیر
دم وہ دم ہے جو گزر جائے خدا کی یاد میں

میں گھر میں دل ہے بزم بت خانہ جنگ میں
ملاح چین میں ہے تو کشتی فرنگ میں
حاصل صفائے قلب سے ہے مجھ کو صلح کل
شامل ہوں مثل آب میں ہر ایک رنگ میں
کعبہ ہے ایک بتکدہ زاہد گلی گلی
بت لاکھ رنگ میں ہیں خدا ایک رنگ میں
ہیں دانہائے دل کی وہی گرمیاں اسیر
جگنو چمک رہے ہیں شب گور تنگ میں

اسی کی روشنی ہے شعلہ آواز بلبل میں
اسی کے نور کا جلوہ ہے برق خندہ گل میں
مگر وہ سرو قد گلرو سوئے گلزار آتا ہے
کہ جھک کر فاختہ کچھ کہہ رہی ہے گوش بلبل میں
وہ میکش ہوں برس جو عمر کا میرے گزرتا ہے

گرہ دیتا ہے ساقی رشتہ آواز قلقل میں
ہوا خواہ چمن وہ ہوں کہ میری روح ریتی ہے
بسان رنگ لالہ میں برنگ بوئے گل گل میں
وہ گل آیا چمن میں باغبان مصروف دعوت ہے
کباب اس وقت بلبل کے لگیں گے آتش گل
میں
اسیر اپنا گریباں پنجہ وحشت میں رہتا ہے
فراغت سے وہاں شانہ ہوا کرتا ہے کامل میں

تازیست جو تھا دخل مجھے شعر کے فن میں
اعمال بھی تو لے گئے میزان سخن میں
رکھے ہوئے ہیں مصحف گل پیش عنادل
ہیں پھول مگر تیرے شہیدوں کے چمن میں
بے فیض اسیر اپنے نہیں دیدہ گریاں
سوتے انہیں چشموں کے تو ہیں گنگ و جمن میں

بتلیاں کہتی اس کی چشم افسوں ساز میں
سحر میں ہیں سامری موسیٰ ہیں ہم اعجاز میں
تم اگر آؤ تو وہ آراستہ محفل کروں
گل رہے کشمیر میں باقی نہ مے شیراز میں
یہ غزل وہ ہے اگر لکھ کر اسے بھیجوں اسیر
روح سعدی وجد خوش ہو کر کرے سیراز میں

چشم دل ہو تو کہاں جلوہ محبوب نہیں
حسن یوسف ہے بہت دیدہ یعقوب نہیں

تجھ سا کوئی حسیں نہیں شہر تو کیا کہیں نہیں
آئینہ کیا قریں نہیں دیکھ اگر یقیں نہیں
اس قدر اب تو جانِ جاں کیجئے قتل عاشقاں
تیغ پکارے الاماں موت کہے نہیں نہیں
خاک ہے سب جو دم نہیں شاہ گدا سے کم نہیں
طبل نہیں علم نہیں تاج نہیں نگیں نہیں
خط قدح شراب کی رکھتے ہیں طرفہ مرتبے
جس کو سواد ہو پڑھے کچھ یہ خط حسیں نہیں
طاقت اسیر کیا نہیں شعر کا پر مزہ نہیں
میر نہیں بقا نہیں درد نہیں حزیں نہیں

رویئے یہ دیکھ کر اس چہرہ پر نور کو
عین دریا میں بہا دیجئے چراغ طور کو

نہ ہنسا جام نہ شیشہ کوئی رویا مجھ کو
ساقیا کی مری تقدیر نے کھویا مجھ کو
واہ کس پردہ میں محفل سے اٹھایا اس نے
یوں کہا غیر کو اس شوخ نے گویا مجھ کو
کون الجھی ہوئی تقدیر تمہاری سمجھے
غیر کو چاہتے ہو صاف کہو یا مجھ کو
سامنے یار کے خاموش ہوں ایسا میں اسیر
قوت ناطقہ باقی نہیں گویا مجھ کو

طاقت آجائے دکھا دو جو وہ ابرو مجھ کو
قبضہ تیغ سے ہو قوت بازو مجھ کو

وہ مہروش جو رخ سے اٹھا دے نقاب کو
عالم چراغ روز کہے آفتاب کو
مشتاق شمع و گل نہ طلبگار مہروماہ
آنکھیں ہماری ڈھونڈ رہی ہیں جناب کو
اس مست ناز نے نہ کئے کس سے مکر و فن
چھینٹا دیا شراب کو ڈور اکباب کو
مستی میں دیکھ کر سوئے میخانہ فلک
سمجھا میں ایک قطرہ مے آفتاب کو
گزری تمام بادہ کشی میں ہماری عمر
خط جبیں سمجھتے ہیں موج شراب کو
کشتے ہیں اس کی تیغ تغافل کے کیا اسیر
اصحاب کہف طول جو دیتے ہیں خواب کو

جو اوس مسیح کو شوق شراب احمر ہو
شفق شراب بنے آفتاب ساغر ہو
قیامت آئے جو آئے شب وصال کی صبح
ستارہ سحری آفتاب محشر ہو
نہاں نہ کیجئے عاشق سے چہرہ سیمیں
گدا بھی دولت دیدار سے توانگر ہو
بہم کروں تیری دعوت کا اے اجل ساماں
جو روز آنے کا تیرے کوئی مقرر ہو
اسیر اپنے مضامین تازہ کافی ہیں
عروس فکر کو کیا احتیاج زیور ہو

کس طرح آئے تری بزم طرب میں آئینہ
ہے نظر بند آج کل شہر حلب میں آئینہ
ہند سے اس تک جو لے جائے کوئی تصویرِ یار
شرم سے لیلیٰ نہ دیکھے پھر عرب میں آئینہ
بزم میں بلوائیے جلدی کہ اک مدت سے ہے
اشتیاق زلف و خط و چشم و اب میں آئینہ
نوکری بھی کی تو حیرانی فقط ہم کو ملی ہے
آرسی تنخواہ میں پائی، طلب میں آئینہ
شیخ صاحب تاکجا آرائش ریش سپید
دیکھئے شانہ بلا میں ہے غضب میں آئینہ
کانپتا ہے ہر شجر خورشید رعب حسن سے
کیا قدم رکھے تری بزم ادب میں آئینہ
ساقیا یہ آئینہ خانہ ہے میخانہ نہیں
ہے ہر اک ساغر کف بنت العنب میں آئینہ
دیکھنے جاتا ہے اس کو تاب نظارہ نہیں
سادہ لوح اس سے ہوا مشہور سب میں آئینہ

تاب رخ سے ہے تمہاری نرگس جادو سیاہ
دھوپ کی شدت سے ہو جیسے کوئی آہو سیاہ

صحن گلشن جلوہ گاہ شاہد طناز ہے
خندہ گل کس کے پاؤں کی آواز ہے
بند ہے ساقی در مے خانہ تو پروا نہیں
مغفرت کا در کھلا ہے باب رحمت باز ہے
گوش دل سے ساکنان عرش سن لیتے ہیں صاف

خندہ چاک گریباں کیا بلند آواز ہے
رند مشرب ہیں ہمیں مسموع کچھ ہوتا نہیں
واعظو شور قیامت دور کی آواز ہے
سب طرح کے میری گلزار جبعت میں ہیں رنگ
سحر ہے جو برگ ہے جو پھول ہے اعجاز ہے
طبع رنگیں کثرت مضمون نازک سے اسیر
حجلہ کے لئے ہے بزم شاہدان ناز ہے

صبر کی لذت اگر طبع گدا پیدا کرے
خشک روٹی نان نعمت کا مزہ پیدا کرے
غسل کو آو اگر تم صاف دریا ہو چمن
ہر صدف موتی کے بدلے موتیا پیدا کرے
کس طرح سمجھائیے ان کو نہیں تم بے کمر
فہم لقمان وہم کی کیونکر دوا پیدا کرے

نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی
آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی
لے چلے باغ جناں میں جو فرشتے ہم کو
دیر تک راہ تری۔ اوگل رعنا دیکھی
ہر جگہ وضع نئی چال نئی لوگ نئے
ہم تو جس شہر میں پہنچے نئی دنیا دیکھی
سب چلے جاتے ہیں کچھ ملک عدم دور نہیں
دیکھنا ہم بھی پہنچ جائیں گے دیکھا دیکھی
خندہ گل ہے کہیں نالہ بلبل ہے کہیں
سیر اس گلشن ایجاد میں کیا کیا دیکھی

مشقبازی کی یہ خو ہے ک لگی دل پر چوٹ
چلتے پھرتے جو کوئی صورت زیبا دیکھی
دیدہ دل سے نظر کی رخ جاناں پر اسیر
چشم موسیٰ سے صفائے یدبیضا دیکھی

واعظ کی اس لئے ہمیں صحبت پسند ہے
کہتے ہیں قد کے ذکر قیامت پسند ہے
کب ماہ چاند کی طرف دیکھتے ہیں وہ
جن کو تمہاری چاند سی صورت پسند ہے
باریک اس کمر کو رگ گل سے باندھے
مضمون میں جس قدر ہو نزاکت پسند ہے
میری طرح انہیں بھی کسی سے ہوا ہے عشق
اللہ منتقم ہے عدالت پسند ہے
طالع ملے ہیں پست ہمیں حوصلے بلند
دوزخ میں بھی گزر نہیں جنت پسند ہے
ہے دوست کی نظر میں ہنر عیب دوست کا
اللہ کو کلیم کی لکنت پسند ہے
وہ کون ہیں جو دوست سے کرتے ہیں دشمنی
ہم کو تو دشمنوں سے محبت پسند ہے
ملتا ہے کچھ تو گیسوئے جاناں سے سلسلہ
ہم کو درازی شب فرقت پسند ہے
چونی کے شعر ہوں تو خوش آئیں تمہیں اسیر
کتنی طبیعت آپ کی دقت پسند ہے

آج ساقی میں نہیں گو کہ مروت باقی
خیر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی
صبح ہونے دے مجھے خواب عدم سے نہ جگا
کچھ ابھی رات ہے اے شور قیامت باقی
رات صیاد کو کیا کیا نہ سنائے قصے
نہ رہی کوئی گلستاں کی حکایت باقی
پاؤں پر سر بھی جھکا ہاتھ بھی جوڑے ہم نے
منہ دکھاؤ کہ رہی کون سی منت باقی
سارے عالم میں تو آرام نہ پایا ہم نے
ہاں اسیر ایک ہے اب گوشہ تربت باقی

کیجئے اس چار حد میں کیا حساب زندگی
پنج روزہ ہے فروغ آفتاب زندگی
عشق خط بار میں آپ کو بھولے ہیں ہم
طاق نسیاں پر ہے مدت سے کتاب زندگی
دو ہی دن میں گردش گردوں نے کی ایسی کمی
ہو گیا گھٹ کر ستارہ آفتاب زندگی
ساقی دوران نے دکھلایا ہے کیسا اختلاف
ہے جدا ہر ظرف میں رنگ شراب زندگی
جلوہ محبوب آئے بے حجابانہ نظر
دور ہو جائے کہیں یا رب حجاب زندگی
دیکھ تو ہے جسم خاکی ہر جگہ ہمراہ روح
درد سے خالی نہیں صاف شراب زندگی
اے اسیر خستہ اس کی یاد میں گزرے جو دم
بس اسی دم کو سمجھ لے انتخاب زندگی
چشم خونبار نہ تھی آہ شرر بار نہ تھی

جب تک عشق نہ تھا گرمی بازار نہ تھی
گل تھے بلبل کے لئے سرد تھے قمری کے لئے
کوئی شے گلشن ایجاد میں بے کار نہ تھی
غنچہ ساں سامنے اس گل کے رہے ہم خاموش
دو زبانیں تھیں مگر طاقت گفتار نہ تھی
عالم فقر میں جمعیت ساماں نہ ہوئی
در اگر تھا مری ویرانے میں دیوار نہ تھی
سرد گل سے تجھے تشبیہ میں کیونکر دیتا
گل میں گفتار نہ تھی سُر میں رفتار نہ تھی
یاد آتے ہیں اسیری میں فقیری کے مزے
بوریا خوب تھا مسند ہمیں درکار نہ تھی
لے لیا غیر نے ناحق مرے مضموں کو اسیر
دیو کو مہر سلیماں کی سزا وار نہ تھی

اب تک نہ خبر ہے نہ پتا ہے نہ نشاں ہے
ثابت نہیں اپنا دل گم گشتہ کہاں ہے
چھالوں سے زباں رشتہ تسبیح ہے بالکل
اس پر بھی ترا نام مجھے ورد زباں ہے
خاصیت سیماب ہے عاشق میں تمہارے
کشتہ نہ ہو جب تک اسے آرام کہاں ہے
کیا فیض ملا ہے ہمیں میخانے میں ساقی
تقدیر جواں عقل جواں طبع جواں ہے
لکھتا ہوں اسیر ابروے قاتل کی جو توصیف
کلک دو زباں ہاتھ میں تیغ دو زباں ہے

پیسا ہے آسیائے فلک نے یہ اب مجھے
ملتے ہیں ہاتھ دیکھ کے رنج و تعب مجھے

وہ بادہ خوار ہوں کہ یہی چاہتا ہے جی
جتنی کھنچے شراب ملے سب کی سب مجھے

کیا غم اگر وطن میں نہیں صورت آشنا
پہچانتے ہیں وادی غربت میں سب مجھے

قاتل حزر ہے تیغ کے سایہ سے اس لئے
ایسا نہ ہو کہے کوئی راحت طلب مجھے

ہے آرزو کہ نزع کی حالت ہو جب اسیر
کلمہ پڑھائے سید امی لقب مجھے

نگہ کی تاب کہاں مجھ کو بزم یار میں ہے
برنگ آئینہ حیرت مرے کنار میں ہے

بہک کے بھی نہ کہو جام چشم ساقی کو
وہ مست ہوں کہ زباں میری اختیار میں ہے

کیا یہ خاک کا پیوند ناتوانی نے
اٹھے زمیں سے یہ طاقت کہاں غبار میں ہے

تمہاری آنکھوں میں دیکھا جو سرمہ سمجھے ہم
سواد ہند نصارا کے اختیار میں ہے

کہاں یہ جسم میں طاقت کہ ساتھ روح کا دے
نہیں پیادے میں تیزی جو کچھ سوار میں ہے

گل نہ مرجھائیں گے بلبل یہ گماں دور رہے
باغ جنت تو نہیں ہے کہ خزاں دور رہے

بڑھ چل اے پارے جنوں میں ایسا
منزلوں قافلہ ریگ رواں دور رہے

دست فساد میں وہ ہاتھ نہ دیکھوں میں کبھی
نشتر غم سے الٰہی رگ جاں دور رہے
دل سے اپنے ہمیں وہ دور جو سمجھے تو اسیر
ہم بھی اک لے کے کرایہ کا مکاں دور رہے

یہ اڑ چلے کہ سلیماں ہر اک پری ہو جائے
پرے میں فوج کے داخل جو وہ پری ہو جائے
اگر خدا نے بنایا ہے آفتاب تمہیں
ادھر بھی ایک نظر ذرہ پروری ہو جائے
یہ ناگوار ہے کثرت کہ چاہتا ہوں اسیر
تنوری بھی فن کیمیا گری ہو جائے

ترے فیض قدم سے بے خزاں گلزار قالی ہے
شکست رنگ سے محفوظ تصویر نہالی ہے
جو افتادہ ہیں ان کی ہر جگہ تعظیم ہوتی ہے
ہجوم خلق ہو ہر چند جائے سایہ خالی ہے
اسیر اپنا بیان و حال دل اکثر میں کرتا ہوں
مرے دیوان میں جو شعر ہے وہ شعر خالی ہے

کسی کو کب تری سرکار سے انعام ملتا ہے
خیالی بختے میں نعمت زبانی کام ملتا ہے
میں ہوں وہ بے سروپا جس کو خط شوق لکھتا ہوں
جواب نامہ بے آغاز و بے انجام ملتا ہے
ملازم ہیں جو دنیا میں تو ہم سرکار ساقی کے
سبو تنخواہ میں چھٹے میں ہم کو جام ملتا ہے

عبث بیٹھے ہیں مشرک کفر کی ظلمت میں چھپ چھپ کر
چراغ امن کب بے دولت اسلام ملتا ہے

رونے سے مرے اس گل خوبی کو خبر ہے
صد شکر کہ اشکوں میں ابھی رنگ اثر ہے
دیوانہ ہوں ایسا جو گیا جانب زنداں
زنجیر نے غل کر کے کہا آپ کا گھر ہے
پروا نہیں رندوں کو جو وہ ہاتھ نہ آئے
ساقی بط مے میں کوئی سرخاب کا پر ہے
رکھے کوئی اس مہر کے کوچہ میں قدم کیا
دیوار کا سایہ بھی جہاں شہر بدر ہے
محتاج نہیں ہوں میں اسرایل دول کا
ہر لخت جگر لعل ہے ہر اشک گہر ہے

مے پیوں میں تو دو عالم سے ہو انکار مجھے
دونوں بحروں سے کرے کشتی مے پار مجھے
آپ کے بازوے نازک کو نہ پہنچے ایذا
اپنا کانوں میں گلا دیجئے تلوار مجھے
شیشہ مے نے جو کی جام سے سرگوشی رات
کر دیا راز دوعالم سے خبردار مجھے
گرہ بجہ گل اس کو سمجھتا ہوں اسیر
نظر آتی ہے اگر شبنم گلزار مجھے
گل تازہ ہے جو تن پر ہمارے زخم کاری ہے
مگر شمشیر قاتل موجہ بادبہاری ہے

تماشے کے لئے ہمراہ اس کے خلق ساری ہے
سواری اس پری رو کی سلیماں کی سواری ہے
دلیل شادمانی چہرہ خنداں نہیں میرا
دہان زخم بسمل ہوں ہنسی بے اختیاری ہے
بلایا ہے عروسانِ چمن نے اے جنوں مجھ کو
شمیم گل ہے نامہ نامہ برباد بہاری ہے
ملے ہیں خاک میں پر ہے اسیر اپنی وہی منیت
ہوائے خاکساری میں پریشان خاکساری ہے

رسم حیواں اور ہے آئین انساں اور ہے
چشم جاناں اور ہے چشم غزالاں اور ہے
غفلتِ دنیا کہاں آسائشِ عقبےٰ کہاں
خوابِ راحت اور ہے خوابِ پریشاں اور ہے
لالہ کیا کرتا ہے میرے داغ دل کا سامنا
شمع تصویر اور ہے شمع فروزاں اور ہے
اس کی آنکھوں کا یہی مجھ سے اشارہ ہے اسیر
کون عالم میں بھلا مجھ سا نحنداں اور ہے

اس بت کا مثل روزن دیوار در کھلے
یارب دعا قبول ہو باب اثر کھلے
وہ ناقبول ہوں نہ ملا راستہ کہیں
جنت کے در کھلے نہ جہنم کے در کھلے
موقوف ہو جو گریہ تو خط یار کو لکھوں
بارش کمی کرے تو رہِ نامہ بر کھلے
تصویر گل اسیر تماشا ہیں نخل سبز
فوجیں ہو میں درست نشانِ ظفر کھلے

قتل کس کس کو کرے دیکھیں فضا برسات کی
صورت شمشیر چلتی ہے ہوا برسات کی
بحر غم سے پار اتارے گی ہوا برسات کی
بادبان کشتی مے ہے گھٹا برسات کی
یا تو دریا بہہ رہے تھے یا نہیں آنکھوں میں نم
اے فلک وہ ابتدا یہ انتہا برسات کی
بادہ کش میں اور فصلوں سے ہمیں کیا کام ہے
فصل گل کی آرزو ہے ہم کو یا برسات کی
پیروی شاہ جہاں کی ہم کو لازم ہے اسیر
دل کشا میں دیکھئے چل کر فضا برسات کی

دن کا نکال لائی ہے اب رنگ چاندنی
کل اڑائیے کہ چڑھی چنگ چاندنی
ہر دم سحر کا دیتی ہے دھوکا شب وصال
کیا کیا ہمیں دکھاتی ہے نیرنگ چاندنی
ہم کو کبھی جو ہاتھ لگا شیشہ شراب
کافور ہو گئی کئی فرسنگ چاندنی
تو لافروغ حسن کو تیرے جو مہروش
میزان عقل میں ہوئی پاسنگ چاندنی
بے روئے یار آنکھوں میں تاریک ہے جہاں
کرتی ہے اے اسیر ہمیں تنگ چاندنی
خاکساری سوئے دولت رہنما ہو جائے گی
خاک اپنی سرمہ چشم ہما ہو جائے گی

خواہش اسباب ہو گی باعثِ نقصان فقر
آرزوئے بوریا بوئے ریا ہو جائے گی
تیرے آنے سے گلستاں میں دعا ہو گی قبول
شاخ گل بلبل کو محراب دعا ہوجائے گی
ساقیا بادبہار آئی مے گلگوں پہ ملا
کشتیٔ مے سے موافق یہ ہوا ہو جائے گی
قید خانہ ہو گا ہم کو کنجِ عزلت اے اسیرؔ
پاؤں میں زنجیر موج بوریا ہو جائے گی

انتخاب دیوان دوم اسیرؔ رح

نہر اشکوں کی سوا ابر سے جاری رکھنا
آبرو دیدہ تر آج ہماری رکھنا
دخل اغیار نہیں بزم گل و بلبل میں
پاؤں کچھ سوچ کے اے بادبہاری رکھنا
اے زباں بڑھ کے نہ کرنا اس بت سے کلام
پاس آداب دم شکوہ گزاری رکھنا
نزع کا وقت ہے تابوت کرو جلد درست
کوچ درپیش ہے تیار سواری رکھنا
کثرت غم سے جو جاڑے میں بخار آئے اسیرؔ
چاہئے درد زباں حضرت باری رکھنا

دل جلا کر رخ محبوب کا جلوہ دیکھا
ہم نے گھر پھونک کے گیا خوب تماشا دیکھا

آئینہ سامنے کہہ رکھ کے سنوارے خط و خال
یار نے حسن کے دفتر کا سیاہ باد دیکھا
ذبح کرتے ہیں چھری سے جو کسی طائر کو
وہ دکھا کر ہمیں کہتے ہیں تماشا دیکھا
خون روتے نظر آیا جو ہمیں باغ میں پھول
داغ کھایا جو کوئی لالہ صحرا دیکھا
ناحق اس غیرت خورشید سے شکوہ ہے اسیر
دن شب ہجر جو قسمت نے دکھایا دیکھا

جب تک کہ درباغ سے درباں نہ اٹھے گا
کچھ لطف تماشائے گلستاں نہ اٹھے گا
تولیں گے اگر عشق مرا حسن تمہارا
دونوں میں کوئی پلہ میزاں نہ اٹھے گا
کیا خوب ہو موت آئے جو پہلے مجھے سب سے
نازک ہے یہ دل داغ عزیزاں نہ اٹھے گا
اللہ قدم رنجہ کر اے بے سروپائے
سر سے مرے بار سروساماں نہ اٹھے گا
کھل جائے گی جس روز رہ مرگ کی سختی
آگے قدم عمر ستاباں نہ اٹھے گا
بیٹھا ہے اسیر آ کے تہ دامن حیدرؑ
اب سر سے مرے سایہ ایماں نہ اٹھے گا

شیشہ ہاتھ آیا نہ ہم نے کوئی ساغر پایا
ساقیا لے تری محفل سے چلے بھر پایا

داغ کھایا کبھی لالہ سے کبھی پھول سے زخم
لے گیا مخت جہاں رزق مقدر پایا
دور غفلت جو ہوئی جلوہ جاناں دیکھا
کھل گئی آنکھ تو خورشید کو سر پر پایا
خوبصورت ہے جو مضمون ہے دیواں میں اسیر
ایک سے ایک کو اس بزم میں بہتر پایا

مطلب جو پھول سے نہ رہا بوستاں سے کیا
جب بوستاں کو ترک کیا باغباں سے کیا
زنجیر کی طرح سے ہے نلیخال نالہ کش
تم نے قدم نکال لیا درمیاں سے کیا
اے قیس دل نے دی تجھے اس کی بھی کچھ خبر
لیلے نے چپکے چپکے کہا ساربان سے کیا

دل سے کرتا ہوں بدل داغ تمنا تیرا
مول لیتا ہوں میں سر بیچ کے سودا تیرا
اے خوشاگوش جو سنتے ہیں کہانی تیری
اے خوشاچشم جو کرتی ہے تماشا تیرا
آنکھیں اڑتی ہیں یہاں شوق میں مانند سپند
کس قدر گرم ہے بازار تماشا تیرا
ہو چکا حشر ہوا بند در باغ جناں
لوگ دیکھا ہی کئے چہرہ زیبا تیرا
عاشق ذات محمدؐ ہوں ازل کے دن سے
میرا محبوب ہے محبوب خدایا تیرا
اے اسیر اب مجھے کس طرح شفا حاصل ہو
ان دنوں آپ ہے بیمار مسیحا تیرا

بازار مرگ میں تجھے سوداگراں ملا
موتی کے مول قطرہ آب سناں ملا
سمجھے جو ایک حور نے بھیجا جواب خط
پروانہ معافی باغ جناں ملا
طاعت کا میکشی میں جو ہم کو رہا خیال
سجدہ کو آستانہ پیر مغاں ملا
بانگ بلند باعث ایذا ہوئی اسیر
رہزن کو قافلے سے جرس کا نشاں ملا

چشم میگوں نے تری رات مرا دل توڑا
ایک ساغر نے یہ شیشہ سر محفل توڑا
مے گرائی جو کسی نے تو گرایا مرا خوں
شیشہ توڑا جو کسی نے تو میرا دل توڑا
سامنے یار کے کمرہ کے بنایا کمرہ
در جو توڑا تو اسی در کے مقابل توڑا
آہ موزوں تجھے گلشن میں نہ کرنی تھی اسیر
منت سر رشتہ آواز عنادل توڑا

داغ دل اپنا چھپانے سے عیاں اور ہوا
شمع خاموش جو کی ہم نے دھواں اور ہوا
بڑھ گئی محفل محبوب میں بیتابی دل
سیر گلزار سے مجھ کو خفقاں اور ہوا
کہتے ہیں سب ترے بیمار کو تخفیف ہوئی
وہی عالم ہے جو آگے تھا کہاں اور ہوا

قصد جس دن سے کیا ہم نے خریداری کا
نرخ بازار محبت کا گران اور ہوا
شعر جو کہتے ہو وہ عشق میں ڈوبا ہے اسیر
آج کل آپ کا انداز بیاں اور ہوا

آنکھ اس کی پھرے مجھ سے یہ باور نہیں آتا
کیا ضعف سے بیمار کو چکر نہیں آتا
اس بزم میں ہو جائے نہ اٹھنے کا بہانہ
غش بھی مجھے اے وائے مقدر نہیں آتا
طاق ایسے تو اونچے نہیں مے خانہ کے ساقی
کیوں ہاتھ میں میرے کوئی ساغر نہیں آتا
جیتا ہوں تو کہتے ہیں یہ کس کام کا جینا
مرتا ہوں تو کہتے ہیں تجھے مر نہیں آتا
آتا ہے محرم تو اسیرہ آہ و بکا سے
دس روز مجھے ہوش برابر نہیں آتا

تمام عمر رخ یار دلستان دیکھا
مگر یہ کہتی ہیں آنکھیں ابھی کہاں دیکھا
دلا کہا بھی گیا کچھ نہ تیغ کے نیچے
زباں بول گئی وقت امتحاں دیکھا
ملال خاطر صیاد کا خیال آیا
قفس میں ہم نے اگر خواب آشیاں دیکھا
پھٹے لباس میں گلہائے باغ ہنستے ہیں
عجب بہار شرافت کو بے خزاں دیکھا
تنوری کے ہے مانع غزائے چرب اسیر
کہ شیر خوار کو دنیا میں بے زباں دیکھا

زہر دہر ایک بھر تماشا ٹھہر گیا
ٹھہرے وہ جس جگہ وہیں میلا ٹھہر گیا
جاں آتے آتے اس تن بے جاں میں رہ گئی
قسم کہتے کہتے آج مسیحا ٹھہر گیا
آخر دکھائی نجد میں تاثیر عشق نے
مجنوں تھکا تو ناقہ لیلا ٹھہر گیا
شاید ان آنسوؤں سے ہوئے نخل تاک سبز
ہے جس نے پی گناہ ہمارا ٹھہر گیا
تھی میرے اضطراب سے گردش جہان کو
مجھ کو سکوں ہوا تو زمانا ٹھہر گیا
ٹھہرے جو تجھ کو دیکھ کے رہرو تو کیا عجب
آب رواں نسیم کا جھونکا ٹھہر گیا
بھولی مسافرت میں رہ فقر کب مجھے
دیکھا جہاں فقیر کا تکیا ٹھہر گیا
محفل میں اپنی دیکھ کے اتنے خفا نہ ہو
گلشن میں میں بھی بھر تماشا ٹھہر گیا
تھا اژدہام درد و الم نقد جاں تلک
تنخواہ دی سپاہ کا دنگا ٹھہر گیا
ٹھنڈی ہوا چلی ہے چلو سیر باغ کو
پانی برس کے اے گل رعنا ٹھہر گیا
دل کو چھپا رہے تھے وہ آنکھوں نے کہہ دیا
گزرے جو دو گواہ تو دعویٰ ٹھہر گیا

آئینہ ہے غرق تحیر تو کیا ہوا
اعجاز حسن یار سے دریا ٹھہر گیا
جاتے حسینؑ دشت بلا سے کہاں اسیر
پہنچے جو کربلا میں تو گھوڑا ٹھہر گیا

موئے کمر کی طرح سے لاغر بنا دیا
ہم کو خدا نے اس کے برابر بنا دیا
دل کو کدورتوں نے مکدر بنا دیا
اس آئینہ کو سد سکندر بنا دیا
اللہ رے جنوں میں شہادت کا اشتیاق
زنجیر توڑ کر اسے خنجر بنا دیا
لکھ کر تمہارے آتش رنگ حنا کا حال
مضموں کو میں نے مرغ منور بنا دیا
دیکھا نگاہ مست سے جب اس نے سوئے چرخ
خورشید کو شراب کا ساغر بنا دیا
اشکوں نے ہم کو سیر دکھائی عجب اسیر
تارِ نظر کو رشتہ گوہر بنا دیا

ابر میں وہ ساقی گل پیرہن یاد آگیا
چار بوندیں پڑ گئیں جس دن چمن یاد آ گیا
گور میں جا کر کیا اس روئے روشن کا خیال
شام ہوتے ہی چراغ انجمن یاد آ گیا
کیا تکلیف ہے تکلف میں نہ بھولے مرگ کو
پیرہن اوجلا اگر پہنا کفن یاد آگیا
کب سوال قبر سے ممکن تھا چھٹکارا اسیر
خیر گزری ہم کو نام پنجتن یاد آ گیا

جب ہوا اس سے سامنا میرا
شکر ہو جائے گا گلہ میرا
کہنے سننے کی اب نہیں طاقت
عفو کیجئے۔ کہا سنا میرا
کس کو صیاد ہے ہوائے چمن
ہے قفس باغ دل کشا میرا
ورق عقل و ہوش ہیں برہم
سخت ابتر ہے گنجفا میرا
لوگ ناآشنائے غم ہیں اسیرؔ
کون سنتا ہے مرثیہ میرا

آپ ہی ظلم کرو آپ ہی شکوہ الٹا
سچ ہے صاحب روش الٹی ہے زمانہ الٹا

باغ میں پھول کھلے موسم سودا آیا
گرم بازار ہوا وقت تماشا آیا
ساربان ناقہ لیلےٰ کو نہ دوڑا اتنا
پاؤں مجنوں کے تھکے ہاتھ ترے کیا آیا
ایک نالے نے. مرے کام کئے باغ میں دو
گل کو تپ آئی تو شبنم کو پسینا آیا
روکے میں نے جو کہا آپ کی ہے چاہ مجھے
ہنس کے بولے کہ بڑا چاہنے والا آیا
جھاڑ دی گرد جو دامن کی کبھی ہم نے اسیرؔ
ہنس کے فرمایا کہ تم کو بھی سلیقہ آیا

نظر فراق میں خالی جو مجھ کو جام آیا
یقیں ہوا کہ ہلال مہ صیام آیا
وہ پختہ کار ہوں ساقی کہ کچھ مزہ نہ ملا
جلا دل اور جو لب تک کباب خام آیا
وفور بادہ کشی سے یہ بیخودی میں رہے
ذرا خبر نہ ہوئی کب مہ صیام آیا
جواب برق تجلی ہے چہرہ تاباں
کلیم سے بھی یہی با رہا کلام آیا
ہزار شکر کہ بدلا مزاج یار اسیر
کبھی سلام کبھی خط کبھی پیام آیا

ہجر کی شب شکل راحت سے حجاب آنے لگا
بند کیں آنکھیں اگر آنکھوں میں خواب آنے لگا
کیا تعجب ہے جو بنجارے سبو طرف وضو
اب تو مسجد میں بھی وہ مست شراب آنے لگا
دل میں پرتو یار کا پڑنے لگا آنکھوں کی راہ
روزنوں سے اپنے گھر میں آفتاب آنے لگا

حسن بے پردہ کی گرمی سے کلیجا پکا
تیغ کی آنچ سے گھر میں مرے کھانا پکا
جنس دل لے کے نہ جاؤں میں کسی اور کے پاس
آپ بے عانہ اگر دیجئے پکا پکا
ہر طرح ہاتھ اٹھانا ہے جہاں سے مشکل
بیٹھ رہنے کو بھی گھر چاہئے کچا پکا

ہے وہ شاعر جو پڑھے بزم سخن میں اشعار
معتبر ہے جو کچہری میں ہو چہرا پکا
خام طبعی سے تمہاری ہے بہت تنگ اسیر
کیجئے وصل کا اقرار تو پکا پکا

دل کو اس کے عارض گلگوں کا بندہ کہہ دیا
جس نے پوچھا حال ہم سے پوست کندہ کہہ دیا
بندگی کی راہ تم نے غیر سے رکھی اگر
پھر نہ آئے گا نظر کوسوں یہ بندہ کہہ دیا
شبنم و گل سے جنوں کے جوش میں ہم نے اسیر
حال گریہ کہہ دیا احوال خندہ کہہ دیا

خوبرو جتنے ہیں آمادہ بیداد ہیں سب
ایک منصف نہیں اس میں ستم ایجاد ہیں سب
کوئی بے کار نہیں داغ مرے سینہ کار
خوبصورت ہیں پریوش ہیں پریزاد ہیں سب
گلشن دہر میں پھر فصل بہار آئی ہے
غنچے شاد ہیں سب میکدے اباد ہیں سب
قابل صحبت خوباں تو نہیں ہوں لیکن
ربط کے جتنے ہیں انداز مجھے یاد ہیں سب
مصحفی جب سے گیا عالم فانیؔ سے اسیر
ایک استاد نہیں کہنے کو استاد ہیں سب

کر دیں گے ایک نالہ آتش فشاں میں بند
کس دن ہیں ہم مقابلہ آسماں میں بند

پتلی جو اس کی آنکھ میں دیکھی تو یہ کہا
شاید یہ کوئی حور ہے قصر جناں میں بند
آواز نطق اس کو سکھاؤں جو میں اسیر
غنچہ کے لب کبھی نہ رہیں داستاں میں بند
وہ رنج ہے فرقت میں کہ آتا ہے خدا یاد
اور وعدہ فراموش کریں گے تجھے کیا یاد
ہچکی کا سب انداز ہے قلقل میں جو ساقی
شاید کہ کسی مست نے شیشے کو کیا یاد
جب تک تجھے بھولے تھے ہمیں یاد تھا سب کچھ
تو یاد جو آیا تو ہمیں کچھ نہ رہا یاد
کیا خلد میں جا کر میں پیوں ساغر کوثر
آب دم شمشیر کا اب تک ہے مزا یاد
کیا خوب توارد ہے اسیر سخن آرا
ہے مجھ کو دم فکر کلام شعرا یاد

قیس و وامق کو مرے ساتھ گرفتار نہ کر
اے جنوں خانہ زنجیر کو بازار نہ کر
عرصہ حشر مرے نام سے برہم ہو گا
دیکھ اے شور قیامت مجھے بیدار نہ کر
معترض ہو کوئی نافہم تو لازم ہے سکوں
بیخبر ہے وہ اسیر اس کو خبردار نہ کر

دھوئے پاؤں کو جو وہ خسرو خوباں جھک کر
چوم لے پاؤں سر زلف پریشاں جھک کر

سائباں بن گئی دیوار گلستاں جھک کر
صاف سن لے وہ پس پردہ محمل مجنوں
گوش لیلےٰ میں کہے کچھ جو حدی خواں جھک کر
نہیں معلوم کہ خورشید کدھر سے نکلا
آج ہم سے جو ملا وہ مہ تاباں جھک کر
طرفہ احسان کیا نشہ الیوں نے اسیر
سر کو حاصل ہوئی پابوسی جانا جھک کر

رہے آوارہ ہم فنا ہو کر
روح در در پھری ہوا ہو کر
ہوں وہ کشتہ کہ ناز نینوں میں
خوں مرابٹ گیا حنا ہو کر
دل نے نالے کہاں کہاں نہ کئے
قافلوں میں رہا درا ہو کر
عمر بھر تیرے گھر رہے صیاد
اب کہاں جائیں ہم رہا ہو کر
تم جو مسجد میں آؤ بھر نماز
صفیں بچھ جائیں بوریا ہو کر
پہلے رندوں میں ہو شریک اسیر
بیٹھو بعد پارسا ہو کر

ہے وہ کف روشن ید بیضا کے برابر
ہے وہ لب جاں بخش مسیحا کے برابر
گرمی تری معلوم ہوائے برق تجلی
ہم بھی ہوں سرطور جو موسے کے برابر
کیا حسن کا رتبہ ہے کہ بیٹھے ہیں ادب سے
وہ ہوا خواہ چمن ہیں جو جلے دھوپ میں ہم

مجنوں کے فرشتے سگ لیلےٰ کے برابر
آنکھوں کے تلے کوند گئی برق تجلے
آئے جو وہ رہوار کو چمکا کے برابر
کیا منزل ہستی میں اسیر اپنی ہے ہستی
مٹ جانے میں ہیں نقش کف پا کے برابر

گور میں بیٹھا یہ میں پائے تمنا کاٹ کر
چلتی ہے آندھی مری تربت کا رستا کاٹ کر
تم کو رخ پر ہوا گر منظور جالی کی نقاب
پتلیاں لائیں ابھی آنکھوں کا پردا کاٹ کر
تیرے زرگر میں بھی ہے کیا معجزہ اے سیم تن
دو ہلال اس نے بنائے ایک چھلا کاٹ کر
جب کسی شاعر نے کاٹا میرے مضموں کو اسیر
میں یہ سمجھا لے گیا میرا کلیجا کاٹ کر

طبیعت آئی جو ساقی کی مے پلانے پر
سحاب جھوم کے آیا شراب خانے پر
خفا جو آپ ہیں مستوں کے آنے جانے پر
بٹھائیے کوئی پہرا شراب خانے پر
کروں میں شکوہ بیداد آسماں کس سے
مٹا ہوا ہے یہ ظالم مرے مٹانے پر
کمان یار سے ہونے لگا جو تیر جدا
ہم آپ جا کے کھڑے ہو گئے نشانے پر
جلا رہا ہے مجھے شمع کی طرح گردوں
اسیر حال ہے روشن مر زمانے پر

کیا ہو مرے دل کو وہ پریزاد فراموش
یاد آتی ہے رہ رہ کے وہی یاد فراموش
پھر ہم نے رہا ہو کے ہوا باغ کی کھائی نہ
پھر ہم کو ہوا خانہ صیاد فراموش
وہ آنکھ اٹھا کر مہ و خورشید کو دیکھے
ہو جس کو ترا حسن خداداد فراموش
بھولے سے کبھی فاتحہ پڑھنے کو نہ آئی
شیریں کو ہوئی محنت فرہاد فراموش
ممنوں ہوں میں دہشت کا اسیر اس کا ہے احسان
ہیں مخمصہ عالم ایجاد فراموش

آئینہ ہے میرا یہ دل بے خلاف صاف
کہتا ہوں عیب خلق کے منہ پر میں صاف صاف
ساقی پلا دے ساغر بلور میں شراب
کیا چاندنی ہے صحن گلستاں میں صاف صاف
قطرہ جو کوئی اشک ندامت کا گر پڑا
ہو جائیں گے گناہ ہمارے معاف صاف

دیکھا وہی جہان میں تھا جو بیان خلق
نقارہ خدا ہے مقرر زبان خلق
ممکن نہیں ہے حسن میں تم سے مقابلہ
گل جان بوستاں ہے فقط تم ہو جان خلق
سب آشنا ہیں شکر خدا سے یہاں اسیر
اپنی زباں ہے نابلد داستان خلق

ایسی تپ غم سے تن سوزاں میں لگی آگ
دامن کو بجھایا تو گریباں میں لگی آگ
وہ سوختہ قسمت ہوں فرشتوں نے دم حشر
تولے جو میرے جرم تو میزاں میں لگی آگ
لب اس کے بھبھوکا جو ہوئے سرخی پاں سے
سب کہنے لگے شہر بدخشاں میں لگی آگ
شعلہ ہے ہر اک سرد ہر اک پھول شرارہ
ایسی ترے پرتو سے گلستاں میں لگی آگ
نکلی شب فرقت میں اسیر آہ عجب گرم
چرخی کی طرح گنبد گرداں میں لگی آگ

چمکاؤ کبھی ابر میں شمشیر تبسم
زیب ورق برق ہو تصویر تبسم
بدلی میں نہیں برق یہ قدرت کے قلم سے
اللہ نے کھینچی تری تصویر تبسم
ہے ولولہ وحشت کا اسیر اس کا عجب کیا
ہم موج میں کہہ جائیں جو زنجیر تبسم
بہار گل سے سوا ہے بہار باتوں میں
وہ چار باغ لگاتے ہیں چار باتوں میں
لپٹتا ہوں اسے بار بار باتوں میں
لگا رہا ہوں میں باتوں کا بار باتوں میں
صدائے خندہ گل سن کے یاد آتا ہے
تمہارا خندہ بے اختیار باتوں میں
اسیر دل کو یقیں ہے کہ مہرباں ہوں گے
وہ ایک دو میں نہیں تین چار باتوں میں

میری جبیں کہاں درِ پیر مغاں کہاں
اے بے کشو زمین کہاں آسماں کہاں
ہر چند بال بال ہے شکل زباں مگر
جس سے او اے شکر کروں وہ زباں کہاں
پروانہ ایک ہے مرا لاکھ شمع رو
پھوکوں میں اپنا خرمن ہستی کہاں کہاں
قمری کو طوق قیس کو دیں تو نے بیڑیاں
حصہ ہے مجھ غریب کا اے آسماں کہاں
اک حرفِ شوق کہہ نہ سکے وصل میں امیرؔ
قدرت خدا کی بند ہوئی ہے زباں کہاں

جا نہیں اس بت بے مہر وفا کے گھر میں
جی میں ہے بیٹھ رہوں جا کے خدا کے گھر میں
فیض کامل کو نہیں اسفل واعلےٰ کی تمیز
چاندنی ایک سی ہے شاہ و گدا کے گھر میں
حادثوں سے مجھے باقی نہیں دولت کا سرور
شمع کے ساتھ ہیں جھونکے بھی ہوا کے گھر میں
کیا ہوا دل میں اسیر آئے جو اس بت کا خیال
بت رہا کرتے تھے آگے بھی خدا کے گھر میں

گیسوئے یار رسا ہیں دونوں
الغرض ایک بلا ہیں دونوں
ہے جہاں میکدہ مجھ میکش کو
جام و خم ارض و سما ہیں دونوں

ان کی آنکھوں سے دل آگاہ ہے خوب
بانی جورو جفا ہیں دونوں
چرخ ہو یا کرہ خاک اسیر
عشق میں بے سروپا ہیں دونوں

بہا کے چشم سے خوں ہم جو آہ کرتے ہیں
زمیں کو سرخ فلک کو سیاہ کرتے ہیں
بتوں عزیز نہیں تم سے جان تک ہم کو
یہ بات حق ہے خدا کو گواہ کرتے ہیں
تم آئے گھر میں ہمارے تو کیا تعجب ہے
فقیر پر بھی کرم بادشاہ کرتے ہیں
دکھا رہے ہو زمانہ کو تم جمال اپنا
جو ہم بھی دیکھتے ہیں کیا گناہ کرتے ہیں
اسیر کون ہوا بنائے جنس سے سائل
خدا سے ہم طلب عز و جاہ کرتے ہیں

کہو تمہارے سخن کا بھی ہے جواب کہیں
کہیں جو آپ نے باتیں وہ انتخاب کہیں
چمن میں آج ہے طوفان موج گل ساقی
خدا کے واسطے لا کشتی شراب کہیں
محبت اس رخ پرنور کی نہیں کس کو
خراب بادہ کہیں ہے تو آفتاب کہیں
خدا کرے کہ وہ خط کا جواب لکھ بھیجیں
ملے فراق میں تعویذ اضطراب کہیں

خراب ہیں ستم محتسب سے مے خانے
دوا کے واسطے ملتی نہیں شراب کہیں

پری جواب پری حور کا جواب ہے حور
تمہیں کہو کہ تمہارا کہ تمہارا ابھی ہے جواب کہیں

سمجھ کے بھیجئے غیروں کو عطر مٹی کا
کسی غریب کی مٹی نہ ہو خراب کہیں

وہ ہم سے کیوں نہ چھپیں خط غدار پر نکلا
اسیر شب کو نکلتا ہے آفتاب کہیں

جا کے دم بھر جو وہ بازار چلے آتے ہیں
گھر تلک ساتھ خریدار چلے آتے ہیں

درد دل کیجئے کیا اس سے بیان وصل کی شب
اشک پیہم دم گفتار چلے آتے ہیں

قحط باراں نہیں دے جلد شراب اے ساقی
اکہ ابر دھواں دھار چلے آتے ہیں

اے جوانو نہ کرو زور جوانی کا غرور
دن بڑھاپے کے خبردار چلے آتے ہیں

دی صدا میں نے کہ موجود ہوں میں اور رقیب
گھر سے وہ بولے کہ تلوار چلے آتے ہیں

تیرے آگے نہ رہا کچھ مہ کنعاں کو فروغ
ہم ابھی مصر سے اے یار چلے آتے ہیں

اور کچھ کام نہیں محفل جاناں میں اسیر
پڑھ کے دوچار ہم اشعار چلے آتے ہیں

ملتا نہیں گلی کا تمہارے پتا کہیں
قاصد کہیں تباہ ہے پیک صبا کہیں

ہر دم ہے پائے یار پہ اپنا سر سجود
ہوتی ہیں عابدوں کی نمازیں قضا کہیں
اچھا ہوا کہ غیر رہے خنجر اسیر
قاصد ہے اس سے راز کی باتیں جدا کہیں

مژگاں سے غضب تیز زباں ہیں تری آنکھیں
ہندو بچہ سحریاں ہیں تری آنکھیں
نور نظر چشم زلیخا ہوئی یوسف
یعقوب سے پوچھو کہ کہاں ہیں تری آنکھیں
ہاں دیکھ کے چل راہ کہ اک دن پس مردن
نقش قدم راہ رواں ہیں تری آنکھیں
شکوہ نہیں عشاق کی جانب جو نہ دیکھیں
بیمار ہیں بیتاب و تواں ہیں تری آنکھیں
کرتے ہیں کبھی دل کو کبھی جان کو تاراج
غارت گر دل رہزن جاں ہیں تری آنکھیں
کیا خشک اسیر اشک نکلتے ہیں دمادم
پیمانہ یاقوت رواں ہیں تری آنکھیں

مزاج میں ہے تکلف وہ خاکسار ہوں میں
غبار کوچہ گیسوئے مشک بار ہوں میں
جلا کے دل کو غریبوں کا غمگسار ہوں میں
چراغ راہ ہوں شمع سر مزار ہوں میں
نہ مجھ کو خواہش کوثر نہ مجھ کو حسرت حور
بغل میں شیشہ ہے ساقی سے ہمکنار ہوں میں
اسیر صفحہ ہستی کی مجھ سے ہے زینت
پکیدہ قلم صنع کردگار ہوں میں

کس روز کوئے یار میں قصے بڑھے نہیں
تیغیں کھنچی نہیں کہ تنجے چڑھے نہیں
سب کی خبر ہے حال سے اپنے خبر نہیں
سب کچھ بڑھے ہیں ہم خط قسمت پڑھے نہیں
کیا جانے نسیم سحر ہے کہاں اسیر
مدت ہوئی کہ پھول لحد پر چڑھے نہیں
جہاں ہوتا ہے غم ہم اہل حرماں مول لیتے ہیں
قبائے صبح سے چاک گریباں مول لیتے ہیں
زر نقد دو عالم قیمت یوسف میں دیتے ہیں
اگر انصاف سے دیکھو تو ارزاں مول لیتے ہیں
بہت پچھتائیں گے زاہد کہیں گے وہ جو محشر میں
کہ نقد عفو سے ہم جنس عصیاں مول لیتے ہیں
رقم کرنا ہے ہم کو وصف اس کی زلف شب گوں کا
سیاہی تجھ سے اے شام غریباں مول لیتے ہیں
دلا اتنا نہ گھبرا گوشہ تاریک ہستی میں
ٹھہرتی ہے جو قیمت باغِ رضواں مول لیتے ہیں
اسیر ایسا نہیں دیکھا سواد نظم کا سرمہ
کہ آنکھوں سے تمام اہل صفا ہاں مول لیتے ہیں

کیا دیکھتے ہو بام سے بازار کو دیکھو
بے پردہ نہ دیکھے کوئی سرکار کو دیکھو
بوسہ جو طلب ہم نے کیا ہنس کے وہ بولے
لو اور سنو آپ کی گفتار کو دیکھو

ہر ایک ادا آپ کی پیغام قضا ہے
انداز کو رفتار کو گفتار کو دیکھو
دیکھے نہ سنے ایسے کبھی ابرو و گیسو
آنکھیں جو خدا دے انہیں دو چار کو دیکھو
اندھے سے زیادہ ہے یہ بیمار کے حق میں
کس دھوم سے آتی ہے شب تار کو دیکھو
رونے سے بھی ظاہر ہے اسیر آپ کی وحشت
آنسو میں مژہ ابلے میں خار کو دیکھو

بوجھ احسان کا کوئی تو مرے سر پر رکھ دو
قبر پر پھول جو رکھتے نہیں پتھر رکھ دو
جاؤ تم باغ سے میں عاشق قد کافی ہوں
فیصلہ قمری و شمشاد کا مجھ پر رکھ دو
عزر خواہی کا جو موقع کوئی ہاتھ آئے اسیر
پاؤں پر اس بت بے مہر کے تم سر رکھ دو

خیم گل میں جو ملبوس یار کی ہوتی
ہوا کچھ اور نسیم بہار کی ہوتی
جناں میں دیکھ کے زاہد کہیں گے رتبہ رند
بلا سے راہ یہی اختیار کی ہوتی
چھپا چھپا کے نہ کرتے گناہ خلق سے ہم
خبر ہمیں جو یمین و یسار کی ہوتی
جو ناز کی سے بنایا تھا شاخ گل کا خدنگ
کمان ناز سے بلبل شکار کی ہوتی

اسیر بار غم اپنا اگر میں رکھ دیتا
ابھی خمیدہ کمر کوہسار کی ہوتی

جان بے پرواول بے آرزو لے جائیں گے
ہم یہ دو تحفے خدا کے روبرو لے جائیں گے
آسماں سے رات کو ہو گی کہیں روشن زمیں
ماہ سے سبقت بتان ماہ رو لے جائیں گے
دست نازک سے گل کاغذ اگر کترو گے تم
دیکھنے والے گمان ناز بو لے جائیں گے
مول لے کوئی کہ بازار محبت میں نہ لے
ایک دل ہے پاس اس کو چار سو لے جائیں گے

کیا فائدہ جو قصر فلک مرتبت بنے
وہ کام کر کہ جس سے تری عاقبت بنے
چاہ ذقن دکھاؤ کہ کشتوں کا ڈھیر ہو
گہرا اگر کنواں ہے تو پختہ جگت بنے
باتیں بنائیں ہم نے جو وصف دہن میں کچھ
بولے وہ ہنس کے آپ بھی کتنے ہیں بت بنے
کیا جاہلوں نے علم کا نقطہ بڑھا دیا
فرہنگ سینکڑوں تو ہزاروں لغت بنے
ہر دم بگڑتے جاتے ہیں سارے مقدمے
ممکن نہیں اسیر کہ یہ سلطنت بنے

تجھ سے اے رشک چمن زیب چمن بڑھتی ہے
سرو کی طرح ہر اک شاخ چمن بڑھتی ہے

چشم گریاں سے رخ یار کی چمکے گی بہار
ابر سے رونق گلہائے چمن بڑھتی ہے
حال ہوتا ہے پریشاں ترے دیوانوں کا
جس قدر کاکل پر پیچ و شکن بڑھتی ہے
خوشنما داغ ہیں کیا موسم پیری میں اسیر
صبح کو رونق گلہائے چمن بڑھتی ہے

ضرور نزع میں ساقی شراب ناب چلے
بہار عمر چلی ساغر شراب چلے
جو پچھلے بوسے ہیں نوروز میں انہیں نہ گنوا
شروع سال ہوا پھر نیا حساب چلے
عجیب ناز سے قاتل نے انگلیاں توڑیں
ہوا میں قتل پہنچے مرے حساب چلے
ہجوم خلق ہے ساتھ آپ کی سواری کے
کہو تو بندہ بھی تھامے ہوئے رکاب چلے
بھرا پڑا رہے پیر مغاں کا گھر یارب
امید وار ہم آئے تھے کامیاب چلے
زیادہ گل سے تھا نازک اسیر جسم نبیؔ
عجب نہیں ہے جو پر توفگن سحاب چلے

دشنہ رقیب کو مجھے خنجر لگائیے
حصے لگائیے تو برابر لگائیے
ہیں تنگی جہاں سے بہت تنگ ہم فقیر
اتنی جگہ نہیں ہے جو بستر لگائیے
چلا رہی ہے لاش مری کوئے یار میں
ٹھوکر لگائیے مجھے ٹھوکر لگائیے

شاہ آپکی طرف ہے وزیر آپ کی طرف
پرچہ تمہارے ظلم کا کیونکر لگائیے
پانی بہت کڑا ہے تری بہر تیغ کا
کیا ہاتھ پاؤں مثل شناور لگائیے
سر پھوڑنا عبث ہے در بت پہ اے اسیر
گھر ہوا اگر خدا کا تو ٹکر لگائیے

عشرت سے بسر ہوتی ہے اوقات تمہاری
کیا بات ہے اے اہل خرابات تمہاری
دو مشعلوں میں چہرہ محبوب دیکھئے
جوزا میں آفتاب ہے یہ خوب دیکھئے
بے نامہ برگلی میں تمہاری پہنچ گیا
کیا شوق ہے درازی مکتوب دیکھئے
آئینہ ہاتھ میں ہے سمجھ کر کرو غرور
تم سا بھی دوسرا ہے کوئی خوب دیکھئے
دیدار یار کو نظر پاک چاہئے
اس طرح دیکھنا نہیں معیوب دیکھئے
کھنچتا ہے دور دور ہمیشہ کتاں سے ماہ
طالب کا عجز نخوت مطلوب دیکھئے
معشوق بن کے چاہئے معشوق کو اسیر
محبوب بن کے چہرہ محبوب دیکھئے

یقیں نہیں کہ مجھے ساغر شراب ملے
کہاں نصیب کہ ذرہ کو آفتاب ملے

خدا کے واسطے کر قتل مجھ کو اے قاتل
کہ میں عذاب سے چھوٹوں تجھے ثواب ملے
گزر حضور کے دربار تک مرا نہ ہوا
جو غیر تھے انہیں خلعت ملے خطاب ملے
در کریم ہے کس بات کی کمی ہے یہاں
طلب کرے کوئی ذرہ تو آفتاب ملے
بجائے سرمہ لگاؤں اسیر آنکھوں میں
جو مجھ کو خاک درابن بوتراب ملے

جام اگر ٹوٹ گیا کون کرامات گئی
خیر خم کی رہے ساقی تری خیرات گئی
وہ جفا کیش نہ آیا اجل آئی ہم تک
حشر پر گردن و خنجر کی ملاقات گئی
سینہ کار ہوں انھی جو مری خاک سے گرد
بن کے گھنگھور گھٹا سوئے خرابات گئی
پھر کلید در میخانہ ہے ساقی مہ عید
وسعت رزق ہوئی تنگی اوقات گئی
چپ ہوئے سن کے مرے نالہ موزوں کو اسیر
نغمہ سنجان گلستاں کی مباہات گئی

پھنس گئے تم نہ سنی حضرت دل بات مری
بندگی آپ کو اے قبلہ حاجات مری
ہو گیا بند مگر باب اجابت یارب
کہ بھٹکتی ہوئی پھرتی ہے مناجات مری
شیشہ ہے جام ہے گلزار ہے وہ گلرو ہے
ساقیا کٹتی ہے کس لطف سے برسات مری

مسندی ملنے کے لئے غیر طلب ہوتے ہیں
کبھی جھوٹوں بھی نہیں پوچھتے وہ بات مری
ایک عالم کو کیا سحر سخن سے تسخیر
ابھی معلوم نہیں تم کو کرامات مری
شبنم و گل کی طرح گلشن عالم میں اسیر
دن جو ہنسنے میں تو رونے میں رات کٹی رات مری

انھیں تو کب نظر التفات اتنی ہے
ہمیں کو ان سے محبت ہے بات اتنی ہے
مال کار ہے دو گز زمیں کفن دس گز
بڑی بساط نہیں کائنات اتنی ہے
کیا ہے قتل مگر مڑ کے دیکھتے ہیں مجھے
ابھی تلک نگہ التفات اتنی ہے
پڑا ہوں بستر غم پر فقط مریض نہیں
مزاج پوچھنے آئیں وہ گھات اتنی ہے
اسیر بن کے بگڑتی ہے یاس کی صورت
ابھی تلک تو امید نجات اتنی ہے

کیا مثل شیشہ خاطر میخوار توڑیے
توبہ ہے توڑنے کی سزا وار توڑیے
کافی ہیں ابرو و مژہ عالم کے قتل کو
خنجر کے ٹکڑے کیجئے تلوار توڑیے
دل دیجئے جو نرگس جاناں طلب کرے
کب ہے روا کہ خاطر میخوار توڑیے

صحرا میں اپنے ساتھ اسے بھی پھرائیے
اک روز پائے چرخ ستمگار توڑیے
کرتا ہے اس اسیر اشارے یہ آفتاب
ہے صبح اب شر آب سے ناہار توڑیے

انتخاب دیوان سوم اسیر

خشک جس دم حسن جوانی ہو گیا
ہم یہ سمجھے گل چراغ زندگانی ہو گیا
حال اپنا عین عبرت ہے اگر ہو چشم فہم
شرم عریانی سے آنسو پانی پانی ہو گیا
ناتوانوں کو دیا خالق نے کیا نعم البدل
گھٹ گئی قوت تو زور ناتوانی ہو گیا
در پہ یوسف طلعتوں کے اب کوئی آتا نہیں
چار دن ہنگامہ حسن جوانی ہو گیا
ضعف پیری میں امید ثمرہ عشرت کہاں
سوکھ کر کانٹا نہال زندگانی ہو گیا
ماجرائے عالم نیرنگ ہے عبرت فزا
آج جو آنکھوں سے دیکھا کل کہانی ہو گیا
سن کے باتیں اس کی پردہ سے ہمیں غش آ گیا
شعلہ آواز برق لن ترانی ہو گیا
کعبہ بتخانہ دونوں برج آبی میں اسیر
تھا جہاں پتھر مرے نالوں سے پانی ہو گیا

بدا مزار میں بیگانہ ویگانہ ہوا
پلک جھپکتے ہی کچھ اور کارخانہ ہوا

پئے سجود جھکے سر خدا پرستوں کے
ترش کے بت جو تراشنگ آستانہ ہوا

شباب تھا کہ الٰہی نسیم کا جھونکا
کہ دفعتاً اِدھر یا اُدھر روانہ ہوا

ظہور حشر ہو دیکھیں جمال یار آنکھیں
دراز ترک ملاقات کا زمانہ ہوا

خوشادہ تن جو تری تیغ کا بنا چورنگ
خوشا وہ دل جو ترے تیر کا نشانہ ہوا

کبھی جو نالہ کیا اور داغ دل چمکا
ہوائے گرم سے روشن چراغ خانہ ہوا

اسیر وصف لکھے ہم نے جب حسینوں کے
ہر ایک صفحہ دیواں نگار خانہ ہوا

پیش نگاہ خال ہے روئے حبیب کا
تارا چمک رہا ہے ہمارے نصیب کا

ہر گل کا منہ صبا کے تماچوں سے لال ہے
دریا ہے طرفہ رنگ لہو عندلیب کا

خالی نہیں ہے فیض سے تکلیف اغنیا
نعم مریض ہو تو مقدر طبیب کا

سرگشتہ ہوں میں راہ تلاش عروض میں
چکر مرا ہے دائرہ بحر قریب کا

اتنے لئے ہے خندہ گل بے صدا اسیر
جاگے نہ بخت خفتہ کہیں عندلیب کا

بڑھ کے مژگاں نے ترے تیر کو چلنے نہ دیا
نام تلوار کا ابرو نے نکلنے نہ دیا

سر کو دھننے نہ دیا ہاتھوں کو ملنے نہ دیا
ضعف نے ایک بھی ارمان نکلنے نہ دیا

دخل پایا جو مقدر سے تو باندھی یہ ہوا
کہ ہوا کو بھی ترے کوچے میں چلنے نہ دیا

چمن دل میں اگا بھی جو کوئی نخل امید
کاٹ دی یاس نے جڑ پھولنے پھلنے نہ دیا

قصد اٹھنے کا ہم اس بزم سے کیونکر کرتے
ادب حسن نے زانو بھی بدلنے نہ دیا

محتسب ہم کو ہوا ضعف ہمارا ساقی
جام کو ہاتھ پہ رعشے نے سنبھلنے نہ دیا

کچھ عجب چرخ نے اندھیر کیا ہجر کی شب
چاند کیا ایک ستارے کو نکلنے نہ دیا

روئے قاتل کا میں جی بھر کے نظارا کرتا
وقفہ اتنا بھی تہ تیغ اجل نے نہ دیا

جب تلک اس گل عارض کے نہ باندھے مضموں
رنگ محفل میں کبھی اپنی غزل نے نہ دیا

اٹھ چلے بیٹھتے ہی آپ مرے پہلو سے
دل مضطر کو کبھی تم نے سنبھلنے نہ دیا

طوق کا جرم نہ زنجیر کی تقصیر اسیر
قید سے مجھ کو نقاہت نے نکلنے نہ دیا

مصرعہ نہ کیوں ہو گرم مری آہ سرد کا
مضمون بندھ گیا نئے پہلو سے درد کا
رکھتے ہیں خاکسار ثمون سے احتراز
سایہ ہے ایک پیرہن سرخ و زرد کا
زاہد شراب خوار کدورت سے ہیں بری
اٹھنا زمین تر سے رہے دشوار گرد کا
سمجھے یہ ہم زمین سے اٹھا جو گرد باد
چکر میں ڈھیر ہے کسی صحرا نورد کا
برسوں پیا ہے آب ملا کر شراب مین
چکھا ہے ہم نے خوب مزا گرم و سرد کا
میں کچھ نہیں مگر ہے سخن معتبر مرا
سچ ہے کہ نام مرد سے بہتر ہے مرد کا
کیجئے سوال بھی تو در میفروش پر
احسان کیجئے جو گوارا تو مرد کا
جب تک نصیب فرقت جاناں رہے اسیر
دیواں مطالعہ میں رہا میر درد کا

ہوا جو خاک بدن ساغر شراب بنا
ہزار شکر کہ ذرہ سے آفتاب بنا
ہوا شکست سے ہم میکشوں کا کیا نقصاں
سبو جو ٹوٹ گیا ساغر شراب بنا
ہمارے گھر سے در میکدہ تلک زاہد
سڑک بنی کہ کوئی جادہ تو اب بنا

تڑپ کے لاشہ گرا پائے اسپ قاتل پر
بگڑ کے کام مرا وقت اضطراب بنا
رہا جو بعد فنا اشتیاق بادہ کشی
اسیر خاک سے میری خم شراب بنا

بوئے خوش دیتا ہے محفل میں پسینا یار کا
عطر کھینچا خوب گرمی نے ترے رخسار کا
گھٹا کے بدر کو ہر ماہ میں ہلال کیا
تمہارے چاند سے چہرہ نے بھی کمال کیا
ہمارے بعد کھلا حال ان کی فرقت کا
کمال درد سے روئے بڑا ملال کیا
گدا ہوئے تو گدائے در کریم ہوئے
کیا سوال تو اللہ سے سوال کیا
بجا ہے عکس جو آئینہ میں نہیں پڑتا
خدا نے تم کو زمانہ میں بیمثال کیا
جواب خط کا رہا انتظار نزع میں بھی
فرشتہ آیا تو قاصد کا احتمال کیا
نہ سوجھتا ہے چمن کا نہ دشت کا رستہ
جنوں کے جوش نے اندھیرے کی سال کیا

زخم جس سے تری تلوار کا کھایا نہ گیا
سر کبھی اس سے شہیدوں میں اٹھایا نہ گیا
نیم جانوں پہ غضب لائی کمی قاتل کی
پاؤں رگڑا کئے اک ہاتھ لگایا نہ گیا
کیا تعجب تھا اگر آنکھ مری کھل جاتی
قبر میں آپ سے شانہ بھی ہلایا نہ گیا

ہوس مرگ دلا ہجر میں بیجا تو نہ تھی
غم مٹایا نہ مٹا رنج گیا یا نہ گیا
بات قاصد کی غلط جھوٹ جواب نامہ
لے کے خط بیٹھ رہا گھر کہیں آیا نہ گیا
سلطنت تیرے فقیروں تلک آئی سو بار
بوجھ بھاری تھا بہت ان سے اٹھایا نہ گیا
کیا وہ آتے مرا تابوت اٹھانے کو اسیر
نزع میں جن سے عیادت کو بھی آیا نہ گیا

جو ہو شوق طہارت کر ارادہ جاں نثاری کا
کہ حکم آب دم شمشیر پر ہے آب جاری کا

مرا جلنا ترے نزدیک تماشا ٹھہرا
داغ الفت بھی کوئی لالہ صحرا ٹھہرا
صلح کی یار نے اپنا دل شیدا ٹھہرا
مدعی پوچھنے آتے ہیں کہو کیا ٹھہرا

ماتم ضرور تھا تمہیں مجھ درد مند کا
کہنا تھا مرثیہ کوئی دس بیس بند کا

جو پہنچے دوڑ کر مقتل میں ہم اپنا قدم ٹھہرا
دم شمشیر قاتل پر گلا رکھا تو دم ٹھہرا
جلا دل جب وہ مرگ غیر کی سن کر خبر روئے
ہمارے واسطے برق غضب ابر کرم ٹھہرا

اسیر اہل جہاں جتنے ہیں زر کی حرص رکھتے ہیں
یہ وہ ہے عہد جس میں نقش جب نقش درم ٹھہرا

ضبط گریہ جو نہ کرتا تو کہو کیا کرتا
مجھ سے ہوتا کہ تمہیں خلق میں رسوا کرتا
دل اسے آپ دیا چوک گیا اب ہے یہ سوچ
میں نہ دیتا تو وہ کیا مجھ سے تقاضا کرتا
کاش پھنستا نہ ابھی دام میں صیاد کے میں
چار دن اور گلستاں کا تماشا کرتا
داغ ہوتا جو مرا داغ لگاتا مرہم
درد ہوتا جو مرا درد مداوا کرتا
میں ٹھہرتا جو کسی نخل کے سایہ میں اسیر
بیچ تقدیر کا اس کو بھی بگولا کرتا

جو بحر شرم میں وہ مست ناز ڈوب گیا
یہاں سفینہ عمر دراز ڈوب گیا
نہ پوچھو سختی ہجراں میں حال کشتی عمر
لگی پہاڑ کی ٹکر جہاز ڈوب گیا
ضرور کیا ہے تمہیں روزہ اس نزاکت پر
کہ جی حضور کا وقت نماز ڈوب گیا
خیال سرو قد یار میں جو رویا میں
جو نخل باغ میں تھا سرفراز ڈوب گیا
شراب شیک نے پی طرفہ بے تمیزی سے
کہ مے میں جبہ بے امتیاز ڈوب گیا

تری نظر سے طیور فلک بچیں نہ بچیں
بلند ہو کے ہوا میں یہ باز ڈوب گیا
اسیر غم ہے اسی کا کبوتر دلک کو
کہ خوں میں پنجہ شاہین و باز ڈوب گیا

آہ کے دل سے نکلتے ہیں شرارے دو چار
روز لاتا ہے یہ بیمار حرارے دو چار
لطف برسات میں ہے بادہ کشی کا ساقی
دن بسر کیجئے دریا کے کنارے دو چار
روندیئے خاک کبھی پائے خبابستہ سے
گل چڑھا جایئے مرقد پہ ہمارے دو چار
گفتگو یار سے غیروں میں مناسب کیا تھی
یک دگر ہو گئے آنکھوں کے اشارے دو چار
رہتی ہے گور غریباں کی سرا کب خالی
آہی رہتی ہیں غم و درد کے مارے دو چار

کی مجمع احباب میں گفتار سمجھ کر
اک بات کہی ہم نے تو سو بار سمجھ کر
ظاہر میں میں اکسیر ہوں باطن میں کف خاک
لیتے ہیں تو لیں مجھ کو خریدار سمجھ کر
نیلام کے دن بھی نہ بکی جنس دل اپنی
چپ ہو رہے کچھ دل میں خریدار سمجھ کر
میں رند کہاں اور کہاں مسجد جامع
آیا تھا اسے خانہ خمار سمجھ کر
لی سلطنت دہر نہ درویش نے تیری
پھینکا سر سلطان پہ سے بار سمجھ کر

آنے نہیں دیتے وہ اسیر اپنی گلی میں
دیوانوں کو پریوں کا طرفدار سمجھ کر

قتل کرتی ہے اس قمر کی نظر
تیغ کی تیغ ہے نظر کی نظر
آنکھیں دیکھیں تری دماغ ہوا
کیا ملے ہم سے نامہ بر کی نظر
قدر آنسو کی جانتے ہیں ملک
جوہری رکھتے ہیں گہر کی نظر
دیدنی ہو نہ جس کا جلوہ حسن
خاک دیکھے اسے بشر کی نظر
قدرت حق ہے چشم یار اسیر
ہے قضا کی نگہ قدر کی نظر

مزاج وہ نہ رہا وصل یار کے نزدیک
جنوں ہوا جو دن آئے بہار کے نزدیک
وہی ہے زشت جو ہے زشت روبروئے حبیب
وہی ہے خوب جو ہے خوب یار کے نزدیک
بلا کے قیس کو دکھلا دے دور سے جلوہ
یہ کیا ہے لیلیٰ محمل سوار کے نزدیک

زنگاروں میں تیغ ہوں گرد ملال میں
جوہر چھپے ہیں پردہ تغیر حال میں
شکر خدا کہ نقص میں ہم کو کمال ہے
داخل ہیں ہم بھی حلقہ اہل کمال میں

آخر کلیم طور پہ غش کھا کے گر پڑے
نظارہ جمال غضب ہے جلال میں

در پیر مغاں ہے اور میں ہوں
مرا بخت جواں ہے اور میں ہوں
زمین کوئے جاناں کہہ رہی ہے
بلند اک آسماں ہے اور میں ہوں
نہ کعبہ سے نہ بتخانہ سے مطلب
وہ سنگ آستاں ہے اور میں ہوں
یقیں ہے اب بر آئے مطلب دل
فقط وہ جان جاں ہے اور میں ہوں
اسیر اندیشہ محشر کہاں کا
خدائے مہرباں ہے اور میں ہوں

خوش رہیں ہم سے جو وہ بات نہیں کرتے ہیں
ہم بھی ایسوں سے ملاقات نہیں کرتے ہیں
لگ گئی چپ سی جو مجھ کو سبب اس کا نہیں اور
بات اتنی ہے کہ وہ بات نہیں کرتے ہیں
کیا بیاں ہو ترے کوچہ کے فقیروں کا شکوہ
بادشاہوں سے ملاقات نہیں کرتے ہیں
ہم وہ ہیں دیتی ہیں حوریں کوثر کے قدح
فخر اے پیر خدا بات نہیں کرتے ہیں
کام رہتا ہے انہیں بادہ پرستوں سے مدام
رند ضائع کبھی اوقات نہیں کرتے ہیں

نیت صاف سے ہیں معتقد ان کے ہم رند
مُغبچے کوئی کرامات نہیں کرتے ہیں
کس قدر تازہ مضامین ہمارے ہیں اسیر
راست لکھتے مباہات نہیں کرتے ہیں

کاسۂ فقر لیں کلاہ نہ لیں
تیرے درویش تخت شاہ نہ لیں
سایہ تیغ کے سوا قاتل
تیرے زخمی کہیں پناہ نہ لیں
مر ہی جائیں دکھائے آنکھ جو یار
دم تہ خنجر نگاہ نہ لیں
جنس دل بیچنے کو نکلے ہیں
خواہ اسے مول لیں وہ خواہ نہ لیں
ہم تو ڈوبیں وہ نا خدا ہو کر
خیر سے کشتی تباہ نہ لیں
قلزم عشق ہے عمیق اسیر
آشناؤں سے کہہ دو تھاہ نہ لیں

خط نمودار ہوا وصل کی راتیں آئیں
جس کا ماندیفہ تھا منہ پر وہی باتیں آئیں
فاش پردہ ترے ہاتھوں سے ہوا خیمہ کا
رخنہ گر چشم سے کسا تک قناتیں آئیں
ان حسینوں نے بہت جمع جو کی دولت حسن
حوریں فردوس سے لینے لو نہ کاتیں آئیں

رکھ کے اور دن پہ برا مجھ کو کہا کرتے ہو
گالیاں دینے کی اچھی تمہیں گھائیں آئیں
گردش بخت موافق ہوئی صد شکر اسیر
ہجر کے روز کٹے وصل کی راتیں آئیں

جادہ راہ بقا غیر فنا ملتا نہیں
ہے خودی جب تک کہ انساں میں خدا ملتا نہیں
چشم نے کی مدتوں گردش تو پایا ایک تل
رزق انساں کو مقدر سے سوا ملتا نہیں
دے جو محتاجوں کو دنیا ہو کہ فرصت ہے ابھی
ڈھونڈھتا ہے خاک میں قاروں گدا ملتا نہیں
مدد موقع مدد کا ہے یہ اے باد مراد
ڈوبتی ہے اپنی کشتی ناخدا ملتا نہیں
شاعران حال کیا مضمون نوپائیں اسیر
ڈھونڈھتے ہیں یہ تخلص پر نیا ملتا نہیں

مرا چرچا ہے شہروں میں تری شہرت دیاروں میں
نہ بلبل مجھ سا لاکھوں میں نہ گل تجھ سا ہزاروں میں
نہیں داستاں کم لیلیٰ و مجنوں کے قصہ سے
لکھی جاتی ہے میری تیری الفت اشتہاروں میں
ہوئی محفل کی محفل سیر ساقی فیض سے تیرے
ادھر بھی کوئی ساغر ہم بھی ہیں امیدواروں میں
نہیں گمنام زنداں خانہ عالم میں مجنوں
مری دیوانگی کے تذکرے ہیں ہوشیاروں میں

نظر آتا ہے ترا چہرہ زیبا کس کو
حسن بے پردہ ہے پرتاب تماشا کس کو
کوچہ زلف میں زنجیر بھی ہے طوق بھی ہے
کون آفت میں پھنسے جا کے ہے سودا کس کو
گالیاں تک لب محبوب تک آئیں لیکن
ہم نے اتنا بھی نجانا کہ کہا کیا کس کو
شوق بوئے گل مقصود ادھر لایا ہے
ورنہ تھی گلشن امکان کی تمنا کس کو
فکر امروز میں مصروف ہیں سب اہل جہاں
اے اسیر ان میں ہے اندیشہ فردا کس کو

ہجر میں شام غم آئی ہے ستانے ہم کو
مدد اے مرگ کہ گھبرا ہے بلانے ہم کو
کہو اے کعبہ نشینو کہ ہے کیا اس میں صلاح
برہمن دیر سے آیا ہے بلانے ہم کو
ساقیا دغدغہ روز قیامت نہ رہا
کر دیا مست یہ قلقل کی صدا نے ہم کو
شعلہ شمع کے مانند ہوئی جان ہوا
کیا مٹایا تیرے دامن کی ہوا نے ہم کو
آئے زنداں سے عبث وادی حشت میں اسیر
کیا پریشان کیا تند ہوا نے ہم کو

خالق نے بے نیاز کیا مجھ حقیر کو
ملبوس خاص شاہ نے بخشا فقیر کو

بڑھ گئی ہے اور کھد جانے سے شان لکھنؤ
لامکاں سے کم نہیں کوئی مکان لکھنؤ
اب کہاں وہ لکھنؤ وہ ساکنا لکھنؤ
رہ گئی باقی زباں پر داستان لکھنؤ
پست اعلیٰ سیکڑوں ادنے ہوئے لاکھوں بلند
ہیں تہہ و بالا زمین و آسمان لکھنؤ
بے سروپا گھر سے نکلے سیکڑوں یوسف جمال
لٹ گئی ساری متاع کاروان لکھنؤ
منتخب میں منتخب ہے ذات تیری اے اسیر
لکھنؤ ہے جان عالم تو ہے جان لکھنؤ

کچھ چشم کی نگاہ ہے کچھ پیار کی نگاہ
ہے بین بین اس بت عیار کی نگاہ
شکوہ کروں میں جور فلک کا کہاں تلک
تقدیر پھر گئی جو پھری یار کی نگاہ
ہے قابل شفاعت احمد وہی اسیر
جس کی طرف ہے حیدار کرار کی نگاہ

چال الٹی تری تلوار چلی یاروں سے
بے گنہ قتل ہوئے پہلے گنہگاروں سے
ہوں خمیدہ تو حزر شرط ہے مکاروں سے
بھاگنا چاہئے گرتی ہوئی دیواروں سے
میں مطب میں جو گیا چھپ کے وہ پہچان گئے
ہنس کے بولے کہ الگ بیٹھئے بیماروں سے

کہتا نہیں کہ پان رقیبوں کو تو نہ دے
اتنا لحاظ کر کہ مرے روبرو نہ دے

بے گنہ جائیں کہاں اب کہ تری رحمت نے
بھر دیا گلشن جنت کو گنہگاروں سے
کون مہر وہی سفر میں کہ یہ کثرت ہے اسیر
منزلیں کم نہیں کچھ شہر کے بازاروں سے

دل کو نالوں کی دم نزع ہوس باقی ہے
منزل آخر ہوئی فریاد جرس باقی ہے
نہ سماعت نہ بصارت ہے نہ طاقت ہے نہ درد
اس خرابی پہ بھی جینے کی ہوس باقی ہے
زخمی اعضا کئے سر جسم سے وہ کاٹ چکے
لاش پر ایک تگا پوے فرس باقی ہے
چل کے کرنی ہے ائمہ کی زیارت بھی اسیر
زندگی اور جو دو چار برس باقی ہے

روح کے ساتھ ہی قالب میں قضا بھی آئی
شمع آئی مرے گھر میں تو ہوا بھی آئی
ساقیا دیر ہے کیوں کیوں نہیں چلتا ساغر
جھوم کر اب تو گلستاں میں گھٹا بھی آئی
دیکھئے خون ہو کس کس کا خدا خیر کرے
غازہ تیار ہوا پس کے حنا بھی آئی
حال پوچھو نہ شب ہجر کی بیداری کا
صبح تک نیند نہ آنکھوں میں ذرا بھی آئی
کہتی تھی اور حسینوں سے یہ تقلید اس کی
میرے صدقے میں تمہیں اتنی ادا بھی آئی
مہر عارض نہ گئی روز سیہ دل سے اسیر
دھوپ پھیلی رہی ہر چند گھٹا بھی آئی

قاتل کو شام سے ہے خوشی صبح عید کی
مہندی لگائی جاتی ہے خون شہید کی
چاہی جو درد دل کی کمی ہجر یار میں
آواز دی سروش نے ہل من مزید کی
ساقی شراب سے مجھے آتی ہے بوئے خوں
شیشہ شراب کا ہے کہ گردن شہید کی
یارب عیاں ہو جلد شب ہجر کی سحر
تخفیف چاہتا ہوں عذاب شدید کی
اے ترک بے گناہ ہمارا گلا نہ کاٹ
تفسیر دیکھ آ یہ حبل الورید کی

نہ زمیں کہ سر قصر آسماں نہ اٹھی
ہماری آہ کی، آندھی کہاں کہاں نہ اٹھی
ہمیں پہ آپ کی شمشیر امتحان نہ اٹھی
یہ موج صورت طوفاں کہاں کہاں نہ اٹھی
چلے جو ڈھونڈھتے ہم اپنے ساتھیوں کا پتا
جرس خموش ہوا گرد کارواں نہ اٹھی
میں وہ ہدف ہوں کہ آگے مری خجالت سے
سر خدنگ جھکا گردن کماں نہ اٹھی
یہ اہل حشر ہوئے تیرے محو نظارہ
نظر کسی کی سوئے گلشن جناں نہ اٹھی
لگا کے ہم کو کٹاری وہ ترک کہتا ہے
حلال کی تھی یہ کوڑی کہ رائیگاں نہ اٹھی
ہزار شکر کہ آ کر ہوئے وہ ہم خانہ
اٹھے گا لطف جو دیوار درمیاں نہ اٹھی
قدم کسی کا ٹھہرتا نہ سرفروشوں میں
بھلا ہوا کہ تری تیغ امتحاں نہ اٹھی

زباں پہ وصف لب اسکا نہ جب تلک آیا
اسیر لذت شیرینی بیاں نہ اٹھی

دل و صلت جاناں کا جو مشتاق ہوا ہے
کچھ اور نہیں واہمہ خلاق ہوا ہے
یاں زاد سفر ہے تو فقط توشہ عقبےٰ
شرمندہ مجھے لوٹ کے قزاق ہوا ہے
گھر بیٹھے وہ سب جانتے ہیں۔ حال ہمارا
الہام ہوا ہے انہیں اشراق ہوا ہے
روزی کی جو تنگی ہے اسیر اس میں ہے کیا فکر
خود رزق کا ضامن تو وہ رزاق ہوا ہے

مہندی ملنے کی اجازت جو ملی جاپائی
ہم بھی کرنے لگے اس شوخ سے ہاتھاپائی
اب رہا محکمہ حشر میں کون اپنا حساب
پاک دامن ہوئے سمجھا چکے آنہ پائی
سیر گلشن کو جو وہ برق تجلے آیا
پتی پتی نے ضیائے ید بیضا پائی
آب شمشیر سے سیراب ہوا بسکل شوق
رہرو تشنہ نے راحت لب دریا پائی
وسعت وادی دل کا ہو بیاں کس سے اسیر
ذرے ذرے میں یہاں وسعت صحرا پائی

غیروں پہ شب حضور کے کیا کیا کرم نہ تھے
اچھا ہوا کہ آپ کی محفل میں ہم نہ تھے

ذرہ مجھے خدا نے کیا تم کو آفتاب
رونق فروز آپ کہاں تھے کہ ہم نہ تھے
خرمن پہ میری برق نے نا حق کرم کیا
شعلے جگر کے آگ لگانے کو کم نہ تھے
تقسیم غم میں کوئی ہمارے سوا نہ تھا
بٹتا تھا جب سرور زمانہ میں ہم نہ تھے
کیونکر کہوں کہ گھر سے وہ نکلے تھے وقت شب
دیکھا جو صبح کو کہیں نقش قدم نہ تھے
جہاں میں چھپ کے چلے آئے ہم اسیر
بیدار ساکنان دیار عدم نہ تھے

باوفا بیوفا نہیں ہوتے
حرف مدغم جدا نہیں ہوتے
باغ میں آئی فصل گل تو کیا
دام سے ہم رہا نہیں ہوتے
ہے بجا گوشہ گیری عنقا
نامور خود نما نہیں ہوتے
لاکھ زیبا عروس دولت ہو
متوجہ گدا نہیں ہوتے
لکھنؤ میں ہو کیوں خراب اسیر
راہی کربلا نہیں ہوتے

خبر سنی ہے یہ کس کے ورد کی
شاخوں پہ لے رہے ہیں جو غنچے نمود کی
منصور دار پر بھی اناء الحق کہے گیا
حق پوچھیے تو بات بڑی کی نمود کی

ہے کون گل کہ معطر ہے ساری بزم
دور چراغ کشتہ میں خوشبو ہے۔ نمود کی
خوشبو نسیم لائی ہے اس گل کی اس طرف
اے دل درود پڑھ یہ جگہ ہے درود کی
لب تشنگان وادی حسرت کے واسطے
کافی ہے ایک موج ترے بحر جود کی

آنکھیں بیکار ہیں دیکھیں جو نہ صورت تری
دل وہ کیا دل ہے نہ ہو جس میں محبت تیری
کوئی پہنچا نہ ترے جلوہ گہہ ناز میں یار
راہ ڈھونڈھا کئے ہفتا دور ملت تیری
غنچہ دل کو مرے چاک نہ کر ڈرتا ہوں
کہ پریشان نہ ہو بوئے محبت تیری
باغ میں بلبل و گل بزم میں پروانہ و شمع
بھیس بدلے ہوئے پھرتی ہے محبت تیری
شعلہ نار سقر سے جو ڈرے اہل گناہ
ابر بن بن کے برسنے لگی رحمت تیری
ایک ساغر میں کئے سیکڑوں پیاسے سیراب
دیکھی اے پیر مغاں ہم نے کرامت تیری
آئی بہار پیر مغاں کا زمانہ ہے
جام و سبو نئے ہیں نیا کارخانہ ہے
پیدا تمہاری ذات سے سارا زمانہ ہے
مقصود تم ہو خلقت آدم بہانہ ہے

آیا ہے جو عدم سے عدم کو روانہ ہے
دو دن کی زندگی کا عجب کارخانہ ہے
ناداں ہیں مال و زر پہ جو رکھتے ہیں اعتماد
دولت کسی کی ہے نہ کسی کا زمانہ ہے
دونوں جہاں میں ایک حسیں ہے وہ بےمثال
کوئی برابر اس کے نہ ہو گا نہ تھا۔ نہ ہے

یاد کی زلف عدم کو ترے رنجور چلے
شام جب ہونے لگی چھوٹ کے مزدور چلے
ساقیا دور ہو غم دل کے پھپھولے پھوٹیں
فصل گل آئی ہے جام مئے انگور چلے
میکشو چاہئے مستان گزشتہ کی بھی یاد
ساتھ ہی جام کے جمشید کا مذکور چلے
آئے مقتل میں بہرطور تمہارے جاں باز
تھک گئے پاؤں تو آنکھوں سے بدستور چلے
ہم تھے نمدوست ہمیں عیش سے کیا مطلب تھا
راہ دوزخ نہ ملی خلد کو مجبور چلے
سطح گردوں کی طرح خاک پہ تارے چھٹکے
مری آنکھوں سے جو آنسو شب دیجور چلے
بڑھ گیا سوز جگر خواہش مے میں ساقی
ہو گئے زخم کہن تازہ جو انگور چلے
رخصت اے اہل جہاں سوئے عدم جاتے ہیں
پھر کے آئیں گے نہیں اب کی بہت دور چلے

سر فروشوں کو نہ کیوں سر ہو وبال گردن
دوش پر رکھ کے جو تلوار وہ مغرور چلے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں حد ادا اسیر
فصل گل آئے کہیں کام بدستور چلے

ہوئی تجھے تو خوشی ہم حزیں ہوئے تو ہوئے
بلا سے غیر ترے ہم نشیں ہوئے تو ہوئے
خطا معاف ہو صاحب گناہ گار سہی
قصور ہم سے جو صادر نہیں ہوئے تو ہوئے
چلے ہیں خلد کو حوروں سے دل لگائیں گے
خفا وہ ہم سے دم واپسیں ہوئے تو ہوئے

در پر جو ترے لحد بنی ہے
بے شمع و چراغ روشنی ہے
اللہ رے ہجر کی درازی
دن دونی ہے رات چوگنی ہے
لا جلد شراب صاف ساقی
کیا صاف چمن میں چاندنی ہے

لب پہ اے دل گلہ یار نہ آنے پائے
بات میں فرق خبردار نہ آنے پائے

○○

انتخاب دیوان امیرؔ حصّہ اوّل

نظر آتا ہے دل میں رنگ کیا کیا حسن خوباں کا
تماشا دیکھتا ہوں ایک غنچے میں گلستاں کا

نہیں ضبط فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں
لب خاموش سے پیدا ہے صدمہ درد پنہاں کا

کیا اظہار درد دل تو کھنچا میان سے خنجر
نیا نسخہ نکالا آپ نے یہ درد بہراں کا

ہوائے زلف میں اک حور کے سودا یہ چمکا ہے
بیاض صبح جنت ہے سواد اپنے بیاباں کا

امیر ایسا شگفتہ ہے ہجوم داغ سے پہلو
کہ ہر ناسور دل رخنہ ہے دیوار گلستاں کا

دکھانا چاہئے کچھ با کمین سودائے مژگاں کا
بہت اب نوک کی لیتا ہے ہر کانٹا بیاباں کا

نہ چھوڑا تار باقی دست وحشت نے گریباں کا
دیا ہر چند میں نے واسطہ یوسف کے داماں کا

جواب روضہ رضواں ہے تختہ کوئے جاناں کا
قضا چھڑکاؤ کرتی پھرتی ہے خون شہیداں کا

در آیا بن کے پتلی دیدہ خورشید محشر میں
اگر اونچا اڑا ذرہ کوئی اپنے بیاباں کا

ذرا سی چھیڑ میں کیوں پھوٹ بہتے ہو تم اے چھالو
اسی سے چھیڑتا ہے تم کو ہر کانٹا بیاباں کا

کتاب لوح محفوظ اے امیر اس کا ہے دیباچہ
سواد خامہ کن خاتمہ ہے اپنے دیواں کا

ہم سے بگڑ کے غیر کا تو یار ہو چکا
ہوتا جو تھا وہ اے بت عیار ہو چکا
زنجیر پا ہے ضعف سے ہر موج بوریا
شاہوں کا مجھ فقیر سے دربار ہو چکا
افسوس آنکھ خواب تغافل سے تب کھلی
جب آفتاب حشر نمودار ہو چکا
کافی ہے زلف جال بچھاتا ہے کس لئے
صیاد سے کہو میں گرفتار ہو چکا
باقی ہے کس کو حوصلہ اخفائے عشق کا
رسوا امیرؔ کو چہ و بازار ہو چکا

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا
بے کار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا
ٹھہریں کبھی کجوں میں نہ دم بھر بھی راست رو
آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا
خلعت پہن کے آنے کی تھی گھر میں آرزو
یہ حوصلہ بھی گورو کفن سے نکل گیا
مرغان باغ تم کو مبارک ہو سیر گل
کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا
میں شعر پڑھ کے بزم سے کیا اٹھ گیا امیرؔ
بلبل چہک کے صحن چمن سے نکل گیا

بے گانہ ہو کے سارے جہاں سے جدا ہوا
اے عالم آشنا جو ترا آشنا ہوا
سمجھے کفن نصیب جو بعد فنا ہوا
سرکار عشق سے ہمیں خلعت عطا ہوا

پچھتا رہے ہیں خون مرا کر کے کیوں حضور
اب اس پہ خاک ڈالیے جو کچھ ہوا ہوا
حور آ گئی نظر کہ پری کوئی دیکھ لی
سودا سا ہے امیر کو کیا جانے کیا ہوا

فراق یار نے بے چین مجھ کو رات بھر رکھا
کبھی تکیہ ادھر رکھا کبھی تکیہ ادھر رکھا
شکست دل کا باقی ہم نے غربت میں اثر رکھا
لکھا اہل وطن کو خط تو اک گوشہ کتر رکھا
برابر آئینے کے بھی نہ سمجھے وہ قدر دل کی
اسے زیر قدم رکھا اسے پیش نظر رکھا
نہ کی کنے سفارش میری وقت قتل قاتل سے
کماں نے ہاتھ جوڑے تیغ نے قدموں پہ سر رکھا
امیر اچھا شگونِ مے لیا ساقی کی فرقت میں
جو برسا ابرِ رحمت جائے مے شیشوں میں بھر رکھا

وہ ہوں جانباز مقتل پر گماں ہے مجھ کو گلشن کا
ترانہ بلبلوں کا جانتا ہوں بولنا رن کا
ترا خنجر گلے پر غیر کے کیونکر نہ رک جائے
کہ یہ غمزہ تو اے سفاک حق ہے میری گردن کا
بہار آئی ہے اے دست جنوں یا عید آئی ہے
گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک دامن کا
بہائے تیغ براں نقد جان اہل جرات ہے
بہت ہے تیز بازار راجل میں نرخ آہن کا
کرم فرما جو ہو ابر کرم میری زراعت پر
بنے برق تجلی دانہ دانہ میرے خرمن کا

اس کی چلمن سے نہ عاشق کو جدا رہنا تھا
زد پہ تیر نگہ ناز کے آ رہنا تھا
شوق پابوس حسیناں جو تجھے تھا ایدل
نقش پا بن کے سر راہ پڑا رہنا تھا
چشم نرگس نہ ملی دیدہ آ ہو نہ ملا
اے حیا تجھ کو انہیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا
تھی اگر برق تجلی کو نمائش منظور
بن کے شوخی تری چتون میں بنا رہنا تھا
ساز تھا مجھ سے جو آہ دل سوزاں کو امیر
ابر غم بن کے مری گور پہ چھا رہنا تھا

وصل کی شب بھی خفا وہ بت مغرور رہا
حوصلہ دل کا جو تھا دل میں بدستور رہا
گردش بخت کہاں سے ہمیں لائی ہے کہاں
منزلوں وادی غربت سے وطن دور رہا
جلوہ برق تجلی نظر آیا نہ کبھی
مدتوں جا کے میں زیر شجر طور رہا
زلف و رخ دونوں ہیں جانے سے جوانی کے خراب
مشک وہ مشک نہ کافور وہ کافور رہا
ہم بھی موجود تھے کل محفل جاناں میں امیر
رات کو دیر تلک آپ کا مذکور رہا

پکارتا ہے یہ ناز اس کی کبریائی کا
کہ لے اڑا ہے مجھے شوق خود نمائی کا
عزیز کیوں نہ ہو داغ اس کی بے وفائی کا
کہ ہے صلہ یہی مدت کی آشنائی کا

مرے نصیب یہ کہتے ہیں میرے نالوں سے
رہے خیال ہماری بھی نارسائی کا
میں آفتاب قیامت کو دیکھ کر سمجھا
کہ ہے کہ کوئی ستارہ شب جدائی کا
وہ آزمائش شمشیر ناز کرتے ہیں
یہ خوب وقت ہے تقدیر آزمائی کا
پہنچ سکا نہ وہاں نامہ بر تو دل نے کہا
کہ اور شکوہ لکھو خط میں نارسائی کا
انھو امیر نہیں ماننے کی وحشت دل
یہ عذر لنگ تمہاری شکستہ پائی کا

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالوں میں دل زار نہ تھا
کیا بلا تھی نگہ ہوش ربا ساقی کی
اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا
بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگاروں میں
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب نہ تھا
ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شباب نہ تھا
شکایت ان سے کوئی گالیوں کی کیا کرتا
کسی کا نام کسی کی طرف خطاب نہ تھا
وہ کہتے ہیں شب وعدہ میں کس کے پاس آتا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا
فلک نے افسر خورشید سر پہ کیوں رکھا
سبوئے بادہ نہ تھا ساغر شراب نہ تھا

ثبات بحر جہاں میں نہیں کسی کو امیر
ادھر نمود ہوا اور ادھر حباب نہ تھا

ہوا جو پیوند میں زمیں کا تو دل ہوا شاد مجھ حزیں کا
بس اب ارادہ نہیں کہیں کا کہ رہنے والا ہو میں یہیں کا
قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا
عجب مرقع ہے باغ دنیا کہ جس کا صانع نہیں ہویدا
ہزار ہا صورتیں میں پیدا پتا نہیں صورت آفریں کا
ہوائے مے میں ہوں محو ایسا چمن میں گھر کر جو ابر آیا
سیاہ مستی میں میں یہ سمجھا جہاز ہے آب آتشیں کا
اسیر دیکھا جو اس کا نقشہ تو نقشہ یوسف کا دل سے اترا
کہ نقش ثانی کے آگے ہوتا فروغ کیا نقش اولیں کا
بات کرنے میں تو جاتی ہے ملاقات کی رات
کیا بڑی بات ہے رہ جاؤ یہیں رات کی رات
ذرے افشاں کے نہیں کرمک شب تاب سے کم
ہے وہ زلف عرق آلود کہ برسات کی رات
زاہد اس زلف میں پھنس جائے تو اتنا پوچھو
کہئے کس طرح کٹی قبلہ حاجات کی رات
شام سے صبح تلک چلتے ہیں جام مئے عیش
خوب ہوتی ہے بسر اہل خرابات کی رات
لیلتہ القدر ہے وصلت کی دعا مانگ امیر
اس سے بہتر ہے کہاں کوئی مناجات کی رات

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح
کروٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح

صورت آئینہ اے دل تا کجا دیدار رخ
خاک چھان اب کوچہ گیسو میں شانے کی طرح
بادہ خوار و تم کو کیا خورشید محشر کا ہے خوف
چھا رہا ہے ابر رحمت شامیانے کی طرح
ایک بار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے
پھونک دے مجھ کو بھی میرے آشیانے کی طرح
کہتے بیدرد اس زمانے کے اطبا ہیں امیر
حال بیماروں کا سنتے ہیں فسانے کی طرح

ہو اگر ناز سے وہ بزم میں رقصاں جھک کر
چوم لے پاؤں سر گوشہ داماں جھک کر
مرتبہ پیش خدا ہوتا ہے اتنا ہی بلند
جس قدر جلتا ہے انساں سے انساں جھک کر
خاکساران زمیں کا ہے یہ شوق پابوس
رہ گئی ہے کمر گنبد گرداں جھک کر
تو وہ گلرو ہے اگر باغ میں رکھتا ہے قدم
چوم لیتی ہے قدم شاخ گلستاں جھک کر
یاد رکھ مصرع استاد یہ ہر وقت امیر
دوست دشمن سے ملے چاہئے انساں جھک کر

روحیں کشتوں کی گلے ملتی ہیں شاداں ہو کر
عید سے عید ہوئی یار پہ قرباں ہو کر
پتلیاں کب تری آنکھوں میں ہیں اے غیرت حور
دیکھنے آئی ہیں پریاں مجھے انساں ہو کر
ہو کے محمود میں ہوں بندہ فرمان ایاز
ناز پریوں کے اٹھاتا ہوں سلیماں ہو کر

جل گیا اگتے ہی دانا جو مری قسمت کا
آسیا رہ گئی انگشت بدنداں ہو کر
موسم گل میں تقاضا ہے جنوں کا یہ امیر
چاک ہو پیرہن زیست گریباں ہو کر

سنا کسی سے جو نام دوائے درد جگر
تڑپ کے دل نے صدا دی کہ ہائے درد جگر
زبان رک نہیں سکتی ہے رنگ چہرہ ہے زرد
کہاں تلک کوئی یارب چھپائے درد جگر
اٹھا کے آنکھ بھی دیکھا نہیں کسی کی طرف
ہوا کہاں سے یہ بیٹھے بٹھائے درد جگر
نہ کور باطن ہوائے برہمن ذرا تو چشم تمیز واکر
خدا کا بندہ بتوں کو سجدہ خدا خدا کر خداخدا کر
قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش
کدھر گئی ہائے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر
جو آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھا سحر کو سنسان سب سرا تھی
ہوا نہ ہمراہیوں سے اتنا کہ ساتھ لیتے مجھے جگا کر
شبیہ مدنظر ہے کس کی کہ پوری پوری نہیں اترتی
مٹا دئے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر
ہو بزم جاناں میں حشر برپا تڑپ کا دل کے تھا یہ تقاضا
مگر بڑی مشکلوں سے روکا ادب نے زانو دبا دبا کر
جواب رکھتی نہیں ہیں اپنا فسو نگری میں تمہاری آنکھیں
فریب دیتی ہیں اک جہاں کو نئے نئے شعبدے دکھا کر
امیر میری رگ گل کو یہ تیغ قاتل کی آرزو تھی
ملے وہ آ کر جو بعد مدت تو خوب رونے گلے لگا کر

پیش رخ پر نور ہے ہر دم سفری شمع
کیوں شام ہی سے ہو نہ چراغ سحری شمع
ظاہر میں ہے معشوق تو باطن میں ہے عاشق
سیرت میں ہے دیوانہ صورت میں پری شمع
پروانے کریں کس سے بیاں حال دل اپنا
سنتی ہی نہیں شکوہ بے بال و پری شمع
محفل میں کھلے بالوں کیا کوئی حسین آیا
بے وجہ نہیں تیری پریشاں نظری شمع
بہتے ہیں امیر اشک جو اس کے تو اثر کیا
ہے سوز و گداز غم الفت سے بری شمع

زلفیں آئی ہیں لٹک کر روئے جاناں کی طرف
پاؤں پھیلائے ہیں اس کافر نے قرآن کی طرف

جلد آ جاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق
دم میں آجائیں نہ حوروں کے تمہارے مشتاق
دل صد چاک بھی چلمن ہے کسی کمرے کی
سر جھکاتے ہیں تو کرتے ہیں نظارے مشتاق
مست ہونے کا انہیں حکم ہے اے نرگس یار
خوب پہچانتے ہیں تیرے اشارے مشتاق
تہ و بالا ترے دیدار کا طالب نہیں کون
گل زمیں پر ہیں تو گردوں پہ ستارے مشتاق
بے خودی تا بکجا آپ میں آؤ بھی امیر
دیر سے بیٹھے ہیں احباب تمہارے مشتاق

آئی جو کھل کے زلف رسا سر سے پاؤں تک
رہ رہ کے دیکھتی ہے قضا سر سے پاؤں تک
موقوف شمع پر نہیں کچھ سوزش دروں
جس پر گری یہ برق جلا سر سے پاؤں تک
گرمی سے حسن کی وہ ہوا ہے عرق عرق
دیکھو ٹپک رہی ہے ادا سر سے پاؤں تک
تڑپے شب وصال نہ کیوں کر نگاہ شوق
گھیرے ہوئے ہے ان کو ادا سر سے پاؤں تک
پہنچائے کربلا میں جو بخت رسا امیر
ملئے بدن میں خاک شفا سر سے پاؤں تک

آئے ہو تیغ کھینچ کے تم قتل گاہ میں
تولو تو پہلے موئے کمر کو نگاہ میں
بے ہوش کوئی بزم خرابات میں نہیں
مشہور یہ خبر ہے غلط خانقاہ میں
نکلا نہیں ہے خط ترے عارض پہ حسن نے
کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں
تو نے تو اے سیاہی شبہائے تار ہجر
دھبا لگا دیا مرے بخت سیاہ میں
اترے جو نشہ توبہ کریں ہم شراب سے
لغزش نہ تا زباں کو ہو عذر گناہ میں
کوچے سے تیرے اٹھ گیا شاید ترا فقیر
کملی سی اک پڑی ہوئی دیکھی ہے، راہ میں
پست و بلند دائرہ عشق میں نہیں
پائین و صدر ایک ہے اس بارگاہ میں

وہ تو سنتا ہی نہیں میں داد خواہی کیا کروں
کس کے آگے جا کے سر پھوڑوں الٰہی کیا کروں
مجھ گدا کو دے نہ تکلیف حکومت اے ہوس
چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں
مجھ کو ساحل تک خدا پہنچائے گا اے ناخدا
اپنی کشتی کی بیاں تجھ سے تباہی کیا کروں
کل گیا تھا پیش زاہد سوچتا ہوں دل میں آج
خدمت پیر مغاں میں عذر خواہی کیا کروں
وہ مرے اعمال روز و شب سے واقف ہے امیر
پیش خالق ادعائے بے گناہی کیا کروں

گلے میں ہاتھ تھے شب اس پری سے راہیں تھیں
سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں
کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ
وگرنہ ربط کی اس سے ہزار راہیں تھیں
فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ
جہاں بنے ہیں یہ میخانے خانقاہیں تھیں
مشاعرے سے حسین کیوں نہ چھین لے جاتے
رباعیاں مری چو گوشیہ کلاہیں تھیں
حسین زر کی ہیں طالب کہ اب ہیں گرد امیر
غریب ہم تھے تو یہ پیار تھا نہ چاہیں تھیں

دا کردہ چشم دل صفت نقش پا ہوں میں
ہر رہگزر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں
وحشت میں گو کہ قیس سے بڑھ کر نہیں مگر
اتنا کہوں گا ایک وہ تھا دوسرا ہوں میں

اس دل کا مبتلا ہوں جو رکھتا ہے داغ عشق
پروانہ چراغ حریم خدا ہوں میں
کہتی ہے ہر پلک تری زلف دراز سے
چھوٹے سے قد پہ میرے نجانا بلا ہوں میں
دامن سے لوگ اس کے اکثر لگے ہوئے ہیں
کوچے میں سیکڑوں کے بستر لگے ہوئے ہیں
کیا دیکھے عاشقوں کے وہ داغدار سینے
پھولوں کی کشتیوں میں زیور لگے ہوئے ہیں
کیا حال دل چھپاؤں جاسوس اس پری کے
اندر لگے ہوئے ہیں باہر لگے ہوئے ہیں
نامے وہ باری باری عشاق کے پڑیں گے
عجلت سے کچھ نہ ہو گا نمبر لگے ہوئے ہیں
مجھ بے نوا گدا کو پوچھے امیر وہ کیا
شاہوں کے اس گلی میں بستر لگے ہوئے ہیں

جب خوبرو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں
کہتا ہے حسن میں نہ رہوں گا حجاب میں
ملنے کا وعدہ منہ سے تو ان کے نکل گیا
پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں
ترغیب میرے قتل کی دو ان کو ہیرمو
ہے کار خیر تم بھی ہو داخل ثواب میں

خیال لب میں ابر دیدہ ہائے تر برستے ہیں
یہ بادل جب برستے ہیں لب کوثر برستے ہیں

ڈبو دیں گی یہ آنکھیں بادلوں کو ایک چھینٹے میں
بھلا برسیں تو میرے سامنے کیونکر برستے ہیں
جہاں ان ابروؤں پر میل آیا کٹ گئی لاکھوں
یہ وہ تیغیں ہیں جن کے ابر سے خنجر برستے ہیں
چھکے رہتے ہیں مے سے جوش پر ہے رحمت ساقی
ہمارے میکدے میں غیب سے ساغر برستے ہیں
وہاں ہیں سخت باتیں یاں امیر آنسو پر آنسو ہیں
تماشا ہے ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

کیوں نہ موسیٰ کو خطر ہو شوق برق طور میں
مشکلیں پڑتی ہیں سالک کو حجاب نور میں
فرش استبرق کی کچھ حاجت نہیں اے باغباں
بادہ کش ہیں پڑ رہیں گے سایہ انگور میں
کیسی موسی الن ترانی کی صدا کیسی امیر
حسن کے نیرنگ تھے خلوت سرائے طور میں

گم گشتہ دل کی تا بکجا جستجو کریں
ہاں اور دل ملے تو تری آرزو کریں
یارب وہ ذوق دے کہ ترے مست معرفت
مستی بغیر بادہ جام و سبو کریں
دامن ہے چاک چاک گریباں ہے تار تار
کس کس جگہ لباس ہم اپنا رفو کریں
نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگجو
جو اک نظر میں خون ہزار آرزو کریں

ظاہر میں ہم فریفتہ حسن بتاں کے ہیں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں
گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل
آئی صدا یہی تو مقام امتحاں کے ہیں
ٹھکرا کے میرے سر کو وہ کہتے ہیں ناز سے
لو ایسے مفت سجدے مرے آستاں کے ہیں

رہی اے گل سب کر وحوں کو تیری جستجو برسوں
پھرا کی کوبکو پیراہن یوسف کی بو برسوں
کہاں ہم سا ہے کوئی مرد میداں دشت وحدت میں
کیا ہم نے خموشی کی زباں سے ذکر ہو برسوں
سراپا جرم ہوں میں لیکن وہ رند پاک طینت ہوں
کیا زاہد نے میری آب خجلت سے وضو برسوں
ہوا ہوں آتش رنگ حنا سے خاک میں جل کر
مری مٹی سے آئے گی گل عشرت کی بو برسوں
کہاں ہوں گی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کرے گا یاد اے غم ہم کو بعد مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں
چھپائے منہ اگر وہ یوسف گل پیرہن دو دن
چمن کا منہ نہ دیکھے گا روان رنگ و بو برسوں
نہیں اے بیکسی بعد فنا کچھ خوف تنہائی
رہے گا میری تربت پر ہجوم آرزو برسوں
نہ کر اے یاس یوں برباد میرے خانہ دل کو
اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

امیر اس بے نشاں تک سعی سے کوئی جو جا سکتا
تو کیسے پاؤں ہم آنکھوں سے کرتے جستجو برسوں

رہے تصویر حیرانی ہم ان کے روبرو برسوں
لب خاموش سے کی درد دل کی گفتگو برسوں
رہیں کیونکر نہ توصیف دہن میں دم بخود شاعر
جگہ کچھ بھی اگر پاتے تو کرتے گفتگو برسوں
ہماری آنکھ نے کیا جانے کس حسرت سے دیکھا تھا
کہ تیغ یار رودہ چشم جوہر سے لہو برسوں
ہوا یہ قحط آب آتشیں ساقی کی فرقت میں
رہا ورد دعائے توبہ ہم کو بے وضو برسوں
امیراک مصرع ترتب کہیں صورت دکھاتا ہے
بدن میں خشک جب ہوتا ہے شاعر کا لہو برسوں

صورت غنچہ کہاں تاب تکلم مجھ کو
منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھ کو
مر کے راحت تو ملی پر ہے یہ کھٹکا باقی
آ کے عیسیٰ سر بالیں نہ کہیں تم مجھ کو
ایک کو ایک سے بڑھ کر ترے جلوہ کا ہے شوق
آنکھ کہتی ہے نگہ پر ہو تقدم مجھ کو
واہ اے بے خودی شوق کیا خوب سلوک
اس کو جب ڈھونڈ نکالا تو کیا گم مجھ کو
خلوت وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا
جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھ کو
میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے
پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھ کو

دھوکا کھائے ہوئے آدم کو زمانہ گزرا
ہنستے ہیں دیکھ کے اب تک لب گندم مجھ کو
مردمک ہوں کہ سویدا ہوں الٰہی کیا ہوں
دیدہ و دل میں جگہ دیتے ہیں مردم مجھ کو
دی صدا دل کو جو اس بزم میں تنہا چھوڑا
ساتھ لائے تھے اسی دن کے لئے تم مجھ کو
نگہ مہر کہاں یار جفا پیشہ کہاں
ملک الموت سے ہے چشم ترحم مجھ کو
تجھ کو قاتل ہی کے لعل لب خنداں کی قسم
نیم جاں چھوڑ نہ اے تیغ تبسم مجھ کو
وائے قسمت کہ یہاں قتل کی حسرت ہے امیر
اور وہ سمجھے ہیں سزاوار ترحم مجھ کو

گھر گھر تجلیاں ہیں طلبگار بھی تو ہوا
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو
پردے میں چاہتا ہے کہ ہنگامہ ہو بپا
اے آفتاب حشر نمودار بھی تو ہو
زاہد امید رحمت حق اور ہجوِ مے
پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

یاد زلف آئی دم نزع ستانے ہم کو
کس برے وقت میں گھیرا ہے بلانے ہم کو
قہر کرتی ہیں شب وصل تمہاری آنکھیں
اسی پردے میں تو مارا ہے حیا نے ہم کو

آئینہ دیکھ کے ہر بار وہ بت کہتا ہے
کودنمائی کو بنایا ہے خدا نے ہم کو
اتنی نسبت بھی کفایت ہے یہاں بخشش کو
کاش وہ اپنا گنہگار ہی جانے ہم کو
مدد اے مرگ کہ آفت میں پھنسا رکھا ہے
آگ نے خاک نے پانی نے ہوا نے ہم کو
وہ کہیں گے نہ اٹھا صدمہ فرقت دو دن
موت کیوں آئی ہے یہ داغ لگانے ہم کو
نقد ہوش و خرد و صبر نہ چھوڑا کچھ امیر
آج لوٹا غضب اس دزد حنا نے ہم کو

وصال پر ہے جو وصل امتحان کر دیکھو
امیر یوں ہی سہی چند روز مر دیکھو
کسی کا دل نہ دکھاؤ خدا کا خوف کرو
ذرا کلیجے پر اپنے ہاتھ دھر دیکھو
چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہوں غیروں سے
ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو
اٹھاؤ آنکھ یہ کیا شرم ہے خدا سے ڈرو
کسیکی جان کا ہو جائے گا ضرر دیکھو
امیر جلوہ وحدت سے آشنا ہو دل
وہی ظہور وہی شان ہے جدھر دیکھو

دل ہے وابستہ کسی زلف رسا سے کچھ ہو
اب تو سر میں یہی سودا ہے بلا سے کچھ ہو
دے کے خط اب کسے بھیجوں کہ بر آئے مطلب

جب نہ قاصد نہ کبوتر نہ صبا سے کچھ ہو
ملک گئے وہ کسی رستے میں تو مانند غبار
ہم لپٹ جائیں گے دامان قبا سے کچھ ہو
سخت جاں وہ ہوں نہ کٹ جاؤں اگر شرم سے میں
شرط بدتا ہوں جو پھر تیغ قضا سے کچھ ہو
نہ محبت کی وہ آنکھیں نہ وہ الفت کی نگاہ
حال دل کس سے کہوں تمتو خفا سے کچھ ہو
متوقع در دولت پہ کھڑے ہیں کب سے
اب تو ہم کو بھی عطا خوان عطا سے کھ ہو
عالم فقر میں تکلیف گوارا ہے امیر
نہ ملیں گے نہ ملیں گے امرا سے کچھ ہو

ہوں میں وہ میکش اٹھا ساقی مری تعظیم کو
گردن مائے مے خم ہو گئی تسلیم کو
آتے ہی اس مست کے گلزار میں آئی بہار
ابر اٹھا تعظیم کو شاخیں جھکیں تسلیم کو
ہیں وہ مردان خدا آفت میں راحت ہے انہیں
عید تھی قربانی فرزند ابراہیم کو
اپنے وقت مرگ سے غافل رہے اختر شناس
گو برابر جان کے رکھا کئے تقویم کو
چشمہ دیدار جاناں کی ہین دو نہریں امیر
جانتا ہوں خوب اصل کوثر و تسنیم کو

پہلے تو مجھے کہا نکالو
پھر بولے غریب ہے بلا لو

گھبرا کے ہم آئے تھے سو حشر
یاں پیش ہے اور ماجرا لو
اوروں پہ امیر تکیہ کب تک
تم بھی تو کچھ آپ کو سنبھالو

چاہنا ہم کو تو اس کا چاہئے
وہ ہمیں چاہے تو پھر کیا چاہئے
دل نے جب پوچھا مجھے کیا چاہئے
درد بول اٹھا تڑپنا چاہئے
کان جب آواز سنتے ہیں تری
آنکھ کہتی ہے کہ دیکھا چاہئے
حرص دنیا کا بہت قصہ ہے طول
آدمی کو صبر تھوڑا چاہئے
ہے مزاج اس کا بہت نازک امیر
ضبط اظہار تمنا چاہئے

حد نہیں کچھ مرے یوسف کے خریداروں کی
پھونک دے شہر نہ گرمی کہیں بازاروں کی
گھر سے تو کھینچ کے شمشیر نکل تو قاتل
بھیڑ چھٹ جائے گی دم بھر میں گنہگاروں کی
کھول کر بال جو آتے ہیں وہ زنداں کی طرف
کچھ بڑھا جاتے ہیں میعاد گرفتاروں کی

رہے وہ جان جہاں یہ جہاں رہے نہ رہے
مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے
خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد
پھر اختیار میں غافل زباں رہے نہ رہے
ہمارے دل سے مٹے گا نہ داغ شوق سجود
جبیں رہے نہ رہے آستاں رہے نہ رہے
امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل و داستاں رہے نہ رہے

پھولوں میں اگر ہے بو تمہاری
کانٹوں میں بھی ہو گی خو تمہاری
اس دل پہ ہزار جاں صدقے
جس دل میں ہے آرزو تمہاری
گردش سے ہے مہر و مہ کے ثابت
ان کو بھی ہے جستجو تمہاری

بہار آئی عجب حالت ہے ان روزں مرے دل کی
جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی
نئے بانکے بنے ہو تم نئی شمشیر باندھی ہے
نگاہ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے بسمل کی
چھپایا سب سے منہ مل کر ہمارے خون کی مہندی
عروسا نہ حیا کرنے لگی شمشیر قاتل کی
کلیجا منہ کو آجاتا ہے دل پہروں تڑپتا ہے
مرے درد جگر میں بھی چمک ہے تیغ قاتل کی
نہ سمجھو کھیل امیر الفت کی بازی جان لیتی ہے

کہے رکھتے ہیں ہم اچھی نہیں دگی دل کی
بہے بہر فنا میں جلد یارب لاش بسمل کی
کہ بھوکی مچھلیاں ہیں جو ہر شمشیر قاتل کی
تصور خیال کا آیا تو رونق بڑھ گئی دل کی
نگاہ قیس میں لیلیٰ سے آرائش ہے محفل کی
یہی دو چار دانے حاصل کشت محبت میں
نہیں اشک مسلسل بالیاں ہیں خرمن دل کی
امیر آئے گا روز عید قرباں گاہ میں قاتل
سپیدی چاہئے دیوار و در پر چشم بسمل کی

شکوہ جو کیا درد کا تلوار نکالی
خوب اس نے دوا سے دل بیمار نکالی
رسوائی ہوئی تیری ہے اے ترک ہمیں کیا
کیوں لاش ہماری سر بازار نکالی
صیاد کا رخ دیکھ لیا چاک قفس سے
یہ ہم نے قفس سے رہ گلزار نکالی
میں نزع میں عیسیٰ کو مری شکوہ تعظیم
کس وقت میں کس بات کی تکرار نکالی
چبھتی ہے جو نشتر کی طرح دل میں امیر آہ
ناصح نے وہی چھیڑ کی گفتار نکالی

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ تو سن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے
کیا کریں طالب دیدار حیا کا شکوہ
پردے آنکھوں پہ جب اس کا رخ روشن ڈالے

لوٹتی برق سر طور پھرے چار طرف
تو اگر آنکھ سوئے وادی ایمن ڈالے
اڑ چلے رقص میں پرواز کو پر پیدا ہو
اپنے کاندھے پر الٹ کر جو وہ دامن ڈالے
خون ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر
کیوں مری لاش پہ وہ بیٹھے ہیں دامن ڈالے

مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے
دیوانے کو ایک ہو بہت ہے
موتی کی طرح جو ہو خدا داد
تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے
جاتے ہیں جو صبر و ہوش جائیں
مجھ کو اے درد تو بہت ہے
اے تشنہ غم ہو لاکھ تن خشک
تیرے دم کو لہو بہت ہے
کیا غم ہے امیر اگر نہیں مال
اس وقت میں آبرو بہت ہے

دل کو طرز نگہ یار جتاتے آئے
تیر بھی آئے بو بے پر کی اڑاتے آئے
بادشاہوں کا ہے دربار درپیر مغاں
سیکڑوں جاتے گئے سیکڑوں آتے آئے
چھپ کے بھی آئے مرے گھر تو وہ دربانوں کو
اپنی پازیب کی جھنکار سناتے آئے
روز محشر جو بلائے گئے دیوانہ زلف
بیڑیاں پہنے ہوئے شور مچاتے آئے

کیا کہیں گے کوئی محشر میں جو پوچھے گا امیر
کیوں نہ بگڑی ہوئی باتوں کو بناتے آئے

ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی
آپ بدنام نہ ہوں دھوئیے شمشیر اپنی
جاں نثاروں سے وہ کہتے ہیں چڑھا کر تیوری
آج کل جھولتی ہے عرش پہ شمشیر اپنی
اے امیر اٹھ نہ سکے ضعف سے ہم تادم مرگ
جس جگہ بیٹھ گئے ہو گئی جاگیر اپنی
تیری افشاں کا اگر ذرہ زمیں پر گر پڑے
اختر گردوں جگہ پا کر جبیں پر گر پڑے
رات کو ہو فکر آرایش جو اس گل کو تو ماہ
چاندنی کا پھول بن کر آستیں پر گر پڑے
جائے گلشن میں جو وہ گلرو تو گل مہندی کی شاخ
سر جھکا کر اس کے پائے نازنیں پر گر پڑے
وہ شکار افگن اگر لے کر چلے تیر وکماں
نسر طائر جوڑ کر گندے زمیں پر گر پڑے
آفتاب عارض ساقی اگر چمکے امیر
خاک ہو کر برق آب آتشیں پر گر پڑے

ہم اور معرکہ امتحان سے ٹل جاتے
جواب پاؤں جو دیتے تو سر کے بھل جاتے
سیاہ کار وہ ہوں حشر میں حساب مرا
جو وقت صبح سے ہوتا چراغ جل جاتے
قبول خاطر روشندلاں اگر ہوتے

امیر نور کے سانچے میں شعر ڈھل جاتے

نمود خط ابھی اے حسن یار باقی ہے
اس آئینے کے جگر میں غبار باقی ہے
رہا قفس سے کرے بلبلوں کو کیا صیاد
ابھی تو باغ میں کچھ کچھ بہار باقی ہے
کلیم بیٹھ رہے طور پر خیال نہیں
کہ اور بھی کوئی امیدوار باقی ہے
برنگ شمع اترتی نہیں کبھی تپ غم
ہزار آئے پسینہ بخار باقی ہے
کہیں گے اہل عدم کو دکھا کے داغ امیر
یہی گل چمن روزگار باقی ہے

تیغ قاتل پہ ادا لوٹ گئی
رقص بسمل پہ قضا لوٹ گئی
پس گیا چشم عیسہ پر سرمہ
پائے رنگیں پہ حنا لوٹ گئی
اس روش سے وہ چلے گلشن میں
بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی
جان محزوں کی حقیقت کیا تھی
درد پہلو میں انجا لوٹ گئی
وار خالی نہ گیا قاتل کا
بچ رہا میں تو قضا لوٹ گئی
خنجر ناز نے کشتوں سے امیر
چال وہ کی کہ قضا لوٹ گئی

چیں چبیں پر نہ تہ خنجر قاتل آئے
وضع میں فرق خبردار نہ اے دل آئے
حال ہشیاری کا بیدار دلوں سے پوچھو
ہم تو غافل رہے عاقل گئے غافل آئے
مجھ سے صدمے نہ جدائی کے اٹھیں گے یارب
جان بھی ساتھ ہی جائے جو کہیں دل آئے
مذہب عشق میں تمیز بد و نیک ہے کفر
توبہ کیجئے جو خیال حق و باطل آئے
بے نقاب آئے جو وہ رات کو محفل میں امیر
شمع نے بڑھ کے کہا رونق محفل آئے

دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے
ہم ہیں وہ اے کلیم کہ غش کا تو ذکر کیا
جھپکی نہ آنکھ برق جمالوں کے سامنے
دنیا امیر کیا ہے جو ماتم کدہ نہیں
ہر دم یہاں ہی تازہ ملالوں کے سامنے

بیعت پیر مغاں طرفہ مزا دیتی ہے
سلسلہ ساقی کوثر سے ملا دیتی ہے
کیا عجب گر ترے بیمار کو صحت ہو جائے
یاد عارض اسی قرآن کی ہوا دیتی ہے
کیجئے غور تو دولت بھی پیمبر ہے امیر
کہ کریموں کو خدا سے یہ ملا دیتی ہے

صلح کل میں ہے ابھی شرکت کیں تھوڑی سی
اور اے پیر خرابات نشیں تھوڑی سی
کوچہ وہم ہے تاریک بھٹکنے کا ہے ڈر
چاہئے روشنی شمع یقیں تھوڑی سی
ایک قطرہ بھی نہ پینا مگر اے جان جہاں
اسی انداز سے کھلے کہ نہیں تھوڑی سی
کوچہ یار میں ہوں لاکھ طپش کے ساماں
پھر جو تسکین ہے دل کو تو وہیں تھوڑی سی
شور محشر کا سنا ذکر جو واعظ سے امیر
مل گئی لذت خال نمکین تھوڑی سی

بدقت بحر غم سے کشتی جان حزیں نکلی
کبھی بیٹھی کبھی اچھلی کہیں ڈوبی کہیں نکلی
عجب انداز سے مقتل میں اس کی تیغ کیں نکلی
کہ دل سے مرحبا نکلا جگر سے آفریں نکلی
تعلی میں کمی کی کب ہماری طبع عالی نے
بتایا آسماں جب شعر کی کوئی زمیں نکلی
ہوئی تھی راہ جو رنگیں تری رنگیں خرامی سے
وہی قوس قزح بن کر سر چرخ بریں نکلی
تصور بسکہ تھا دل میں امیر اس روئے زیبا کا
پری بن کر ہمارے منہ سے آہ آتشیں نکلی

فنا کیسی بقا کیسی حیا کیسے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

جفا دیکھو جنازے پر مرے آئے تو فرمایا
کہو تم بے وفا ٹھہرے کہ اب ہم بے وفا ٹھہرے

نہ خنجر بھی منہ موڑا نہ قاتل کی اطاعت سے
تڑپنے کو کہا تڑپے ٹھہرنے کو کہا ٹھہرے

یہ عالم بیقراری کا ہے جب آغاز الفت میں
دھڑکتا ہے دل اپنا دیکھئے انجام کیا ٹھہرے

شب وصلت قریب آنے نہ پائے کوئی خلوت میں
ادب ہم سے جدا ٹھہرے حیا تم سے جدا ٹھہرے

خیال یار آنکلا مرے دل میں تو یوں بولا
یہ دیوانوں کی بستی ہے یہاں میری بلا ٹھہرے

امیر آیا جو وقت بد تو سب نے راہ لی اپنی
ہزاروں کیڑوں میں درد و غم دو آشنا ٹھہرے

پامال سرکشوں کے رہے ہم جہاں رہے
دب کر زمیں کی طرح تر آسماں رہے

پوشیدہ خط سے جو ہر حسن بتاں رہے
اپنے دھوئیں میں آپ یہ شعلے نہاں رہے

راضی ہیں ہم کو پھیر کے منہ ذبح کیجئے
باقی نہ کوئی حوصلہ امتحاں رہے

گلشن میں مجھ سے ہے یہ تقاضائے اضطراب
کھٹکا جو جس شجر میں وہیں آشیاں رہے

صیاد ادھر خلاف ادھر باغباں امیر
ہم بار خاطر قفس و آشیاں رہے

قصیدہ

فصل گل آئی ہوا گلزار جنت بوستاں
بڑھ کے رضواں سے ہے ان روزوں دماغ باغباں
ہر روش پر بیٹھی ہے بزاز بن کر خرمی
جس طرف دیکھو کھلی ہے سبز مخمل کی دکاں
نوعروسان چمن کو ہے جواہر کا جو شوق
بیچنے فیروزہ آئی ہے چمن میں آسماں
یوں ہے جنبش میں ہوا سے ہر نہال سایہ دار
ہو خراماں جس طرح کوئی حسیں دامنکشاں
چودھویں کا چاند ہے جو چاندنی کا پھول ہے
چادر مہتاب ہے فرش فضائے بوستاں
غنچہ و سوسن سے ہے کیا شکر احسان بہار
وہ زبان بے دہن ہے یہ دہان بے زباں
گرچہ صحن باغ میں ہر سال آتی ہے بہار
اور آتا ہے نظر رنگ زمین و آسماں
ہے سبب اس کا کہ ان روزوں ہوا مسند نشیں
سرو گلزار ریاست صاحب بخت جواں
منبع جود و سخاوت معدن لطف و کرم
ماہ اوج چرخ قدرت مہر اوج کن فکاں
انتخاب صنع حق عالی نسب والا حسب
روح جسم انس و جاں فخر زمین و آسماں
نام نامی وہ کہ ہے سب کے نگیں دل پہ نقش
نامور کلب علی خان بہادر نوجواں

انتخاب دیوان امیرؔ حصّہ دوم

یہ آفتاب ہے گرم اس کی کبریائی کا
کہ ذرہ ذرہ ہے آئینہ خودنمائی کا

حیا تو یہ ہے کہ ستر ہزار پردوں میں
مگر ہے شوق اسے عالم آشنائی کا

سمجھ رہا ہے جسے حشر و نشر تو زاہد
کرشمہ وہ بھی ہے اک اس کی خوش ادائی کا

جو بندہ ہے تو مزہ بندگی میں پیدا کر
نہیں وہ بندہ جسے ذوق ہو رہائی کا

بشر سے حمد الٰہی امیر کیا ممکن
پہاڑ اٹھائے کہاں حوصلہ یہ رائی کا

پھول بھی تھے پھل بھی تھے اس سرزمیں پر کیا نہ تھا
آج ہے ویراں کبھی آباد ہر ویرانہ تھا

دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر
تھا اناالحق حق مگر اک حرف گستاخانہ تھا

پھول جس گھر میں چنے جاتے تھے اب ہوتے ہیں
پھول
آج وہ ماتم سرا ہے کل جو عشرت خانہ تھا

گور میں آکر ہوا کوئی نہ غربت کا شریک
جو یگانہ تھا جھپکتے ہی پلک بے گانہ تھا

آزما دیکھا اسے سو بار ہم نے اے امیر
آشنا سے آشنا بے گانے سے بے گانہ تھا

پڑا صد شکر جو داغ اپنے سینے میں جدائی کا
ستارہ بن گیا آخر وہ صبح آشنائی کا

الٰہی کون سے مجرم کی آمد ہے قیامت میں
ہوا ہے حکم رحمت کو یہ کس کی پیشوائی کا

ہدف دل کو بناتے ہیں جو کچھ کہئے تو کہتے ہیں
سکھاتے ہیں چلن تیروں کو اپنے دلربائی کا

نئی دھج اس نے مقتل میں دکھائی نیمجانوں کو
لگایا با کمین پر اور طرہ کج ادائی کا

امیر اس خرقہ و عمامہ کو بھی رہن مے کردو
ابھی تم پر نہیں پھبتا ہے جامہ پارسائی کا

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

دھبا نہیں دیتا ہے لہو حسرت دل کا
اس خون سے تر دامن قاتل نہیں ہوتا

یہ شعر وہ فن ہے کہ امیر اس کو جو برتو
حاصل یہی ہوتا ہے کہ حاصل نہیں ہوتا

خضر رہ مقصود اگر دل نہیں ہوتا
منزل کا پتا سیکڑوں منزل نہیں ہوتا

راحت کا نکلتا نہیں اس کے کوئی پہلو
مایوس بھی کمبخت مرا دل نہیں ہوتا

غم نہیں جی تن سے نکلا دل گیا
مل گئے تم مجھ کو سب کچھ کو سب کچھ مل گیا

اے نگاہ یاس تیرا ہو برا
گھر تلک روتا ہوا قاتل گیا

آبنی دم پر جہاں بگڑے حضور
لب ہلائے آپ نے دل ہل گیا

کیا ملا مجھ کو ملا کر خاک میں
ہاں لقب عاشق کشی کامل گیا
وائے قسمت غافل آیا میں امیر
عمر بھر غافل رہا غافل گیا

دامنوں کا نہ پتا ہے نہ گریبانوں کا
حشر کہتے ہیں جسے شہر ہے عریانوں کا
گھر ہے اللہ کا گھر بے سروسامانوں کا
پاسبانوں کا یہاں کام نہ دربانوں کا
گور کسریٰ و فریدوں پہ جو پہنچوں تو کہوں
تم یہاں سوتے ہو کیا حال ہے ایوانوں کا
قحط روزی یہ جہاں میں ہے کہ کہتے ہیں ہنود
رمضاں خوب مہینہ ہے مسلمانوں کا
قدرداں چاہئے دیواں ہمارا ہے امیر
منتخب مصحفی و میر کے دیوانوں کا

تابع دیں کبھی دولت پہ نہ شیدا ہو گا
پیرو شرع خدا کیا سگ دنیا ہو گا
معرفت کے لئے ہے ترک تعلق لازم
خوب سمجھے گا وہ تنہا کہ جو تنہا ہو گا
مرگ کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر کر وہی سوئے گا جو جاگا ہو گا
ہم نے اندیشہ پیری میں جوانی کاٹی
رات بھر خوف رہا صبح کو اب کیا ہوگا

کیا ہوا لاش پہ میری جو وہ ہنستا آیا
چھپ کے اغیار سے تنہائی میں رویا ہو گا
عشق مژگاں میں کہاں صورت آرام امیر
نیند اڑ جائے گی بستر پہ جو کانٹا ہو گا

سرد آہیں جب کسی نے کیں وطن یاد آ گیا
چار جھونکے جب چلے ٹھنڈے چمن یاد آ گیا
جس جگہ دو گز زمیں پائی کھدی سمجھا میں گور
جب نئی دو چادریں دیکھیں کفن یاد آ گیا
تن سے باہر آ کے دھیان آیا عدم کا روح کو
قید سے چھٹ کر مسافر کو وطن یاد آ گیا
نزع میں سنگیں دلی کا حال شیریں پر کھلا
موت کی سختی اٹھائی کوہکن یاد آ گیا
رہ گیا اپنے گلے میں ڈال کر باہیں غریب
عید کے دن جس کو غربت میں وطن یاد آ گیا

مرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا
یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا
جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی
وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا
میں زباں سے تم کو سچا کہوں لاکھ بار کہہ دوں
اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا
ترے ناوک ادا سے کبھی ہار تا نہ ہمت
جگر اس سے آگے ہوتا جو جگر کے پار ہوتا
شب وصل تو جو بے خود امیر مچوکا

ترے آنے کا کبھی تو اسے انتظار ہوتا

داغ دل میں جو ہے جوانی کا
گل ہے یہ شمع زندگانی کا
راہ میں وہ مجھے ملے تو ہوا
سامنا مرگ ناگہانی کا
اے غم یار میں نہیں مٹتا
نام مٹتا ہے، ناتوانی کا
منتظر حشر میں ہے دامن تر
مہر محشر کی مہربانی کا
زیست کا اعتبار کیا ہے امیر
آدمی بلبلا ہے پانی کا

لاکھ دنیا میں پھنسوں چال وہ چل جاؤں گا
کہ میں اس بھول بھلیاں سے نکل جاؤں گا
اس سرا میں میں مسافر نہیں رہنے آیا
رہ گیا تھک کے اگر آج تو کل جاؤں گا
خبر آئی کہ وہ آتا ہے عیادت کے لئے
اب کچھ امید پڑی ہے کہ سنبھل جاؤں گا
مستی ان آنکھوں میں آتی ہے تو کہتا ہے حجاب
دیکھ تو آئی تو میں گھر سے نکل جاؤں گا
قدرداں مصحفی و حضرت سودا تھے امیر
لے کے تربت پہ انہیں کی غزل جاؤں گا

دم اخیر ہے لازم نظارہ کر لینا
خدا سے کام پڑا ہے بتو خبر لینا
گلے سے قتل کے دن عضو عضو کہتا ہے
مری طرف سے بھی خنجر کو پیار کر لینا
امیر جاتے ہو بتخانے کی زیارت کو
پڑے گا راہ میں کعبہ سلام کر لینا

ناوک ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا
درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا
لوٹ جاتے تھے حسیں دیکھ کے آنا دل کا
کیا موافق تھا جوانی میں زمانا دل کا
کہتے ہیں کیا میں کروں سن کے فسانا دل کا
وہی جھگڑا وہی دکھڑا ہے پرانا دل کا
دل مرا لے کے دکھا دی مجھے مٹھی خالی
پھر کہا دیکھ لیا ہاتھ سے جانا دل کا
ہر نگہ وصل میں اس شوخ کی کہتی امیر
ہو جسے حکم اڑا دے وہ نشانا دل کا

کان میں بجلیوں سے حسن دوبالا ہوتا
اشب برق کو چمکا کے نکالا ہوتا
ناتوانوں کو گرایا تو فلک کیا پایا
کسی گرتے ہوئے بیکس کو سنبھالا ہوتا
حسن بے پردہ سرطور پکارا آ کر
چھپتے جب ہم کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا
لطف حسرت کی نگاہوں کا تو جب تھا کہ امیر
ان نگاہوں کا کوئی دیکھنے والا ہوتا

وادی گرم محبت ہیں ہیں کانٹے پیاسے
کاش اک چھوٹی سی چھاگل چھالا ہوتا

جھونکا ادھر نہ آئے نسیم بہار کا
نازک بہت ہے پھول چراغ مزار کا
شاخوں سے برگ گل نہیں جھڑتے ہیں باغمیں
زیور اتر رہا ہے عروس بہار کا
پھر بیٹھے بیٹھے وعدہ وصل اس نے کر لیا
پھر اٹھ کھڑا ہوا وہی روگ انتظار کا
ہمراہ ہے جو حسرت وارماں کی بھیڑ بھاڑ
تابوت اٹھا امیر غریب الدیار کا
موباف کھل گیا ہے کسی گلعذار کا
آنچل لٹک رہا ہے عروس بہار کا

سر کے وہ پاؤں ہو کے جو ہمدوش نقش پا
فریاد کر اٹھے اب خاموش نقش پا
رکھ دیں وہ آ کے پاؤں سردوش نقش پا
اس شوق میں کشادہ ہے آغوش نقش پا
اے مست ناز دیکھ کے رکھ راہ میں قدم
چھلکے کہیں نہ بادہ سر جوش نقش پا
دور خرام ناز ہے کس مست حسن کا
ساغر بکف ہے دست قدح نوش نقش پا
وحدت کی جلوہ گاہ ہے یہ مشت خاک امیر
ہیں ایک چشم و گوش و بردوش نقش پا

نادان ہو دھوکا ہے تمہیں زلف رسا کا

سایہ ہے بتو سر پہ تمہارے یہ خدا کا
اللہ رے شب غم کی سیاہی کی سحر بھی
پڑھتی ہوئی آتی ہے عمل رد بلا کا
ماتم میں جو کھلجاتا ہے اس شوخ کا جوڑا
اڑ چلتا ہے رنگ اور مری بزم عزا کا
مشتاق امیر اٹھ گئے دنیا سے ہزاروں
پردہ رخ محبوب سے اٹھا نہ حیا کا

ایک دل ہم دم مرے پہلو سے کیا جاتا رہا
سب تڑپنے تلملانے کا مزا جاتا رہا
سب کرشمے تھے جوانی کے جوانی کیا گئی
وہ امنگیں مٹ گئیں وہ ولولہ جاتا رہا
آنے والا جانے والا بے کسی میں کون تھا
ہاں مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا
آنکھ کیا ہے موہنی ہے۔ سحر ہے اعجاز ہے
اک نگاہ لطف میں سارا گلا جاتا رہا
آیت لا تقنطو اتری تو عاصی بول اٹھے
اک نگاہ لطف میں سارا اگلا جاتا رہا
کیا بری شے ہے جوانی رات دن ہے تاک
جھانک
ڈر بتوں کا اک طرف خوف خدا جاتا رہا
کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا امیر
جانے دو اک بے وفا جاتا رہا جاتا رہا

ہر جام میں ہے جلوہ مستانہ کسی کا

میخانہ ہمارا ہے جلو خانہ کسی کا
بدلی ہے کہ میخانہ ہے بجلی ہے کہ مے ہے
یہ رعد ہے یا نعرہ مستانہ کسی کا
نکلا ہے کسی شمع جہاں سوز کی دھن میں
خورشید قیامت بھی ہے پروانہ کسی کا
بے کار امیر اپنے دل و دیدہ نہیں ہیں
آئینہ کسی کا ہے یہ وہ شانہ کسی کا

پاؤں پر تیرے جو سر ہے ترے شیدائی کا
بوسہ مقصود ہے پر وہ ہے جبیں سائی کا
لامکاں پر طلب احمد کو خدا نے بھی کیا
متحمل ہو بشر کیا غم تنہائی کا
پیاس اس کی جو بجھے گی تو مئے کوثر سے
ظرف عالی ہے امیر احمد مینائی کا

مری تربت پہ اگر آئیے گا
عمر رفتہ کو بھی بلوائیے گا
سب کی نظروں پہ نہ چڑھیے اتنا
دیکھئے دل سے اتر جائیے گا
زرق برق آپ کی بیوجہ نہیں
درد دل کو مرے چمکائیے گا
حسرتیں نزع میں بولیں مجھ سے
چھوڑ کر ہم کو کہاں جائیے گا
جس طرح عمر گزرتی ہے امیر
آپ بھی یونہی گزر جائیے گا

میری طرح نہ اک دن ابر بہار رویا
وہ ایک بار رویا میں لاکھ بار رویا
مجنوں سے میں نے پوچھا کل حال بے خودی کا
کچھ کہہ سکا نہ منہ سے پر زار زار رویا
کیا بیکسی کا عالم میرے مزار پر ہے
جو آ گیا وہ بن کر شمع مزار رویا
آواز دے رہے ہیں مقتل میں زخم بسمل
خنداں ہوا جو پہلے انجام کار رویا
پوچھی امیر سے کل میں نے جو دل کی حالت
سینے پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار رویا

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا
بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا
اے برق حسن یار یہ اچھا ظہور تھا
دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا
واعظ دبی زبان سے کرتا تھا ذکر حور
اتنا لحاظ دختر رز کا ضرور تھا
لپٹا میں بوسہ لے کے تو بولے کہ دیکھئے
یہ دوسری خطا ہے وہ پہلا قصور تھا
اس حور نے جو ہاتھ سے اپنے پلا دیا
پانی میں بھی سرور شراب طہور تھا
سو شعر ایک جلسے میں کہتے تھے ہم امیر
جب تک نہ شعر کہنے میں ہم کو شعور تھا

کام جاں حسب مدعا نہ ہوا
دل بپا تو مگر حنا نہ ہوا
تیس دن مے پلائی ساقی نے
ایک روزہ مرا قضا نہ ہوا
شرم عصیاں سے جو بہا آنسو
اس کی رحمت کو اک بہانہ ہوا
دل ہوا خون پر وفا ہے وہی
رنگ اس پھول سے جدا نہ ہوا
صورت لالہ اس چمن میں امیر
داغ دل سے مرے جدا نہ ہوا

ان ہونٹوں پہ کھیلنا ہنسی کا
کھلنا دکھلا گیا کلی کا
گلگیر ہوں میں وہ شمع محفل
رہتا ہے مزا جلی کٹی کا
بجلی کی پڑے نقاب اس پر
نقشہ جو کھنچے تری ہنسی کا
کاجل یہ نہیں ہے انکھڑیوں میں
اٹھا ہے دھواں تری مستی کا
بجلی شب مہ میں ہیں وہ آنکھیں
جل جائے نہ کھیت چاندنی کا
کیا ساتھ دیا امیر میرا
قائل ہوں میں وضع بے کسی کا

اس شان سے وہ برق وش آتا ہے ادھر آج
گلنار دوپٹے سے بھی اُڑتے ہیں شرر آج
غیروں سے کبھی ہے کبھی مجھ سے ہے لگاوٹ
بہکی ہوئی پھرتی ہے محبت کی نظر آج
عالم میں رواج اب یہ ہوا بے ہنری کا
ہم عیب کے مانند چھپاتے ہیں ہنر آج
کس لطف سے جھنجھلا کے وہ کہتے ہیں شب وصل
ظالم تری آنکھوں سے گئی نیند کدھر آج
مانگی ہے دعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوش تمنا کی طرح باب اثر آج
کس غیرت خورشید سے ہوتی ہے جدائی
اوڑھے ہوئے کیوں شام کملی ہے سحر آج
بیٹھا ہے امیر اس کی بغل میں مراد دشمن
رہ رہ کے جو اٹھتا ہے مرا درد جگر آج

×——×

سچ کہہ پسند کس کی ہے اے خوبرو پسند
تجھ کو عدو پسند ہے مجھ کو ہے تو پسند
اللہ رے جوش ناز و ادا بزم یار میں
پس پس گیا ہے آج دل آرزو پسند
خنجر دکھا کے کہتے وہ بات بات پر
ہم کو تو اس زبان سے ہے گفتگو پسند
آؤ جو میرے قتل کو اتنا رہے لحاظ
ناوک جگر پسند ہو خنجر گلو پسند
کھل کر کہو کہ بوسہ گیسو نہ دیں گے ہم
یہ الجھی الجھی ہم کو نہیں گفتگو پسند
بلبل نثار گل پہ ہے پروانہ شمع پر
ذرے کو مہر ہم کو ہے وہ ماہر وپسند

دن رات ذکر شعر و سخن سے ہے کام امیر
باتیں یہی پسند یہی گفتگو پسند

جس دن سے اس غریب کو آیا ہے تو پسند
ہے کس غضب میں جان دل آرزو پسند

یہ جھک پڑا جہاں وہیں دریا بہا دیا
ساقی مجھے ہے ہمت دست سبو پسند

دل ہے ترا جگر ہے ترا جان ہے تری
ہرگز نہیں دریغ کرے جس کو تو پسند

زاہد کو گر یہ وقت عبادت ضرور ہے
اللہ کو نماز نہیں بے وضو پسند

ہے لکھنؤ کی جان تو کلکتے میں امیر
خاک آئے میری آنکھ کو اب لکھنؤ پسند

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر
سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

کوہکن کوہکنی شیوہ عشاق نہیں
ہے جو عاشق دل معشوق میں گھر پیدا کر

رنگ چاہے اگر اس باغ میں آزادی کا
نکہت گل کی طرح شوق سفر پیدا کر

اپنی گردش پہ بہت ہے تجھے اے چرخ گھمنڈ
جب میں جانوں کہ شب غم کی سحر پیدا کر

کس قدر روشن ہے پھولوں سے شبستان بہار
شاخ ہر گلبن کی ہے سرو چراغاں بہار

نشہ کے ڈورے جو ہیں اے مست آنکھوں میں تری
ہے بجا ان کو اگر کہئے رگ جان بہار

گوہر شہوار شبنم نزر دیتی ہے صباء
تخت گل پر رونق افزا ہے جو سلطان بہار
مے فروشوں سے کہو کھینچیں وہ انگوری شراب
کوپلیں پھوٹیں ہوا گلشن میں سامان بہار
جوش گل سے ہے یہ ارزاں نرخ بازار اے امیر
کوڑی کوڑی بک رہے ہیں ماہ کنعان بہار

گئے وہ ہم سے بیماری میں لڑ کر
طبیعت اب نہ سنبھلے گی بگڑ کر
وہ مجرم ہیں نہ رضواں بھی اٹھائے
در جنت پہ ہم بیٹھیں جو اڑ کر
فراق یار میں نفرت ہے مے سے
الگ بیٹھا ہوں ساقی سے بگڑ کر
کہاں آیا ہے میرے پاس شیشہ
نکالو بھی اسے گردن پکڑ کر
امیر اک شہر ناپرساں ہے وہ بزم
وہاں تم کیا بناؤ گے بگڑ کر

ملا نام خدا وہ مرتبہ تجھ کو حسیں ہو کر
فلک کرتا ہے مجرا تیری چوکھٹ کو زمیں ہو کر
بہار لالہ و گل پھر کبھی کا ہے کو دیکھیں گے
چلے ہیں اس چمن سے ہم نگاہ واپسیں ہو کر
امیر اک آئینہ خانہ تھا دنیا جس کو کہتے ہیں
وہی صورت رہی پیش نظر نکلی کہیں ہو کر

ہجوم ایسا نگاہوں کا ہوا ہے ان کی چلمن پر
کہ دہرے پردے جالی کے پڑے ہیں روئے روشن پر
وہ میکش ہوں کہ مستی میں ذرا بھی گر قدم پھسلے
بطے اڑ کے میرا ہاتھ رکھ لے اپنی گردن پر
گل خورشید بھی آندھی ہے میرے جی جلانے کو
چمک کر دھوپ بجلی بن گئی شاخ نشیمن پر
اذیت سے نہیں روتا ہوں مین مظلوم دنیا میں
بھر آئے ہیں مرے آنسو مال کار دشمن پر
امیر انساں کا دل جلنا گوارا مجھ کو ہو کیونکر
مرے آنسو نکل آتے ہیں اکثر حال گلخن پر

جو لپٹ بھی جائے وہ گل بدن تو نہوں میں ہجر کے ڈر سے خوش
وہ کلیم تھے ہوئے طور پر جو نمود برق شجر سے خوش
ہوئی سرد آگ جحیم کی وہ سیاہ کار میں رند ہوں
کہ تمام مردم حشر ہیں مرے ایک دامن تر سے خوش
کہو کس صنم پہ نظر پڑی کہو کس حسیں نے کیا کرم
بہت اے امیر وطن کو تم جو پھرے ہو اب کے سفر سے خوش

تھک چکے پر ہے سر سیر بیاباں اب تک
وہی کانٹے ہیں وہی گوشہ داماں اب تک
قید سے دشت میں آئے ہوئے مدت گزری
شوق میں میرے کھلا ہے در زنداں اب تک
پیری آئی ہوئے سب موئے سیہ سر پہ سفید

صبح ہوتی نہیں لیکن شب ہجراں اب تک
عمر گزری ہے الٰہی اجل آتی ہے نہ یار
کوئی مشکل مری ہوتی نہیں آساں اب تک
شعر اٹھ گئے دنیا سے مگر دیکھ امیر
اچھے شعروں کا زمانہ ہے ثناخواں اب تک

کروں ضبط نفس ہمدم کہاں تک
لگی ہے آگ اک دل سے زباں تک
بہار آخر ہے اور میں بے پر و بال
قفس سے ڈاک بیٹھے آشیاں تک
ہزاروں حسرتوں کا ہو گیا خون
کہاں تک پاس رسوائی کہاں تک
مری واماندگی کہتی ہے مجھ سے
پہنچنا ہو چکا اب کارواں تک
غش آیا زاہد و مسجد میں بے مے
چلو لے کر مجھے پیر مغاں تک
کہاں ہم اے امیر اب اور کہاں داغ
یہ جلسے ہو چکے خلد آشیاں تک

اسے دیکھا تصدق کر دیا دل
کسی کو کیا مری آنکھیں مرا دل
یہ داغ عشق سے ہے عشق مجھ کو
سمجھتا ہوں اسے میں دوسرا دل
امیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا
نگاہیں بول اٹھیں وہ لیلیا دل

ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں
کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں
میں جاگ رہا ہوں اے شبِ غم
پر میرے نصیب سو رہے ہیں
اے حشر مدینے میں نہ کر شور
چپ چپ سرکار سو رہے ہیں
دل چھین کے ہو گئے ہیں غافل
فتنے وہ جگا کے سو رہے ہیں
محفل برخاست ہے پتنگے
رخصت شمعوں سے ہو رہے ہیں
ہے کوچ کا وقت آسماں پر
تارے کہیں نام کو رہے ہیں
ان کی بھی نمود ہے کوئی دم
وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں
دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو
کچھ ہوش نہیں ہے سو رہے ہیں
زانو پہ امیر سر کو رکھے
پہروں گزرے کہ رو رہے ہیں

ہائے وہ دن کہ گزر جاتی تھی شب باتوں میں
اب نہ باتوں میں مزا ہے نہ ملاقاتوں میں
لفظ کیا آئے تکلف کی ملاقاتوں میں
کچھ رکھائی کے سوا بات نہیں باتوں میں

مسجدوں میں ہیں یہ ہو حق کے کہاں ہنگامے
رنگ توحید اچھلتا ہے خرا باتوں میں
التجا ٹوٹے ہوئے دل کی وہاں ہے مقبول
درد کی ساری ہے تاثیر منا جاتوں میں
دل اڑا لیتے ہیں وہ کھول کے زلفوں کی لٹیں
دیکھو دن پھرتے ہیں حوروں کے نہیں راتوں میں

یہ تو میں کیونکر کہوں تیری خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداریوں میں ہوں
اونچی اونچی مجرموں کی ہو گی پرسش حشر میں
کون پوچھے گا مجھے میں کن گنہگاروں میں ہوں
پھول میں پھولوں میں ہوں کانٹا ہوں کانٹوں میں امیر
یار میں یاروں میں ہوں عیار عیاروں میں ہوں

ضبط کرنا دل حزیں نہ کہیں
چوٹ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں
مسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے
آج بجلی گری کہیں نہ کہیں
حوریں لپٹی ہیں نزع میں مجھ سے
دیکھ پائے وہ نازنیں نہ کہیں
دل سے شے لے کے اب تو نکلے ہیں
پوچھ لے گا کوئی کہیں نہ کہیں
آگ ہو جائے گا وہ شوخ امیر
کھینچنا آہ آتشیں نہ کہیں

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
مشعل دکھائی برق تجلے نے راہ میں
اندھیر کر رہی ہے یہ چشم سیاہ میں
شوخی کو قید کیجئے نیچی نگاہ میں
گھر سے مرے بلائے شب غم گئی کہاں
بیٹھی ہے چھپ کے پردہ روز سیاہ میں
افتادگی میں بھی مجھے معراج ہے نصیب
ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ میں
شاعر کو مست کرتی ہے تعریف شعر امیر
سو بوتلوں کا نشہ ہے اس واہ واہ میں

آفت کی شوخیاں ہیں تمہاری نگاہ میں
محشر کے فتنے کھیلتے ہیں جلوہ گاہ میں
محشر خرام تم جو نہیں ہو تو کون ہے
فتنوں کے پہرے کس نے بٹھائے ہیں راہ میں
تیرے جلال میں بھی مزا ہے جمال کا
چشم کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں
ہم ہیں سیاہ کار تو رحمت ہے پردہ پوش
مے پیتے ہیں تو سایہ ابرِ سیاہ میں
آنسو ہمارے دیکھ کے خوش ہو رہے ہیں وہ
پازیب موتیوں کی ہے پائے نگاہ میں
سودا و میر دونوں تھے کامل مگر امیر
ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی میرے غمگساروں میں
فقط اک دل ہے سو وہ بھی تمہارے جانثاروں میں

فرشتوں سے کہو اتنی قیامت میں خبر رکھیں
کہیں چھپ چھپکے زاہد مل نہ جائیں بادہ خواروں میں

جدا ہے دخت از کا نام ہر صحبت میں اے ساقی
پری ہے میکشوں میں حور ہے پرہیز گاروں میں

ہماری کشتی مے جا لگی جنت میں کوثر پر
ہوائے بادہ خواری لے اڑی پرہیز گاروں میں

نظر ہے آئینے پر مانگتے ہیں عکس سے بوسہ
وہ خود اپنے درد دولت پہ ہیں امید واروں میں

دل جدا مال جدا جان جدا لیتے ہیں
اپنے سب کام، بگڑ کر، وہ بنا لیتے ہیں

ہو ہی رہتا ہے کسی بت کا نظارہ تا شام
صبح کو اٹھ کے جو نام خدا لیتے ہیں

اپنی محفل سے اٹھاتی میں عبث ہم کو حضور
گالیاں دے کے غریبوں کی دعا لیتے ہیں

شاخ مرجاں میں جواہر نظر آتے ہیں امیر
کبھی انگلی جو وہ دانتوں میں دبا لیتے ہیں

ڈس گئی دل کو مرے زلف کی کالی ناگن
واہ کیا حسن فسوں گر نے نکالی ناگن

فرق بعد مرگ کچھ دل کی جلن میں کیوں نہیں
چین یارب سا یہ ابر کفن میں کیوں نہیں

اڑ گئیں روحیں شہادت گاہ الفت سے کہاں

آشیانے ان غریبوں کے چمن میں کیوں نہیں
سوگ ہے کس کے دل پر داغ کا اے گلبدن
وہ بہار افشاں کہ زلف پر شکن میں کیوں نہیں
اس زمیں میں بھی بہت سے شعر ممکن ہیں امیر
ہوا گر فرصت تو گنجائش سخن میں کیوں نہیں

گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشان سرمزار ہوں میں
پھر اس کی شان کریمی کے حوصلے دیکھے
گناہگار یہ کہہ دے گناہگاہوں میں
جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے
پکارتا ہے یہ ساقی کہ ہوشیار ہوں میں
وہ بیقرار ہوں دیکھے اگر تڑپ میری
قرار بھی یہ پکارے کہ بیقرار ہوں میں
بڑے مزے سے گزرتی ہے بے خودی میں امیر
وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

کس کے چمکے چاند سے رخسار قیصر باغ میں
چاندنی ہے سایہ دیوار قیصر باغ میں
فی الحقیقت یہ بھی کم گلزار جنت سے نہیں
حوریں پھرتی ہیں سر بازار قیصر باغ میں
پاؤں کا یاں ذکر کیسا صاف ہے ایسی نہیں
دل پھسلتے ہیں دم رفتار قیصر باغ میں
زیر شاخ گل اگر سبزہ کبھی سونے لگا
شور بلبل نے کیا بیدار قیصر باغ میں

اتنے پتے بھی نہ ہوں گے گلشن فردوس میں
جس قدر پھولوں کے ہیں انبار قیصر باغ میں

تشنگان شوق ہیں شیریں لبوں کے مہمان
بت رہا ہے شربت دیدار قیصر باغ میں

قطرے شبنم کے رگ گل پر دکھاتے ہیں بہار
گندھ رہے ہیں موتیوں کے ہار قیصر باغ میں

سایہ بال ہما کیا ڈھونڈھتا ہے اے امیر
بیٹھ زیر سایہ دیوار قیصر باغ میں

منگا کر آئینہ مجھ تشنہ لب کو یاد کرتے ہیں
وہ ساحل کو بھی لے کر ساتھ دریا میں اترتے ہیں

خزاں غافل نہیں ہے اے جوانان چمن تم سے
نہیں اڑتے ہیں پتے یہ اسے پرچے گزرتے ہیں

شمیم گل ہیں ہم بھی تم اگر باد بہاری ہو
جدھر چلتے ہو چلتے ہیں جہاں ٹھہرو ٹھہرتے ہیں

خضر کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے کیا مجنوں بیاباں میں
ادھر آئے کہ ہم نے یہ طریقے خوب برتے ہیں

لیا تو میں نے بوسہ خنجر قاتل کا مقتل میں
اجل شرما گئی سمجھی کہ مجھ کو پیار کرتے ہیں

خبر ہم سخت جانوں کی وہ سن کر طنز سے بولے
کوئی مرنے کی حد بھی مر نہیں چکتے ہیں مرتے ہیں

مرا خط پھینک کر قاصد کے منہ پر طنز سے بولے
خلاصہ سارے اس طومار کا یہ ہے کہ مرتے ہیں

نہ مہر اس گل کا ہم سر ہے نہ ماہ اس کے برابر ہے
ہیں دونوں ایک ہی سے کچھ ذرا چڑھتے اترتے ہیں

کوئی چھینے نہیں لیتا ہے ان سے کیوں مکرتے ہیں
جو رکھ دیتی ہے شانہ آئینہ تنگ آ کے مشاطہ
ادائیں بول اٹھتی ہیں کہ دیکھو یوں سنورتے ہیں
کیا ہے نام کیا استاد کا روشن خدا رکھے
امیر استاد زادوں پر ہم اپنے فخر کرتے ہیں

شوخی تھی قیامت تری مستانہ ادا میں
فتنوں نے قدم چوم لئے لغزش پا میں
بیمار محبت نے کبھی منہ نہ لگایا
تاثیر کھلی جاتی ہے اس غم سے دوا میں
مشکل ہے مسیحا کو بھی اب جان بچانا
نکلی ہے قضا چھپ کے حسینوں کی ادا میں
آنے کا نکیرین کو رستہ نہیں ملتا
کیا حوروں کے جھرمٹ میں مزار شہدا میں
کیونکر نہ امیر اس سے تر و تازہ ہوں روحیں
پھلوں کی ہے بو دامن گلچیں کی ہوا میں

قابل عفو میں آلودہ عصیاں ہو لوں
اے اجل صبر کر اتنا کہ پشیماں ہو لوں
باعث تڑپ کا شوخ ستمگر سے کیا کہیں
دل تو ہی کچھ بتا دے کہ دلبر سے کیا کہیں
غم نے ترے نچوڑ لیا سر سے پاؤں تک
رگ رگ پکارتی ہے کہ نشتر سے کیا کہیں
خالق ہی جب نہ دے تو گلہ آسماں سے کیا
ساقی نہ منہ لگائے تو ساغر سے کیا کہیں

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو
آئے جو مری لاش پہ وہ طنز سے بولے
اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو
جھنجھلا کے سزا دیں وہ مجھے ہاتھ سے اپنے
ایسی کوئی اے دل جو خطا ہو تو مزا ہو
وحشت کو مری ساتھ مرے دفن نہ کرنا
گھر خانہ خرابی کا مرے گھر سے جدا ہو
کیا ہاتھ میں درکار امیر ان کو ہے مہندی
چھو لیں گل عارض تو وہی رنگ حنا ہو

چلے ہو ساتھ میرے جنازے کے ہے یہ خوف
ایسا نہ ہو لحد پہ قیامت بپا کرو
پردے میں تم ہو اس پہ یہ عالم ہے حسن کا
پردیسے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو
جب پوچھتا ہوں ان سے دوا درد عشق کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنی دوا کرو
کیا قدر ہے فسانہ الفت کی واں امیر
کہتے ہیں ہم سنیں نہ سنیں تم کہا کرو

آج وہ چھاؤں میں تاروں کی سدھارے گھر کو
لگ گئی آگ دھندکے میں ہمارے گھر کو
دل جو پھنک جائے تو ٹھنڈا ہو کلیجا میرا
خوش ہوں میں آگ لگا دے کوئی سارے گھر کو

گھر سے ہم وادی وحشت کی طرف چل نکلے
چھوڑ کر خانہ خرابی کے سارے گھر کو
خیر دل کی نہیں افشاں کے تصور میں امیر
ایک دن پھونک ہی دیں گے یہ شرارے گھر کو

دیکھ سکتے نہیں پیاسا مرے آنسو مجھ کو
روز دے جاتے ہیں پانی کوئی چلو مجھ کو
سرمگیں آنکھیں جو آئینے میں دیکھیں تو کہا
گھورتے ہیں یہ جگائے ہوئے جادو مجھ کو
کشتہ ہوں وحشت طرز نگہ قاتل کا
خط شمشیر ہے موج رم آہو مجھ کو
ہوں وہ بلبل کبھی صیاد کو آیا جو ترس
پھولوں میں چھوڑ دیا توڑ کے بازو مجھ کو
لوٹتا ہے دل دیوانہ لپٹنے کے لئے
سانولے رنگ کی پریاں ہیں وہ گیسو مجھ کو
پھونک ہی دیتی مجھے گرمی رخسار امیر
اپنے سائے میں نہ لے لیتے جو گیسو مجھ کو

وصل کی رات تو راحت سے بسر ہونے دو
شام ہی سے ہے یہ دھمکی کہ سحر ہونے دو
وصل ہو قتل ہو جو مدنظر ہو ہو جائے
یا اِدھر ہونے دو یا مجھ کو اُدھر ہونے دو
جس نے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا
لا دوا ہے جو مرا درد جگر ہونے دو
شوق سے تم ہو دربام پہ سرگرم خرام

دونوں عالم ہیں اگر زیر و زبر ہونے دو
چھیڑتے کیوں ہو جوانی میں حسینوں کو امیر
رات ہی بھر کا یہ جو بن ہی سحر ہونے دو

کیوں وصل کی چرخ کو خبر کی
آمد ہے جو شام سے سحر کی
اے یاس نہ دل میں پاؤں پھیلا
پانسیں نہ چبھیں مرے جگر کی
نیرنگی چار باغِ عالم
گدڑی ہے ترے گدائے در کی
ہنگامہ حشر کو جو دیکھا
ڈیوڑھی سمجھا میں تیرے گھر کی
شام شب ہجر و عمر آخر
امید امیر کیا سحر کی
جتنی کمی کہ نامہ سیاہی میں رہ گئی
اتنی ہی دیر عفو الٰہی میں رہ گئی
تھی زار کوئے یار میں کیا جاتی اپنی خاک
اتنی تھی کم کہ اڑ کے ہوا ہی میں رہ گئی
منہ روز حشر مور گئی تیغ یار بھی
چلتی ہوئی زبان گواہی میں رہ گئی
صد شکر حق نے میری تواضع قبول کی
اچھی تھی خزانہ شاہی میں رہ گئی
پردے سے اس کی ذات کو کیا کام تھا امیر
چھپ کر صفات نامتناہی میں رہ گئی

آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگر بھی
ہے ایک ہی صورت کہ اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

کمھلائے چلے جاتے ہیں گل کس کی ہے آمد
گھبرائی ہوئی پھرتی ہے کچھ باد سحر بھی

ڈرتا ہوں شب وصل کہ تقدیر بری ہے
آئے نہ کہیں شام کے ہمراہ سحر بھی

فرقت میں امیر ایسی برستی ہے اداسی
روتے ہیں مرے حال پہ دیوار بھی در بھی

داغ افسردہ ہو چلے دل کے
جھلملائے چراغ محفل کے

ہم سے سیکھیں جو طرز نالہ کشی
پھول منہ چوم لیں عنادل کے

دل میں آ کر نہ دل سے پھر نکلے
تم ثوار مان بن گئے دل کے

پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عید کے دن
کہو کیا مل گیا گلے مل کے

اس کی رحمت سے لو لگا کہ امیر
آڑے آئے گی وقت مشکل کے

کہہ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
ہائے کیسی اس بھری محفل میں رسوائی ہوئی

کہہ تو اے گلچیں اسیران قفس کے واسطے
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی

موت آتی روح جاتی ہے کرے کون اہتمام
اک نگاہ واپسیں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
وصل کی شب واہ ری بیتابیٔ شوق وصال
شرم بھی نیچی نگاہوں سے تماشائی ہوئی
شعر گلدستے میں مجھ افسردہ دل کے کیا امیر
دامن گلچیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

دیوانو گلستاں میں چلو باد بہاری
پتے جو اڑا لائی ہے خط ہیں یہ طلب کے
رند وجو ملو حضرت قاضی سے تو دب کے
سمجھو کہ بزرگوں میں یہ ہیں بنت عنب کے
جب تیغ تری آ کے گلے ملتی ہے قاتل
آتے ہیں ہمیں یاد مزے وصل کی شب کے
اچھے وہ رہے سامنے اللہ کے اوبت
جو بیٹھنے والے تھے تری بزم ادب کے
افلاک نے چمکائے ستارے تو میں سمجھا
نقشے یہ اڑائے ہیں تری بزم ادب کے
قرآن میں امیر آئے ہیں حوروں کے جو اوصاف
در پردہ وہ انداز ہیں سب حسن طلب کے

ناز کی کہتی ہے تسمہ تو لگا رہنے دے
ناز کہتا ہے گلی میری بلا رہنے دے
روسیہ ہوں سر محشر نہ بلاد اور حشر
مجھ کو تو خاک کے پردے میں چھپا رہنے دے

جب وہ بت ہی نہیں جنت میں تو جنت کیسی
ایسی جنت سے تو دوزخ میں خدا رہنے دے
دل شکستوں کی نہ توڑ آس ترس کھا اے یاس
آسرا آسرے والوں کا لگا رہنے دے
سو چمن صدقے کئے دامن گلچیں پر امیر
ذکر پھولوں کا یہاں باد صبا رہنے دے

منہ پہ کہہ دیں گے ہم قیامت کے
ہیں نہ فتنے کسی کے قامت کے
باغ لوگوں کو ہم کو داغ ملے
تھے یہی پھول اپنی قسمت کے
دل کی افسردگی ہے مر کے وہی
جھلملے ہیں چراغ تربت کے
تیری صورت بنا کے بیٹھ رہے
کارکن کارگاہ صنعت کے
جتنے تکیے میں سو رہے ہیں امیر
یار ہیں سب ہماری صحبت کے

یہ گالی جو اے دلربا مل رہی ہے
دعا دی تھی اس کی سزا مل رہی ہے
لگا چاہتی ہے کوئی آگ تازہ
شرارت سے ان کی حیا مل رہی ہے
بھری زہر سے ہیں عیادت کی باتیں
مریضوں کو اچھی دوا مل رہی ہے
گلے پر جو رک رک کے چلتا ہے خنجر
یہ گویا قضا سے ادا مل رہی ہے

امیر التجا کیوں کروں چارہ گر سے
اذیت میں لذت سوا مل رہی ہے

کوئے جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری
دامن حور کے سائے میں ہے تربت میری
ہو چکے قتل دو عالم تو کہا ظالم نے
آج کچھ رنگ پہ آئی ہے طبیعت میری
تجھ سے اے باد صبا مجھ کو یہ امید نہ تھی
چار پھولوں کو ترس جائے گی تربت میری
دھوم ہے روز قیامت کی قیامت کیسی
آئی ہے بھیس بدل کر شب فرقت میری
خنجر ناز نے نوشاہ بنایا مجھ کو
آئی مقتل میں دلہن بن کے شہادت میری

عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے
بزم ماتم میں کبھی شب ہی کو آجا چھپ کر
او مرے سوگ کے پردے میں سنورنے والے
جان دینے کو کہا ان سے تو ہنس کر بولے
تم سلامت رہو ہر روز کے مرنے والے
تیغ و خنجر سے نہ جھگڑا سر و گردن کا مٹا
چل دیئے موڑ کے منہ فیصلہ کرنے والے
قابل رحم قیامت میں نہ ٹھہریں گے امیرؔ
رحم دنیا میں غریبوں پہ نہ کرنے والے

بال کھولے جو یار آتا ہے
گھر کے ابر بہار آتا ہے
دیکھ کر مجھ کو چتونوں سے کہا
وہ تمہارا شکار آتا ہے
درد دل میں مری تسلی کو
گر یہ بے اختیار آتا ہے
تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے
جائے شکوہ مری زباں پہ امیر
شکر بے اختیار آتا ہے

جب سے بلبل تو نے دو تنکے لئے
لوٹتی ہیں بجلیاں ان کے لئے
ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
سادگی گناہ ہے اس سن کے لئے
ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے
باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنا ہیں ایک کمسن کے لئے
وصل کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لئے
صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر
بھیجتے تحفہ موذن کے لئے

ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اس نے تولی ہے
لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے

بہار آئی چمن ہوتا ہے مالا مال دولت سے
نکالا چاہتے ہیں زرگرہ غنچوں نے کھولی ہے

خفا کیوں ہو جو آوازے کسے عاشق نے غیروں پر
یہ آزادوں کی باتیں ہیں یہ ان کی بولی ٹھولی ہے

کرم کرتی ہے رحمت دیکھئے کس پر کہ محشر میں
وہ صف پرہیز گاروں کی یہ میخواروں کی ٹولی ہے

خوشامد اے دل بے تاب اس تصویر کی کب تک
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بولے گی نہ بولی ہے

یہاں تو جان بھی ہے دل بھی ہے جگر بھی ہے
تری نگاہ میں کچھ جذب کا اثر بھی ہے
لپٹ کے تم سے تصور میں کوئی سوتا ہے
کدھر خیالِ تمہارا ہے کچھ خبر بھی ہے
ہوائے شوق احبا ابھارتی ہے امیر
وگرنہ مجھ میں کہیں طاقت سفر بھی ہے

لاش پر اشک تری آنکھ سے بارے نکلے
شکر ہے آج تو ارمان ہمارے نکلے
مر گئے عشق میں ہم تم سے یہ امید نہ تھی
چار آنسو بھی نہ ماتم میں ہمارے نکلے
خوب دیکھا تو کئے چرخ نے میر جو ستم
وہ بھی در پردہ تمہارے ہی اشارے نکلے

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے
آج کی بات کو کیوں کل پہ اٹھا رکھا ہے
ہیں تغافل میں بھی سرگرم ستم وہ آنکھیں
آپ تو سوتے ہیں فتنوں کو جگا رکھا ہے
کہتے ہیں میری بلا جانے ترا دل ہے کہاں
چور ہیں کیا مرے دشمن کہ چرا رکھا ہے
ہم چلے دیر سے کعبے کو تو وہ بت بولا
جا کے لے لیجئے کعبے میں خدا رکھا ہے
جان بھی ہجر میں دے دیتے مگر ہم نے امیر
کسی موقع کے لئے اس کو لگا رکھا ہے

دم اخیر تو ظالم ذرا نگاہ ملے
کچھ اس غریب مسافر کو زاد راہ ملے
ہمیں بھی طور پہ موسیٰ کی طرح راہ ملے
کبھی تو دیکھنے والوں سے بھی نگاہ ملے
میں اپنے نامہ اعمال کی بلائیں لوں
جو تجھ سے رنگ کچھ اے گیسوئے سیاہ ملے
ہجوم یاس سے قالب میں روح ٹھہری ہے
چھٹے یہ بھیڑ تو اس راہ رو کو راہ ملے
چلا میں دشت مصیبت میں چال سوزن کی
قدم قدم پہ مجھے ڈوبنے کو چاہ ملے
پڑا ہے ہجر میں وہ تفرقہ جو تو ڈھونڈھے
تو میں کہیں مرا سایہ کہیں تباہ ملے

Library
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)

بہار آئی ہے ساقی عام فیض مے پرستی ہے
درد دیوار سے اس دور مستی برستی ہے

جھڑ گئی افشا جبیں پر کچھ ستارے رہ گئے
آسمان حسن پر گنتی کے تارے رہ گئے
سخت جانی سے جو دندانے پڑے اس تیغ میں
چور بن کر بھی زخموں میں ہمارے رہ گئے
موت آئے یا وہ آئے یا قیامت ہو امیر
اب یہی دو تین جینے کے سہارے رہ گئے

آنکھ اس کو کھولنی بھی دشوار ہو گئی ہے
چلئے چمن میں نرگس بیمار ہو گئی ہے
انگور میں تھی یہ مے پانی کی چار بوندیں
جس دن سے کھینچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے
اک بات سی ہے مرگ اے امیر لیکن
دشوار سمجھے ہیں سب دشوار ہو گئی ہے

جلوہ گر یار مگر تنگ عام میں ہے
جب بلاتا ہوں میں سنتا ہوں قضا کام میں ہے
دور جاری رہے ہر وقت مئے گلگوں کا
پڑھ لے ساقی یہی تحریر خط جام میں ہے
جس طرف دیکھئے کھولے ہوئے آغوش ہے حور
سرفروشی کا مزہ لشکر اسلام میں ہے

کبھی خلوت میں نہاں ہے کبھی جلوت میں عیاں
دختر رز کبھی بوتل میں کبھی جام میں ہے
منزل رحمت حق ظلمت عصیان ہے امیر
روشنی صبح کی یاں تیرگی شام میں ہے

پہچان پر ہے ناز تو پہچان جائیے
کیا ہے ہمارے دل میں بھلا جان جائیے
آخر ہوئے نہ حضرت دل آپ واں ذلیل
ہاں اور دوڑ دوڑ کے مہمان جائیے
کہتے ہیں آ کے در پہ مرے پائے گا تو کیا
ہاں خاک چھانتی ہو اگر چھان جائیے
کیا ہند میں کمی مئے و معشوق کی امیر
شیراز جائیے نہ خراسان جائیے

کہیں یہ بھی نہ چھپ جائے نظر سے
نزاکت لپٹی جاتی ہے کمر سے
نہ آیا تیر جب کوئی ادھر سے
لپٹ کر خوب رویا دل جگر سے
مبارک تجھ کو اے شوق شہادت
وہ لی تلوار قاتل نے کمر سے
ہجوم آرزو ہے وقت آخر
پتنگے لپٹے ہیں شمع سحر سے
امیر اس قتل گہ کو لے چلا ہے
لپٹ کر خود مرا دامن کمر سے

یہ ظاہر ہے دل اندوہ گیں سے
کہ ظالم چوٹ کھا آیا کہیں سے
کہاں کا پردہ وقت رقص بسمل
نکل آئی کلائی آستیں سے
اٹھایا برہمی سے اس نے گھونگھٹ
جبیں پیدا ہوئی چین جبیں سے
یہ کس کا آستانہ ہے کہ سجدے
گرے پڑتے ہیں آغوش جبیں سے

ذوقِ مینوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی
اور لے اڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی
اے پری اس فصل میں سرگرمِ آرائش نہ ہو
آگ تلووں میں لگا دے گی حنا برسات کی
شیرۂ انگور کو کرتی ہے آبِ آتشیں
آگ پانی میں لگاتی ہے ہوا برسات کی
کیا تری زلف سیہ کو دیکھ کر شرما گئی
بھیگی بھیگی رات ہے اے مہ لقا برسات کی
میکشوں کے دل میں داغ آنکھوں میں ساقی کے خمار
یہ نشانی رہ گئی ہے جا بجا برسات کی
نو نہالانِ چمن میں تھا کہاں یہ حسن امیر
حضرت یوسف سے ہے ساری فضا برسات کی

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
نہ گل ہیں نہ غنچے نہ بوٹے نہ پتے
ہوئے باغ نذر خزاں کیسے کیسے
ستاروں کی دیکھو بہار آنکھ اٹھا کر
کھلاتا ہے پھول آسماں کیسے کیسے
یہاں درد سے ہاتھ سینے پہ رکھا
وہاں ان کو گزرے گماں کیسے کیسے
توجہ زباں پر ہے شاہ دکن کی
نکالے گی رنگ اب زباں کیسے کیسے
امیر اب سخن کی بڑی قدر ہو گی
پھلے پھولیں گے نکتہ داں کیسے کیسے

موجود آ کے وصل میں بھی لوحیا ہوئی
اک جان کا عذاب ہوئی شرم کیا ہوئی
کہتا ہے ان سے آئینہ صبح شب وصال
ہے ہے یہ رات بھر میں تری شکل کیا ہوئی
کیا کیا لباس شان کرم کے ہیں دیکھنا
خاک شفا ہوئی کہیں آب بقا ہوئی
آئینہ عاشقوں سے سوا ہے ستم نصیب
پہلے اسی غریب پہ مشق ادا ہوئی
گھبرا رہے ہو حشر میں کیوں اس قدر امیر
اتنی ہی سی تو بات ہے کہہ دو خطا ہوئی

راز میخانے کے باہر نہ ہوں میخانے سے
محتسب چھین نہ لے خط کہیں پیمانے سے

چاہتے ہیں کہ دل آئیں تو الگ ایک سے ایک
راہیں زلفوں میں نکلواتے ہیں وہ شانے سے
دیکھ پایا ہے ان میں حضرت ناصح نے کہیں
اب میں سمجھا جو غرض ہے مرے سمجھانے سے
قاضی شہر ہو یا شیخ حرم، کوئی ہو
جو نہ ہو مست نکالو اسے میخانے سے
سیر کہنا تو غزل کچھ نہیں دشوار امیر
خوف یہ ہے کہ نکل جائے نہ پیمانے سے

مستی پر چھوٹ افشاں کی پڑی ہے
کنی ہیرے کی نیلم میں جڑی ہے
ادا گاہک قضا گاہک کدھر جائے
عجب جھگڑے میں جان اپنی پڑی ہے
قضا ہی نے تڑپ دیکھی تھی میری
اسی نے جا کے قاتل سے جڑی ہے
ہوا ہے کس بلا کش سے وہ برہم
کہ زلف یار قدموں پر پڑی ہے
پہنتے ہیں وہ بیٹھے گھر میں چھاگل
قیامت در پہ گھبرائی کھڑی ہے
امیر اتنا نہ چھیڑ اس کو سر شام
کہ شب بھر پیار کرنے کو پڑی ہے

پردہ رخ محبوب سے الٹا ہے ہوا نے
یہ پھول کھلایا ہے نیا بادصبا نے

لو عفو معاصی کیا گائے رہیں عاصی
رحمت کو بہت آتے ہیں بخشش کے بہانے
اس گل کے جو ہاتھوں کو بنانا تھا بھبھوکا
لالے کا لہو جوس لیا برگ حنا نے
بے موت مجھے تیغ تغافل ہی نے مارا
پوچھا نہ جفا نے نہ قضا نے نہ ادا نے
ہیں قتل گہ ناز میں سب زندہ جاوید
شمشیر قضا توڑ کے رکھ دی ہے ادا نے
دکھلا کے ادا مجھ کو امیر اس نے کیا قتل
پیدا اثر درد کیا میری دوا نے

وہ کہتے ہیں نکلنا اب تو دروازے پہ مشکل ہے
قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو ادھر دل ہے
کہیں ایسا نہ ہو تجھ پر کوئی وار چل جائے
قضا ہٹ جا کہ جھنجھلایا ہوا اس وقت قاتل ہے
عدو بھی وائے قسمت بزم ماتم میں ہے ساتھ ان کے
ہمارے پھولوں میں کمبخت اک کانٹا بھی شامل ہے
مجھے تو مے کدے میں خانقاہوں کا مزا آیا
مراقب سب کے سب اللہ والوں کی یہ محفل ہے
فسانہ رہ گیا حسن و محبت کا زمانے میں
نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ ناقہ ہے نہ محمل ہے
طنابیں کھینچ دیں یا رب زمین کوئے جاناں کی
کہ میں ہوں ناتواں اور دن ہے آخر دور منزل ہے

الٰہی بھیج دے تربت میں کوئی حور جنت ہی
کہ پہلی رات ہے پہلا سفر ہے پہلی منزل ہے
خدا رکھے چراغ جام کے میخانہ ہے روشن شرابی اہل
شرابی اہل محفل دختر رز میر محفل ہے
سخی کا دل ہے ٹھنڈا گرمیٔ روز قیامت میں
کہ سر پر چتر رحمت سایۂ دامان سائل ہے
امیر اللہ حافظ ہے ہجوم ناز میں دل کا
کہ سو جلاد ہیں خنجر بکف اور ایک بسمل ہے

امیر روتی ہے امت شہ زماں کے لئے
زمین خاک اڑاتی ہے آسماں کے لئے
نکیلے تم ہو سجیلے ہو تم رسیلے تم
پھر اور دل کو میں رکھ چھوڑوں کس جواں کے لئے
پسند بو میں بھی ہے اس کو رنگ فتنہ گری
کہ عطر فتنہ خریدا ہے عطرواں کے لئے
یہ کنگھی چوٹی جو ہوتی ہے قتل عام کے بعد
حضور اب ہیں یہ تیاریاں کہاں کے لئے
امیر نالہ بھی ہو ساتھ ساتھ اشکوں کے
جرس بھی شرط سفر میں ہے کارواں کے لئے

کچھ پھری سی ہے وہ نگہ دل سے
تیغ روکھی ہوئی ہے بسمل سے

لے چکے دل تو ہنس کے فرمایا
پیار اب کیجئے گا کس دل سے
رات کی صحبتیں جو یاد آئیں
اٹھ گئی شمع رو کی محفل سے
آئینہ دیکھ کے وہ شرمائے
آنکھ نیچی ہوئی مقابل سے
ہو زمیں لاکھ سہل لیکن امیر
ہوتے ہیں اچھے شعر مشکل سے

عشق میں دن زندگی کے بھر چلے
مر کے تم پر جیتے جی ہم مر چلے
لالے کے مانند ہم اس باغ میں
داغ لینے آئے تھے لے کر چلے
پہنچیں گے اس بزم میں عشاق ہی
اور یوں چلنے کو دنیا بھر چلے
کوئے قاتل میں گزر آساں نہیں
آدمی تلوار پر کیونکر چلے
چھپ کے اس کوچے میں راتوں کو گئے
اپنے سائے سے بھی ہم بچ کر چلے
سر جھکائے کہہ رہے ہیں سر فروش
آزمانا ہو جسے خنجر چلے
رہنے کیا دنیا میں آئے تھے امیر
سیر کر لی اور اپنے گھر چلے

کسی کی چاہ بھی دل میں مرے اے نازنیں

کسی کی چاہ میں دل میں میرے اے ناز نیں نکلی
تیرے تیروں نے گھر بھر کی تلاشی لی کہیں نکلی
وفا کی داد دینے میں بھی شرمیلی ادائیں ہیں
دلہن پردے سے نکلی یا زباں سے آفریں نکلی
ہوا دیدار اس کا خواب میں باتیں تصور ہیں
کوئی حسرت کہیں نکلی کوئی حسرت کہیں نکلی
سوال وصل پر انکار میں بھی وہ لجاتے ہیں
جو نکلی بھی تو چھپ کر ہاں کے پر دل میں نہیں نکلی
امیر ابھرا جو وہ جو بن ملا دل کا پتا مجھ کو
یہی دونوں اُچکے چور تھے چوری نہیں نکلی

جو کچھ سوجھتی ہے نئی سوجھتی
میں روتا ہوں ان کو ہنسی سوجھتی ہے
یہ آتا ہے جی میں کہ کوثر پہ چلئے
خرابات میں دور کی سوجھتی ہے
پڑا ہے یہاں دیدہ و دل کا رونا
تمہیں آئینہ آرسی سوجھتی ہے
گھٹا گھر کے آتی ہے جب فصل گل میں
تو متوالوں کو مے کشی سوجھتی ہے
امیر ایسے ویسے تو مضموں ہیں لاکھوں
نئی بات کوئی۔ کبھی سوجھتی ہے

گوہر انتخاب

ست ہوں کہ ساغر میں جب میں پا گیا
اک بار یا غفور کہا اور چڑھا گیا

سوجھا ہے بیخودی میں یہ مضمون دور کا
پردے میں دخت زر کے ہے جلوہ حضور کا
آنکھیں ملائیں آپ تو کچھ درد دل کہوں
پھروں مزاج ہی نہیں ملتا حضور کا
مسجو دن صنم ہے ہر رند و پارسا کا
شاید ہی رہ گیا ہو بندہ کوئی خدا کا
منہ پھیر کر چلی تھی خفا ہو کے تیغ یار
بارے جھپٹ کے میں نے گلے سے لگا لیا
ہے تشنگی وہی غم الفت کی آجتک
سارا لہو نچوڑ کے میں نے پلادیا
فلک ہم تو تیرا بھی شکوہ نہ کرتے
مگر تجھکو ڈھب ہی نہ آیا جفا کا
رہ رہ کے اک کھٹک سی سینے ہو رہی ہے
شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا
انصاف جور یار خدا سے طلب کیا
تم نے بھی اے امیر بڑا ہی غضب کیا
ہم جو رخصت ہوئے اس بت سے تو ہنگام داغ
ہنس کے بولا وہ صنم جاؤ خدا کو سونپا
خنجر نے ترے دیا نہ پانی
ترسا ترسا کے مار ڈالا
وہ بولے بزم میں اغیار سے الگ رہنا
کہیں امیر نہ بیٹھا ہویاں فقیر بنا
کھیل تھا عمر بھر جو دیکھا تھا
زندگی کیا تھی اک تماشا تھا
ایدل بلائے جاوہ کبھی آہی جائیگا

دو چار بار کہنے میں شرما ہی جائیگا
وہ سرمہ بھری آنکھیں فتنہ ہیں کہ جادو ہیں
کتنوں کو لگا رکھا کتنوں کو سلا رکھا
ناقوس لیکے جاتے ہو کعبے کو تم امیر
فریاد ان بتوں کی کروگے خدا سے کیا
پئے گا تو بھی تو زاہد وہی جناں میں شراب
جو میکشوں نے یہاں پی تو کیا گناہ کیا
نوجوان لوگ کیا نہیں کرتے
دل لگایا — تو کیا گناہ کیا
عاشق ہوئے مگر کچھ اچھا برا نہ جانا
ہم دل لگا تو بیٹھے لیکن لگا نہ جانا
دے جلد جام ساقی ٹوٹے خمار میرا
تیاری ہے جماعت ہے انتظار میرا
کب انا الحق جرم تھا منصور کا
دیکھنے والا تھا کسی معزور کا
کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ اے امیر
دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہوگیا
قیامت کا اگر ڈر ہے تو یہ ہے
کہ ہے ہے ہم کو پھر جینا پڑے گا
اس بت تندخو کو رام کیا
آفریں اے امیر کام کیا
بہت غم نہ کھا عشق کا اے امیر
تجھے کوئی آزار ہو جائے گا
تیری لکنت پر فدا سوجان سے دل ہوگیا
تو نے آدھی بات کی میں نیم بسمل ہوگیا

وہ آئے کھینچ کے تلوار سب کو شاد کیا
امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا

کھل گیا زاہد کہ مستوں پر خدا کا رحم ہے
ابر جب قبلے سے اٹھا میکدے پر چھا گیا

ڈوب کر خوب خونچکاں نکلا
تیر دل کا مزاجداں نکال

مدت ہوئی کہ غم سے خوں ہو کے بہا گیا دل
صدقے کیا تھا صاحب تم سے ایز کرتا

سنوارا ہے اگر اس کو لحاظ اتنا بھی تو رکھنا
اب اے مشاطہ آئینہ نہ اس کے روبرو رکھنا

ٹوٹ کر کس کان سے موتی کا دانہ گر پڑا
ڈھونڈنے سے آنکھوں سے جو سارا زمانہ گر پڑا

آوارہ پھر رہا ہے محبت کی راہ میں
اک دل دیا تھا ہم کو خدا نے سو یوں گیا

چکر لگا رہی ہے جو بجلی چمن کے گرد
مدنظر ہوا ہے میرا آشیانہ کیا

لاکھوں اس لیلیٰ کے دیوانے تھے ان میں عشق نے
ایک مشت استخواں کا نام مجنوں رکھ دیا

ہم مر گئے تو واہ ری بد نامیوں کا پاس
مٹوادیا نشان ہمارے مزار کا

دیکھ کر عکس آئینے میں کہا
یہ تو کچھ صورت آشنا نکلا

بولے وہ سن کے رات کو میری صدا امیر
پوچھو تو کوئی نام ہے کیا اس فقیر کا

پہلے تو کوے یار میں تنہا امیر تھا

نکلا جو گھر سے یار تو جم غفیر تھا
شوق سے میں نے جو خنجر کے تلے سر رکھ دیا
چھڑنے کو ہاتھ سے قاتل نے خنجر رکھ دیا
کچھ اس ادا سے مارا مجھ کشتہ ادا کو
مقتل میں ہر طرف تھا اک شور آفریں کا
عشق نے زور دکھایا تھا امیر
کوہ کن کو بکنی کیا کرتا
چپکا بیٹھا ہوا ناصح کی میں باتیں سنتا
پر ترا ذکر تھا اے یار میں کچھ کہہ نہ سکا
کرنے کو کیا قتل مجھے یار نے لیکن
رو رو کے مرے خون کو تلوار سے دھویا
پٹ کی اوجھل سے قیامت ہے اشارے کرنا
قہر ہے بیٹھ کے کھڑکی سے اشارے کرنا
سمجھے کہ عرض حال کرے گا ضرور امیر
دربار اس کے آتے ہی برخاست کر دیا
دیکھ سکتا ہوں نہ میں ان کو نہ وہ مجھ کو امیر
گھر کے اندر ہیں وہ بیتاب میں باہر بیتاب
کرتے ہیں ڈرتے ڈرتے ادھر اک نگاہ شوق
جب خوب دیکھ لیتے ہیں پہلے ادھر ادھر
آئے بہت جو یادپسِ مرگ میرے داغ
دو پھول اٹھا کے پھینک دیئے میری گور پر
گرتی نہیں ہے اوس یہ آنسو ہیں اے فلک
روتی ہے رات بھی مرے بخت سیاہ پر
مجالس میں بیان سوزِ دل کا
جلجائے تیری زباں اے شمع

یہاں خمار محبت وہاں ہے نشۂ حسن
نہ اختیار میں تم ہو نہ اختیار میں ہم
چھپگئے پہلے تو مجھ کو دیکھ کر
پھر کہا لو کس سے شرماتے ہیں ہم
جان من وہ دل کی لے لینے کی راہیں اور ہیں
جن کو آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں وہ نگاہیں اور ہیں
ہزار طرح کے ہوتے ہیں وہم ہم کو امیر
کسی کی آنکھ جہاں ہم پر آب دیکھتے ہیں
یار کے اٹھتے ہی برہم ہوگیا سامان عیش
مے کہیں مینا کہیں ساقی کہیں ساغر کہیں
کبھی ہم تک نہیں آتی جو دل کا حال دکھلائیں
وہ نظریں سیر کرتی پھرتی ہیں مژگاں کے سائے میں
صورت کو اس کی دیکھ کر سمجھے ہو تم غریب
تم سے کبھی امیر سے باتیں نہیں ہوئیں
نہ عارض پہ زلف دو تا دیکھتے ہیں
خدا جانے ہم تجھ میں کیا دیکھتے ہیں
آتے ہیں جانب زنداں جو وہ مر لیتے ہیں
اچھی آپ اپنے اسیروں کی خبر لیتے ہیں
میں کہتا نہیں منہ سے کچھ مر رہا ہوں
غم عشق تیری خوشی کر رہا ہوں
نفرت ہے روک ٹوک سے اپنے سرشت میں
رضواں کو دیکھ کر نہ گئے ہم بہشت میں
ہمارے سامنے بڑھ بڑھ کے بولنا ہے بہت
ملے وہ اب کے تو ناصح کو سامنے کر دیں

امیر وادی غربت میں تا کجا گردش
بہت سفر رہے اب چلو وطن کو چلیں
بے تکلف ہو تو ہم شعر سخن پر غش ہیں
کوئی معشوق ہو بیساختہ پن پر غش ہیں
محشر میں بھی دیوانوں کو پوچھا نہ کسی نے
آگے کی خدا جانے ابھی تک پہنچے ہیں
باطن کو دیکھئے تو سراپا فریب دم کر
ظاہر کو دیکھئے تو ہو کچھ جانتے ہیں
وہ مشت شراب پھر رہے ہیں
ہم مفت خراب پھر رہے ہیں
دیکھا تھا دل نے جب سے تیری آن بان کو
ہم صبر کر چلے تھے اسی دن سے جان کو
کھاتے ہو قسم نہیں میں عاشق
صورت تو امیر اپنی دیکھو
نرگس کی آنکھ سوے زمیں بے سبب نہیں
ہے خفتگان خاک پہ حسرت بہار کی
پہلے تو آرسی میں منہ اس نے اپنا دیکھا
پھر مجھ سے ہنس کے بولا کیا مانگتے ہو بولو
کرتے تو ہو سوال آمیر اس سے حشر میں
اور اس کو گر جواب نہ آیا تو تو پھر کہو
مرے مزار پہ آیا جو وہ بت گمراہ
تڑپ کے روح نے آواز دی کہ بسم اللہ
بسملوں سے بھی ناز اٹھوائے
ہائے انداز میرے قاتل کے

کیا رہیے اس چمن میں افسردگی بڑی ہے
ہر شاخ گل کے نیچے بلبل میری پڑی ہے

جاں نثاروں کا اس قدر ہے ہجوم
تیغ مقتل میں چل نہیں سکتی

ہوئے جو ذبح بڑے پیچ و تاب سے چھوٹے
تمہیں ثواب ہوا ہم عذاب سے چھوٹے

پھر نہ کہنا امیر کو لاؤ
اب وہ تیری گلی سے جاتا ہے

محفل عیش ہو یا مجلس غم دونوں میں
شمع کو روتے تینگوں کو تڑپنے گذری

پی کے مے بیٹھے وعظ سننے امیر
یہ بڑی تم نے ہوشیاری

کیوں سوے کمر ہاتھ بڑھائے ہے وہ کاکل
لیلےٰ کبھی مجنوں کی بلائیں نہیں لیتی

غنی ہیں جب سے تری زلف کے اسیر ہوئے
فقیرے عشق میں ہم کیا ہوے امیر ہوئے

کیا وقت نکالا ہے رنجش کا بھی ظالم نے
جب خوب سنورتا ہے تب مجھ سے بگڑتا

ہم تڑپتے ہیں پڑے سارا جہاں سوتا ہے
اے شب ہجر یہ کس دن کا عوض ہوتا ہے

ہائے غم سے بھی جی نہیں بھرتا
برکت اٹھ گئی زمانے سے

کیا یہ بھکاتا ہے مستوں کو تجھے ہوش بھی ہے
جو عطا پاش واعظ خطا پوش بھی ہے

میں نے بوسہ جو لیا زلف کا ساقی نے کہا
صرف مینوش نہیں یہ تو نوش بھی ہے

مرا زخم دل اس لئے دیکھتے ہیں
کہ دیکھیں تو تلوار کیسی پڑی ہے

طرفہ اقبال بتوں کا ہے یا ایتہمہ ظلم
جس طرف ہو کے نکلتے ہیں و عالمتی ہے

اے طول زمانہ اسیری
بلبل کہیں کل بھولتی ہے

ہونٹوں پہ دم ہے لیکن دل میں یہی ہے حسرت
دو حرف اس کے منہ کے سن لیتے ہم کسی سے

میں نے کہا کہ پھیر دو دل کیا کروگے تم
بولے ہم اپنے تیر کا پیکاں بنائیں گے

نظارہ قاتل سے ہوں میں بے خبر ایسا
کچھ ہوش ہے خنجر کا نہ گردن کی خبر ہے

آئی بہار چل کے رف گر چھیڑیئے
ہنس ہنس کے چاک جیب کے ٹانکے ادھیر

کہنے نا آشنا تو کہتے ہیں
یہی باتیں ہیں آشنائی کی

وہ جلوہ دیکھ کر جب طور پر موسی کو غش آیا
تو آئی غیب سے آواز دیکھا ہم نہ کہتے تھے

منہ پہ غصہ ہاتھ میں تلوار بروپر شکن
جان دوبھر ہو جسے وہ تم سے حال دل کہے

دو ہاتھ جب کنار ہو دیر اس میں کیا لگے
ہم پیر کے شراب میں کوثر سے جا لگے

ابھی وہی ہے ہماری شب فراق کی شام

ہزار بار جلی شمع اور تمام ہوئی
امیر اس بت کو دل دیتے ہو کیا شامت تمہاری ہے
امیر اپنا تو یہ ہے مشرب ادا نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے
اب سر بازار کہتے ہیں اٹھا کر وہ نقاب
جس نے یوسف کو نہ دیکھا ہو وہ ہم کو دیکھ لے
آئینہ دیکھ کے کے وہ عکس سے فرماتے ہیں
تم بھی اب آنکھ لڑانے لگے دیکھا دیکھی
اپنی کہو گذرتی ہے کس طرح اے امیر
ہم ہیں فقیر لوگ ہماری بھلی کہی
تو کھینچے گا اس کی شکل مانی
تو نے کہی اور میں نے مانی
باقی نہ دل میں کوئی الہی ہوس رہے
چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے
سودازدوں کو قتل جو زلف رسا کرے
تم اور خوش ہو رنج تمہاری بلا کرے

پاچکے چین تہ خاک بھی ہم کشتۂ عشق
دل بے تاب کو اللہ سلامت رکھے
یاد آئیگی جو اس کے در گوش کی امیر
بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے
نامہ بریار کے آنے کی نہیں کہتا ہے
ایک بھی بات ٹھکانے کی نہیں کہتا ہے
مقتل میں وہ ہر گام پہ سو بار گرے ہیں
یہ ٹھوکریں کھائی ہیں شہیدوں کے سروں کی
ہے آج جو سر گذشت اپنی

کل اس کی کہانیاں بنیں گی
مجھ کو نہیں شکایت مقتل میں اب کسی کی
پیکاں نے دلدہی کی خنجر نے ہمدی کی
تیغ قاتل نے تو ارمان نکالے کچھ کچھ
اب رہی خنجر قاتل سے شکایت باقی
کرتے ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تم عاشقوں کے ذبح
کتنا تمہیں ثواب کمانے کا شوق ہے
قاتل مرے سوا نہ کرے تو کسی کو قتل
اللہ تیرے ہاتھ کو پائے ثبات دے
آزردگی کے خوف سے جس جانہ رہ سکے
ایسی جگہ امیر سے کیا خاک ہو سکے
کل تک تو کچھ کچھی ہوئی رہتی تھی تیغ یار
ہے آج کیا کہ میرے گلے سے لپٹ گئی
اب تم چھپاؤ منہ نہ کریں ہم فغاں کو ضبط
جو بات تھی وہ سارے زمانے پہ کھل گئی
حرم سے دیر کو آئے امیر مر مر کے
خدا کے گھر سے پھرے ہم خدا خدا کر کے
دو دن کی محبت میں جو حالت ہوئی میری
برسوں کے مریضوں کی یہ صورت نہیں ہوتی
مسجد میں بلاتا ہے ہمیں زاہد فہم
ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے
امیر اک ذرا دیکھے بھالے ہوئے
محبت میں دل کو سنبھالے ہوئے
ہم فقیروں کو کہاں حوصلا ہے اوصل امیر
مہرباں اس کو جو پایا تو کبھی جا بیٹھے

ہوں میں بیمار محبت کوئی مجرم تو نہیں
میرے گھر پر ہے طبیبوں کی چھڑھائی کیسی
چھپتا ہے دل کا رنگ کہیں ضبط آہ سے
حسرت ٹپک رہی ہے ہماری نگاہ سے
ہے آسماں الٰہی دل جلے کا مدفن
اک شعلہ صبح ہوتے اٹھتا ہے روزیاں سے
ضبط دیکھو ادھر نگاہ نہ کی
مر گئے مرتے آہ نہ کی
ہاتھ میں ڈالا میں نے دامن پر تو بولے ناز سے
میرا دامن چھوڑیئے اپنا گریباں پھاڑیئے
روز اک بات حسینوں کی نرالی سنیئے
دیجئے ان کو دعائیں بھی تو گالی سنیئے
کیوں گٹھریاں بھری ہیں منعم نے پیر ہن کی
جائیں گی ساتھ اس کے دو چادریں کفن کی
وہ کیا اٹھائے ہجر میں صدمے ملال کے
جس ناتواں سے لطف نہ اٹھیں وصال کے
ہجر میں یاد تری زلف رسائی آتی ہے
ہم کو دوزخ میں بھی جنت کی ہوا آتی ہے
بجلی کی طرح پھرتی تھی محفل میں کوندتی
کیا کہیے وہ نگاہ کدھر تھی کدھر نہ تھی
مارتے ہو نہ جلاتے ہو کبھی عاشق کو
نہ جفا آتی ہے تم کو نہ وفا آتی ہے
خال شب کو رخ روشن پہ تمہارے دیکھے
ہم نے یوسف کی طرح خواب میں تارے دیکھے
صبا بھی ہو کے کبھی نامہ بر نہیں جاتی

ہوا بھی اب تو اِدھر کی اُدھر نہیں جاتی
ہوتی ہے بتو صبح خدائی اگر ایسی
اللہ نہ دشمن کو دکھائے سحر ایسی
یہ سمجھے ہم جو اٹھا گرد باد صحرا میں
کسی کی روح کہیں بے قرار جاتی ہے
رواں ہے نکہت گل کی طرح یہ عہد شباب
پلا شراب کہ ساقی بہار جاتی ہے
جو بیقراری دل اب ہے گر یہی ہوتی
تو آج تک مری کاہیکو زندگی ہوتی
پیش کش کرنا بھی کچھ لازم ہے بسمل کے لئے
سر لگا رکھا ہے میں نے تیغ قاتل کے لئے
مجھی پر چھری تیز ہے ناصحا
کبھی اس کو جاکر نصیحت نہ کی
بڑا کریم ہے زاہد وہ بخش ہی دیگا
بساط کیا ہے ہم ایسے گناہگاروں کی
غش آگیا کبھی کبھی آنکھیں بدل گئیں
کیا کیا شبِ فراق میں نوبت گزر گئی
درد بلبل خدا نہ سنوائے
ہائے گل کی صدا نہ سنوائے
ہستی و نیستی کا کھلتا نہیں ہے عقدہ
آتے ہیں کچھ ادھر سے جاتے ہیں کچھ ادھر سے
جانا اگر حرم کو ہے منظور اے امیر
تو میکدے سے راہ ہے سیدھی لگی ہوئی ہے
سمجھائیں مجھ کو ناصح لیکن ذرا سمجھ لیں
وحشت کی میں بھی لونگا مجھ کو جنوں بھی ہے

بے خودی یار کا پتا دیگی
بے نشانی نشاں بتادے گی
منہ سے جو آہ نکلی وقت وداع قاتل
بولا کہ تیر مارے تب آفریں نہ نکلی
دل نہ بازار میں مہنگا ہے مستا چھوٹے
کھو ہی جائے کہیں کمبخت کہ جھگڑا چھوٹے
ہم سیہ بختوں کو سرمے کی طرح
تیری چتوں نے لگا رکھا ہے
کوئی امیر تیرا درد دل سنے کیونکر
تو ایک بات کہے اور دو گھڑی روئے
چڑھ کے منبر پہ ہجوے واعظ
اور جو سن لے کوئی خرلاتی
محنتیں کس کس سے لیں قاتل تیرے نخچیر نے
چلے کھینچے تیرے سجدے کیئے شمشیر نے
درد دل کہیے تو کہتا ہے وہ شوخ
ایک ہی تم کو کہانی یاد ہے
مشتاق بوئے زلف رسا کا دماغ ہے
تیرا بھی اے امیر بلا کا دماغ ہے
آستیں یار نے چڑھائی ہے
وقت تقدیر آزمائی ہے
کس نگہ سے تم نے دیکھا تھا امیر
روتے روئے ان کو ہچکی لگ گئی
تو وہ بت ہے کہ تجھے ساری خدائی چاہے
بندہ اللہ سے کس کس کی برائی چاہے
آنکھ ابھی یاد میں اک گل کی لگی ہے میری

دو گھڑی مجھ کو نسیم سحری سونے دے
ضعف کی کچھ کہی نہیں جاتی
سانس بھی اب تولی نہیں جاتی
چھڑک کر نمک زخموں پر نمک قاتل یہ کہتا ہے
نمک سے پاٹ دوں میں آج میرا دل یہ کہتا ہے
لگاؤں دور سے تلوار وہ قاتل یہ کہتا ہے
لپٹ جاؤں میں جوہر بن کے میرا دل کہتا ہے
زباں شمع کہتی ہے کہ میں تجھ کو جلا دوں گی
میں کب ٹلتا ہوں پروانہ سر محفل یہ کہتا ہے
جب کہا میں نے بتو کیوں مجھے کرتے ہو شہید
ہنس کے کہنے لگے للہ بھی اک کام سہی
اس کی پروا کچھ نہیں تکلیف یا آرام ہے
اے غم جاناں مجھے تیری خوشی سے کام ہے
گلی میں یار کے جب تک کہ مر نہ جائینگے
ہزار ہم گئے گذرے ہیں پر نہ جائینگے
خنجر کا ذوق ، شوق شہادت کا جوش ہے
سر کی مجھے خبر ہے نہ گردن کا ہوش ہے
ڈالی پھولوں کی اگر میرے حضور آتی ہے
پتی پتی سے مجھے بوئے غرور آتی ہے
رہے ہیں وصل میں برسوں ہم اس کروٹ وہ اس کروٹ
جدا رہنے کی عادت مشکلوں سے ہم نے ڈالی ہے
وہ کیا جانے کسی کا حال کیا ہے
کہ درد عشق سے نا آشنا ہے
دونوں ہیں ادھر ہی سے گر فرق ہے تو اتنا
تقدیر بنا دی ہے۔ تدبیر بتادی ہے

نہ رہنے کی نہ جانے کی خبر ہے
یہ کیسی اقامت یہ کیسا سفر ہے
دی مجھ کو محبت اک پری کی
اللہ نے بندہ پروری کی
ترے چاہنے والے مر جائیں گے
یہ ناکام بھی کام کر جائیں گے
منہ دیکھوں میں مقتل میں اجل کا ترے ہوتے
اے خنجر قاتل تجھے غیرت نہیں آتی
کوئی دم بے تکلف ہو کے مستوں میں اگر بیٹھے
تو جو کچھ عرش پر ہے دیکھ لے زاہد وہ گھر بیٹھے

جوہرِ انتخاب

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا
تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا
اڑاتے پرزے تو قاصد کو ناگوار ہوا
میں خوش ہوں ایک سے نامہ مرا ہزار ہوا
بعد مرنے کے لگی ہاتھ دوا بھی تو کیا
مردہ تشنہ جو دریا میں بہا بھی تو کیا
کیف حاصل نہ ہوئے داغ نہ میخواری کا
مستی عشق بڑا کام ہے ہشیاری کا
برسوں کعبے میں رہے جا کے کلیسا کیسا
نہ ملا ڈھونڈ چکے ہم اسے کیسا کیسا
خم توڑ کر بنائے بہت ساغر شراب
مستوں پہ محتسب نے نرالا کرم کیا
شہر بیگانہ میں ہوتا ہے مسافر کا جو حال

ہے حسینوں کے محلے میں وہ عالم اپنا
کسے ہے وصل کی خواہش ترے خیال کے بعد
کہ حشر تک نہیں پھر ہجر اس وصال کے بعد
کہیں مٹتے ہیں ہمارے دل مایوس کے داغ
ہونگے مرہم سے نہ اچھے کبھی طاؤس کے داغ
لٹ گئے ایسے جفا کار ترے جور سے ہم
چار ہی روز میں کچھ اور ہوئے اور سے ہم
دیکھنے کو نہیں اے اہل عدم آتے ہیں
خیر اگر تم نہیں آتے ہو تو ہم آتے ہیں
کیجئے شوخی وہ جس میں شرم کے انداز ہوں
پھاڑے کپڑے مگر سب چاک بے آواز ہوں
آیا ہے یار سامنے لازم ہے غش کروں
ہوش و خرد جو کچھ ہے وہ سب پیشکش کروں
ملال کس سے کہوں کوئی آس پاس نہیں
شریک غم فقط اک دل اسے حواس نہیں
میں بھی اب امتحانِ یار کروں
چاہئے ضبط اختیار کروں
بعد مرگ آئے ہیں وہ تربت پر
اب کہاں جان جو نثار کروں
دل بھی ہے انتظار یار میں گم
اب کہو کس کا انتظار کروں
آتا ہے یہ دل میں اسے ناصح کو دکھادوں
پر رشک جو مانع ہے جو اب اس کو میں کیا دوں
بے دیکھے برہمن کو ہے انکار میں حیراں
اللہ کوئی بت تو نہیں ہے کہ دکھادوں

پیری میں ہیں یوں عشق کے داغ اپنے بدن میں
گل پھولتے ہیں صبح کو جس طرح چمن میں
اس کوچے میں کچھ رہروؤں کے نقش قدم ہیں
کچھ طالب دیدار بچھا آئے ہیں آنکھیں
مہرو وفائے غیر کا پیچھے گماں کرو
ترچھی نظر سے پہلے ذرا امتحاں کرو
منکر گوشہ نشیناں خرابات نہ ہو
کہ یہی گوشہ کہیں قبلہ حاجات نہ ہو
سناؤں کیا انہیں نالے میں اپنی راتوں کو
وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو
ایسا ہے کون اس کو جو میری خبر کرے
اک آہ ہے سو وہ بھی جو پیدا اثر کرے
ٹالتے ہیں روز وہ پر دل مرا مسرور ہے
آج کل کب تک کریں گے کیا قیامت دور ہے
ہجر میں نیند کا جھونکا اگر آجاتا ہے
پھر کوئی خواب میں ٹھوکر سے جگا جاتا ہے
فوج بہار باغ سے گرم شتاب ہے
تھالے میں جو شجر ہے وہ پادر رکاب ہے
عشق سے پیری میں بھی کچھ لاگ باقی رہ گئی
کاروان عمر گزرا آگ باقی رہ گئی
جان سمندر و دل پروانہ دے مجھے
اے سوز عشق ہمت مردانہ دے مجھے
دل چرایا ہے میرا پر وہ خجل کتنا ہے
فق ہوا جاتا ہے منہ چور کا دل کتنا ہے
کچھ کام نہیں ہے انہیں فریاد رسی سے

رونے کا سبب کرتے دریافت ہنسی سے
میرا جگر تو کانپ گیا اس نگاہ سے
اس سنگدل کا دل نہ ہلا میری آہ سے
دیکھے جو میری آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے
افتاد یہ نئی ہے کہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے
کھلیں پلکیں نگہ اس چشم افسوں ساز سے نکلی
کہ لیلیٰ پردۂ محمل اٹھا کر ناز سے نکلی
لٹک کر زلف سے کیا حسن ساقوں میں چھپایا ہے
تعجب کی جگہ یہ ہے کہ دو شمعوں میں سایہ ہے
وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلائے تو کیا گذرے
دکان شیشہ گر میں مست آجائے تو کیا گذرے
اس سنگِ آستاں سے جو اپنی جبیں ملی
سمجھے کہ بادشاہی روئے زمیں ملی
وہ درد ہے کہ اس کا مزا کچھ نہ پوچھئے
ملی کہتا ہے دل کسی سے دوا کچھ نہ پوچھئے
بتوں کی روش کوئی کیا جانتا ہے
بڑے بے وفا ہیں خدا جانتا ہے
کچھ شرم نہیں خلق جو ان کو نگراں ہے
سمجھے ہوئے ہیں تاب نظر ان کو کہاں ہے
اس بزم میں اے شوق نہ باہر ہو ادب سے
اللہ بچائے نگہ چشم غضب سے
سرمے کی سلائی نے کیا آکے جو مجرا
اُس آنکھ کی شوخی نے صدا دی کہ ادب سے
نشۂ مئے نے کر دیا اندھا
خاک سوجھے رہ صواب مجھے

مضموں کمر کہ اس کے دہن کا نکالئے
ملک عدم کا کوئی تو رستا نکالیے
مجھ کو یہ شوق ہے کہ کہیں جلد ہو وصال
ان کو یہ فکر ہے کوئی جھگڑا نکال لیے
دشت جنوں کی ہم کو اذیت پسند ہے
پھر کیا سمجھ کے پاؤں سے کانٹا نکالیے
یہ دماغ ان کو کہاں تھا جو تکلم کرتے
کاش سن کر مرے شکووں کو تبسم کرتے
بیٹھ کر کون ترے کوچے میں یار اٹھتا ہے
خاک ہوتے ہیں کوئی دم میں غبار اٹھتا ہے
ہے بجا رنگ جو یہ تیرے سیہ خال کا ہے
یہ بھی اک نقطہ مرے نامہ اعمال کا ہے
دیت کے واسطے محشر میں کب ہوں دا منگیر
مجھے نمود ہے منظور اپنے قاتل کی
بت خانے کے دروازے پہ مدت سے پڑے ہیں
شاید کبھی کچھ کام خدا ساز نکل جائے
آئینے کی آنکھ سے لڑتی ہے جب عاشق کی آنکھ
چاہتی ہے چھین لے لذت ترے دیدار کی
پوچھو نہ اس زمانے میں الفت کا حال کچھ نہ
اک رسم تھی قدیم سو موقوف ہوگئی

تمام شدہ

انتخاب دیوان جلیل

بے وفا یار با وفا نہ ہوا
دل ہوا دل کا مدعا نہ ہوا
غم دیا تم نے داغ ہجر دیا
سچ ہے کیا کیا مجھے عطا نہ ہوا
بولے جھنجھلا کے جب گلا نہ کٹا
اک مصیبت ہوئی گلا نہ ہوا
منہ دوا کا نہ درد نے دیکھا
داغ مرہم کا آشنا نہ ہوا
ہاتھ تک جوڑنا پڑے ہم کو
دل کے ہاتھوں جلیل کیا نہ ہوا

قیامت ہے ان کا ادھر سے دیکھ لینا
کریں گے یو ہیں دل میں گھر دیکھ لینا
برا کیا ہے باندھو اگر تیغ و خنجر
مگر پہلے اپنی کمر دیکھ لینا
نشانہ بناؤ گے تم کیا عدو کو
ہمیں ہوں گے مدنظر دیکھ لینا
کہوں کیا جدائی تری کیا کریگی
جو کچھ ہوگا وقت سحر دیکھ لینا
وہ آنکھیں لڑانے کو ہیں عاشقوں سے
جلیل آج اپنا جگر دیکھ لینا

فغاں میں درد دعا میں اثر نہیں آتا
جو تم نہیں ہو تو کوئی ادھر نہیں آتا

ہر رنگ ہے تیرے آگے پھیکا
مہتاب ہے پھول چاندنی کا
منہ پھیر کے یوں چلی جوانی
یاد آگیا روٹھنا کسی کا
آئینہ بنا رہے ہو دل کو
دل ٹوٹ نہ جائے آرسی کا
سمجھے تھے نہ ہم کہ تم پہ مرنا
ہو جائے گا روگ زندگی کا
دیکھو نہ جلیل کو مٹاؤ
مٹ جائے گا نام عاشقی کا

داغ کو جلتے ہوئے اشک کو ڈھلتے دیکھا
زخم دل ایک تجھے پھولتے پھلتے دیکھا
فلک پیر کو نیرنگ کہاں سے آیا
کہیں تم کو تو نہیں آنکھ بدلتے دیکھا
ڈھلکے شانے سے دوپٹا جو رکا سینے پر
بولے وہ مجھ سے کہ گرتے کو سنبھلتے دیکھا
چٹکیوں میں وہ مرے دل کو دبا کر بولے
مل ہی ڈالوں گا تجھے پھر جو مچلتے دیکھا
آج ہیں زخم تو کل داغ بدن پر ہیں جلیل
تم کو بھی نت نئی پوشاک بدلتے دیکھا

غنچۂ خاطر خوشی سے کھل گیا
آپ کیا آئے خزانہ مل گیا
حسرت دیدار میں یوں دل گیا

خون ہو کر آنسوؤں میں مل گیا
ڈر گیا ہے جی کچھ ایسا ہجر سے
تم جو پہلو سے اٹھے دل ہل گیا
پس گیا اٹھکیلیوں کی چال پر
لو تمہارے ہاتھ سے بھی دل گیا
اے جلیل آنسو بہائے تم نے کیوں
ان کو ہنسنے کا بہانہ مل گیا

رونا ہے اب یہ آٹھ پہر یار کیا ہوا
آنکھوں کو روگ لگ گیا دیدار کیا ہوا
افشاں رہی جبیں پہ نہ لب پر مسی رہی
کہتے ہیں یہ تو لوٹ ہوئی پیار کیا ہوا
دیوانہ نازکی کا ہوں ہلکا سا طوق ہو
اترا ہوا گلے کا تیرے ہار کیا ہوا
دل سے مٹے غبار تو دیکھیں تڑپ مری
ان کو خبر نہیں پس دیوار کیا ہوا
کیا بیگنہ جلے جو کہا اس نے حشر میں
میرا جلیل نام گنہگار کیا ہوا

کوئی حسیں ہو ہمیں اک نگاہ کر لینا
جگر کو تھام کے چپکے سے آہ کر لینا
ہمارے بعد رہے پاس رازِ الفت کا
کہیں نہ حال تم اپنا تباہ کر لینا
نیاز مند ہوں کافی ہے ناز کرنے کو
سلام جا کے انہیں گاہ گاہ کر لینا
کوئی سنے نہ سنے مجھ کو درد دل کہنا
اثر کرے نہ کرے مجھ کو آہ کر لینا
وہ جس سے ملتے ہیں اس سے ضرور کہتے ہیں
جلیل سے نہ کہیں رسم وراہ کر لینا

دیکھنے میں آئے وہ جلوہ نہیں ہے یار کا
دیکھ لے موسیٰ کو جس کو شوق ہو دیدار کا
ہے ادا کے ساتھ شرہ ابر و خمدار کا
ہاتھ جب نکلا تو نکلا نام بھی تلوار کا
قیس کے ملبوس عریانی پہ لیلیٰ رو پڑی
جابجا پیوند دیکھا زخم دامندار کا
ضعف میں اتنی سبکساری بھی کچھ تھوڑی نہیں
رنگ ہلکا ہو چلا ہے چہرۂ بیمار کا
کون سحر سامری کا نام لیتا ہے جلیل
چل رہا ہے اندنوں جادو نگاہ یار کا

وصل میں وہ چھیڑنے کا حوصلہ جاتا رہا
تم گلے سے کیا ملے سارا گلہ جاتا رہا
روز جاتے تھے خط اپنے روز آتے تھے پیام
ایک مدت ہوگئی وہ سلسلہ جاتا رہا
مڑ کے قاتل نے جو دیکھا وار پورا ہوگیا
کشتگانِ نیم بسمل کا گلہ جاتا رہا
کیا مہذب بن کے پیش یار بیٹھے ہیں جلیل
آج وہ جوش جنوں وہ ولولہ جاتا رہا
زیبا یہ نہ تھا تم کو دل لے کے دغا کرنا
ان ہونٹوں سے کیا کہنا ان ہاتھوں سے کیا کرنا
رونے سے کہاں فرصت کیا دیکھئے حال اپنا
ممکن نہیں آنکھوں سے دامن کو جدا کرنا
رو رو کے بیاں کرنا حسرت مری اے قاصد
کہنے میں نہ جو آئے آنکھوں سے ادا کرنا

وہ شوق بھرا دل تھا حسرت سے تڑپ اٹھا
ثابت نہ ہوا مجھ پر ناوک کا خطا کرنا
جاتے ہو خدا حافظ ہاں اتنی گذارش ہے
جب یاد ہم آجائیں ملنے کی دعا کرنا
وعدے پہ یقیں مجھ کو آنے ہی کو تھا لیکن
چتون یہ پکار اٹھی مشکل ہے وفا کرنا
اس آپ کی غفلت پر افسوس جلیل افسوس
کیا کر چلے دنیا سے تھا آپ کو کیا کرنا

ناداں تھے وہ شباب نے ہشیار کر دیا
فتنے کو خواب ناز سے بیدار کر دیا
کیا کیا بناؤ بگڑے ہوئے تیوروں میں ہیں
غصے نے اور ان کو طرحدار کر دیا
پست و بلند کوچۂ قاتل کی تھی زمیں
بسمل نے لوٹ لوٹ کے ہموار کر دیا
جینے کی تو امید کہاں تھی فراق میں
مرنا بھی انتظار نے دُشوار کر دیا
ہم سے جلیل فکر سخن خاک ہو سکے
غم نے دل و دماغ کو بیکار کر دیا
برا نہ مانو اگر ذکر حور میں نے کیا
غرور تم نے کیا تھا قصور میں نے کیا
تمہیں کچھ اور سوا تم کے کون کہتا تھا
جناب میں نے بنایا حضور میں نے کیا
یہ حال ہے کہ اب اس کا بھی مجھ کو ہوش نہیں
نثار کس پہ دل ناصبور میں نے کیا

وہ قتل عام کو نکلے ہیں اک تماشا ہے
ہر ایک سوچ میں ہے کیا قصور میں نے کیا
اب اس کو پردہ دری سمجھو یا کچھ اور کہو
تمہارے حسن کا چرچا ضرور میں نے کیا
کسی کے نامہ و پیغام سے لئے دو کام
نظر کا نور جگر کا سرور میں کیا
جلیل جیسے مجھے خو پڑی صبوحی کی
وظیفہ سحری یا غفور میں نے کیا

رنگت یہ رخ کی اور یہ عالم نقاب کا
آنچل میں تم تو پھول لئے ہو گلاب کا
چاروں طرف سے اس پہ نگاہوں کا بار ہے
مشکل ہے ان کو رخ سے اٹھانا نقاب کا
تسکین خاک دیتے ہیں رکھ کر جگر پہ ہاتھ
پہلو بدل رہے ہیں مرے اضطراب کا
خاک چمن پہ شبنم و گل کا عجب ہے رنگ
ساغر کسی پہ چھوٹ پڑا ہے شراب کا
کھوئے ہوئے ہیں شاہد معنی کی دھن میں ہم
یہ بھی جلیل ایک جنوں ہے شباب کا

جسے ہے تیرے ناز اٹھانے سے مطلب
اسے کیا ہے سارے زمانے سے مطلب
وفا خوش جمالوں میں ہو یا جفا ہو
ہمیں اس سے کیا دل لگانے سے مطلب
کیا سب سے فارغ انہیں سادگی نے

غرض آئینے سے نہ شانے سے مطلب
نہ وہ شمع دیکھیں نہ پروانہ دیکھیں
کوئی ہو انہیں دل جلانے سے مطلب
یہ مانا زمانہ بہت بے وفا ہے
جلیل آپ کو کیا زمانے سے مطلب

پہلو سے وہ اٹھے تو کہا دل نے ہائے دوست
آباد ہو کے لٹ گئی دولت سرائے دوست
دل نے کیا ہے فتنہ محشر کے مشورہ
تو خاک راہ دوست ہو میں خاکپائے دوست
تم یہ کہو بر آئے ترے دل کا مدعا
میں یہ کہوں قبول ہو یارب دعائے دوست
ایسا ہوا ملال کہ مٹ جاتے ہی بنی
قدموں سے دوست کے جو چھپی نقش پائے دوست

ناز سے کہتی ہے وہ زلف چلیپا بن کر
بو مری سر میں سما جاتی ہے سودا بن کر
قتل کے بعد مرے چہرے پہ رنگت کیسی
پھوٹ نکلی ہے وفا خون تمنا بن کر
بزم میں بیٹھ کے کیا کیا نہ اٹھائے فتنے
ستم آراوہ بنے انجمن آرا بن کر
اوز بگڑے گا اب آشفتہ مزاجوں کا مزاج
آج نکلا ہے مرا گیسوؤں والا بن کر
بعد استاد کے ہو لطف سخن خاک جلیل
شعر بھی منہ سے نکلتا ہے تو نالا بن کر

غضب ڈھاتے ہیں تیر ناز دل میں مہماں ہو کر
رہے تو درد دل ہو کر جو نکلے تو فغاں ہو کر
ترنگیں ہیں جوانی کی جو رنگ اپنا دکھاتی ہیں
کسی جا شوخیاں ہو کر کہیں بیتابیاں ہو کر
در جاناں سے آگے کب تحیر بڑھنے دیتا ہے
جو آتا ہے وہ رہ جاتا ہے سنگ آستاں ہو کر
ستم کا کچھ نہیں شکوہ مگر ہم کو یہ حیرت ہے
وہ کیونکر آفت جاں ہوگئے آرام جان ہو کر
جلیل استاد کا استاد کا مصرع نہ بھولا ہے نہ بھولے گا
انا الحق بول اٹھا منصور آخر بدگماں ہو کر

روتے ہو تم آتے جاتے میرا مدفن دیکھ کر
کیا کہیں گے اپنے دل میں دوست دشمن دکھ کر
آہ کی میں نے جو ان کا روئے روشن دیکھ کر
آپ فرماتے ہیں کیا جلتے ہیں دشمن دیکھ کر
فاتحہ پڑھتے وہ کیا پہروں کھڑے رویا کئے
شمع مدفن بنگئے عاشق کا مدفن دیکھ کر
یہاں بھی دیوانے تمہارے کچھ نہ کچھ لائینگے رنگ
ہوتی ہیں سرگوشیاں محشر کا دامن دیکھ کر
ان کی صورت دیکھ کر جیتے تھے تم توالے جلیل
اب کہو کیا دل پہ گذری ان کا مدفن دیکھ کر

نصیبوں سے ہوا کرتا ہے مرنا اچھی صورت پر
خدا شاہد ہمیں تو ناز ہے اپنی محبت پر
خدا رکھے وہاں قتل عدد کیا وصل عاشق کیا

کبھی آسان ہے ان کو اگر رکھ لیں طبیعت پر
جرس کرتا ہے نالے دل پر اپنے چوٹ لگتی ہے
کبھی رکھتے تھے قدرت ہم بھی اظہار محبت پر
عجب شے حسن ہے جس نے کیا ہر عیب کا پردا
تمہیں ظالم کوئی کیونکر کہے اس شکل و صورت پر
جلیل خستہ جاں ڈوبا ہے گو بحر معاصی میں
مگر اس کو بھروسا ہے الٰہی تیری رحمت پر

بڑے مزے کا زمانہ تھا وہ زمانہ عشق
سر نیاز تھا جب واقف آستانہ عشق
کہیں ہے داغ کا مضمون کہیں ہے سوز کا ذکر
سنو نہ تم کہ بہت گرم ہے فسانہ عشق
یہاں ایاز ہے آقا غلام ہے محمود
جلیل کیا میں کہوں تم سے کارخانۂ عشق

نالاں ہیں زندگی سے تو بیزار جی سے ہم
یہ جانتے تو دل نہ لگاتے کسی سے ہم
بیخود کریں گے حشر میں ہو کر وہ بے نقاب
کھوئے ہوئے ہیں اپنی نظر میں ابھی سے ہم
دل مٹ گیا بلا سے فراغت تو ہو گئی
اس بیکسی میں چھوٹ گئے بیکسی سے ہم
سنتے ہیں گرم ہوگا قیامت میں آفتاب
بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے ہوئے زندگی سے ہم
ہر روز چاہیے انہیں کوئی پری جمال
آفت میں ہیں جلیل کی دیوانگی سے ہم

یہ جو سر نیچے کیے بیٹھے ہیں
جان کتنوں کی لیے بیٹھے ہیں
واعظو چھیڑو نہ رندوں کو بہت
یہ سمجھ لو کہ پیئے بیٹھے ہیں
دل کو ہم ڈھونڈھتے ہیں چار طرف
اور یہاں آپ لیے بیٹھے ہیں
دست وحشت کو خبر کر دے کوئی
ہم گریباں سیئے بیٹھے ہیں
اور کیا چاہتے ہو اُن سے جلیل
ہاتھ میں ہاتھ دیے بیٹھے ہیں

تڑپنے پر مرے منہ پھیر کر آنسو بہاتے ہیں
تنفر کا بھی ہے اظہار چاہت بھی جتاتے ہیں
وہ جلتے ہیں جو ہم کو دیکھ کر ہم بھی جلاتے ہیں
دکھا کر ان کو تصویر ان کی سینے سے لگاتے ہیں
انہیں رخصت ہوئے مدت ہوئی بھولا نہیں اب تک
گلے مل کر وہ کہنا لو خداحافظ ہے جاتے ہیں
بڑے ہمدرد بن کر آئے ہیں اللہ رے ہمدردی
مرے دم پر نبی ہے آپ بیٹھے مسکراتے ہیں
پڑے کیا ہو جلیل اٹھو بڑی قسمت تمہاری ہے
جنہیں تم یار کرتے تھے ابھی دیکھو وہ آتے ہیں

تڑپ کر جب کہا دل نے کہ پہلو سے نکلتے ہیں
تو جان ناتواں بولی کہ چلیئے ہم بھی چلتے ہیں
گرے قدموں پہ میرے اشک حسرت تم بگڑ بیٹھے

چلو روٹھو نہ اب جانے دو لڑکے ہیں مچلتے ہیں
جہاں جاتا ہوں میں ہمراہ ہو لیتی ہے رسوائی
جدہر چلتے ہو تم فتنے تمہارے ساتھ چلتے ہیں
چنے جاتے ہیں دیواروں کے روزن بدگمانی سے
ذرا سے وہم پر کیا کیا وہاں رخنے نکلتے ہیں
جلیل احباب کی فرمائشوں سے ناک میں دم ہے
سمجھ رکھا ہے سب نے شعر بھی سانچے میں ڈھلتے ہیں
تیغ رکھ رکھ کے گلے پر وہ ہٹا لیتے ہیں
طائر جاں کے پھڑکنے کا مزا لیتے ہیں
دیدہ و دل کو خدا جانے کیا کس نے تباہ
سچ ہو یا جھوٹ مگر نام تیرا لیتے ہیں
ہائے وہ دن کہ لگا رہتا تھا منہ سے ساغر
اب جو پاتے ہیں تو آنکھوں سے لگا لیتے ہیں
دیکھئے چہرے پہ کیا حال ہے زلفوں کا
آپ پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہیں
لوٹ جاتی ہے جگہ پا کے قدم پر بجلی
چلتے چلتے وہ جو دامن کو اٹھا لیتے ہیں

دشمنوں پر نگہ لطف و کرم ہے کہ نہیں
تمہیں انصاف سے کہہ دو یہ ستم ہے کہ نہیں
سر برستے ہیں جو مقتل میں تو کہتا ہے وہ شوخ
کیوں مری تیغ ستم ابر کرم ہے کہ نہیں
کیا کہوں کیا مری حالت ہوئی سن کر یہ پیام
کچھ تمہیں میری جدائی کا بھی غم ہے کہ نہیں
اور تھا کون جو کرتا مری تربت پامال

دیکھیے آپ ہی کا نقش قدم ہے کہ نہیں
رات دن فکر حسینوں ہی کی رہتی ہے جلیل
کچھ تمہیں مرد خدا اور بھی غم ہے کہ نہیں

جان لینے کی ادا جان لیا کرتے ہیں
ہم انہیں دور سے پہچان لیا کرتے ہیں
بیوفا ہو کہ وفادار یہ ان سے پوچھو
تم سے جو وصل کا پیمان لیا کرتے ہیں
تو سلامت ترے انداز پر مرنے والے
موت کا بھی کہیں احسان لیا کرتے ہیں
موت ہے مفت میں بدنام حقیقت یہ ہے
دل جو لیتے ہیں وہی جان لیا کرتے ہیں

کہتے ہیں پھول ہار کے مرجھائے جاتے ہیں
مطلب یہ ہے کہ ہم سے یہ شرمائے جاتے ہیں
مے کی طلب ہمیں کو نہیں دیکھ ساقیا
بادل بھی میکدے پر ترے چھائے جاتے ہیں
دل کیا ملا ہے انکو کہ ملتا نہیں مزاج
خوش ہیں پرائی چیز پہ اترائے جاتے ہیں
کس کس مزے سے دیکھ رہے ہیں وہ آئینہ
صورت پہ اپنی آپ ہی للچائے جاتے ہیں
کیا جانے کیا جلیل نے چپکے سے کہ دیا
آنکھیں جھکائے لیتے ہیں شرمائے جاتے ہیں

رنگ لایا ہے ترے تیر کا پیکاں دل میں
ایک غنچے سے کھلا ہے چمنستاں دل میں

کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو دھوکے دے کر
کیا کہیں گے تمہیں سب گبرو مسلماں دل میں
دست قاتل کا نہ بسمل سے علاقہ چھوٹے
تیر چٹکی میں رہے تیر کا پیکاں دل میں
قتل کر کے جو ہمیں اج بہت خوش ہیں جلیل
منہ سے چاہے نہ کہیں ہونگے پشیماں دل میں
یہ گویا کہہ رہی ہے حسرت دیدار آنکھوں میں
خیال یار ہو دل میں جمال یار آنکھوں میں
اوا اک دیکھنے کی ہے وہ جس سے قتل کرتے ہیں
نہ خنجر ہے نگاہوں میں نہ ہے تلوار آنکھوں میں
جلیل اپنی نگاہوں نے خبر کر دی زمانے کو
چھپا رکھی تھی ہم نے دولت دیدار آنکھوں میں

مریضوں کو تسکین ذرا دیتے جاؤ
دعا لیتے جاؤ دوا دیتے جاؤ
دیا ہے جو دل مفت سمجھ نہ اس کو
خطا میں نے کی ہے سزا دیتے جاؤ
ستم کا ہے لپکا پھر آنا پڑے گا
مجھے زندگی کی دعا دیتے جاؤ
نکلتی ہے اس میں بھی شان اک وفا کی
یو ہیں تم دغا پر دغا دیتے جاؤ
جلیل آہی جائے گا رحم اس صنم کو
تم اللہ کا واسطا دیتے جاؤ

بوے مے پاکے میں چلتا ہوا میخانے کو
اک پری تھی کہ لگالے گئی دیوانے کو

ہاتھ میں آتے ہی کیا پاؤں نکالے ساقی
آفریں ہے تیرے چلتے ہوئے پیمانے کو
کھینچ چکی تیغ نواب ہے یہ رکاوٹ کیسی
آپ تڑپانے کو آئے ہیں کہ ترسانے کو
کوئی ایسی بھی ہے صورت تمہیں صدقے ساقی
رکھ لوں میں دل میں اٹھا کر تیرے میخانے کو
دم زینت انہیں کیا جانئے کیا یاد آیا
آئینہ توڑ دیا پھینک دیا شانے کو
ہے سبق یاد دوعالم کی فراموشی کا
ہوش اتنا تو ہے اب تک ترے دیوانے کو
حرمت میکدہ کہتی ہے یہ مجھ سے کہ جلیل
دل سے شیشہ کو لگا آنکھ سے پیمانے کو
بات ساقی کی نہ ٹالی جائیگی
کر کے توبہ توڑ ڈالی جائیگی
آتے آتے ان کو آئیگا خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائیگی
پڑ گئی چہرے پہ میری چشم شوق
اب نقاب ان سے نہ ڈالی جائیگی
جان لی تم نے ہمیں شکوہ نہیں
جاتے تھے جانیوالی جائیگی
کفر زاہد توڑنا کیا بات ہے
صرف اک مے کی پیالی جائیگی
بے سبب اپنی جگر کاوی نہیں
عشق کی بنیاد ڈالی جائیگی
فصل گل آئی جنوں اچھلا جلیل
اب طبعیت کیا سنبھالی جائیگی

گلے سے مل کے جو وہ تیغ سرخرو ہوتی
لپٹ لپٹ کے تصدق رگِ گلو ہوتی
پری کا حسن انسان کو تماشا ہو ہی جاتا ہے
جہاں تم جلوہ گر ہوتے ہو میلا ہو ہی جاتا ہے
گذر جاتی ہے آرایش میں ساری رات وعدے کی
وہ آئینہ جہاں لے بیٹھے تڑکا ہو ہی جاتا ہے
حیا کچھ آڑے آتی ہے نہ غمزے ہم سے چلتے ہیں
کوئی اقرار کر لے پھر تو پورا ہو ہی جاتا ہے
جلیل اکثر کیا کرتے ہیں توبہ شعر کہنے سے
مگر چرچے سے دل میں جوش پیدا ہو ہی جاتا ہے

بولے لیلیٰ جو صبا لائی ہے
دشت مجنوں میں بہار آئی ہے
باغ ہستی سے بہت دور تھے ہم
بو کسی گل کی لگا لائی ہے
داغ جو تم نے دیا ہے مجھ کو
وہ چراغ شب تنہائی ہے
سوتے میں کھل جو گئی ہے وہ زلف
کیا دبے پاؤں نسیم آئی ہے
ہم ادھر آپ سے باہر ہیں جلیل
وہ اُدھر محو خود آرائی ہے

اس شان سے وہ آج پئے امتحاں چلے
فتنوں نے پاؤں چوم کے پوچھا کہاں چلے
اپنی ادائے نیم نگاہی کا واسطہ
لے بے خبر خبر کہ ترے نیم جاں چلے

بیٹھے ہیں لوگ دیر سے آمادۂ سفر
چلنا اگر ہے تیغ کو قاتل تو ہاں چلے
ذکر حبیب سے ہو نہ غفلت کبھی جلیل
چلتا رہے یہ کام بھی جب تک زباں چلے
ستم ہے غیر کی چاہت کا ہوتا ہے بیاں ہم سے
جو کچھ کہیے تو کہتے ہیں لڑاتے ہو زباں ہم سے
ذرا سا دل اسے بھی وہ چھپا کر رکھ نہیں سکتے
نظر ملتے ہی کہہ دیتی ہیں ان کی شوخیاں ہم سے
بڑی جاسوس ہیں آنکھیں بڑی غماز ہیں آنکھیں
دلوں کا حال کہتی ہیں وہاں تم سے یہاں ہم سے
یہ کیا تم کہہ گئے مہرو وفا کا نام عنقا ہے
ذرا سوچو تو دل میں ایسی باتیں مہرباں ہم سے
سنا کرتے ہیں دل سے شکوہ جاناں کے افسانے
کیا کرتا ہے باتیں رات بھر اک بیزباں ہم سے
جلیل ان کو تمہارا نام لیتے شرم آتی ہے
یہ کہتے ہیں کہ رکھتا ہے محبت اک جواں ہم سے

ہاں ہاں لگاؤ تیر مرا دل بھی تو ہے
کچھ اور فائدہ نہ سہی دل لگی تو ہے
اب لوٹ کیوں ہو دل کی تڑپ دیکھ دیکھ کر
اترا کے جس کو پھینک دیا تھا وہی تو ہے
آنکھ اس نے اپنی دیکھ کے آئینے میں کہا
بیمار سب بتاتے ہیں اچھی بھلی تو ہے
سوئیگا اور کون درمیکدہ پہ یوں
یہ کام ہی جلیل کا دیکھو وہی تو ہے

اوبرق جمال اب رخ روشن کو چھپالے
اندھے ہوئے جاتے ہیں ترے دیکھنے والے
اب آپ کو پردے میں چھپا رکھنے سے حاصل
سب جان گئے حال مرا دیکھنے والے
تربت پہ ہیں کچھ پھول پڑے نقش قدم کے
گذرا ہے ادھر سے کوئی دامن کو سنبھالے
کیوں خاک نشینوں پہ یہ تیرونگی ہی بوچھار
اونچی نگاہوں سے ادھر دیکھنے والے
کچھ چھیڑ کے منہ چوم لے سینے سے لگا کے
جس طرح سے آج جلیل ان کو منالے

لطف صحبت مے و معشوق سے و نرات رہے
سالہا سال الٰہی یونہیں برسات رہے
میں نے مانا کہ مری یاد نے سونے نہ دیا
خیر اب یہ تو ہو ارشاد کہاں رات رہے
جان جاتی ہے کسی کی تو بلا سے جائے
ان کو اس بات کی ضد ہے کہ مری بات رہے
حاصل عمر ہے دم بھر ہو اگر دل یک سو
ہائے وہ دل جو تری یاد میں دنرات رہے
اٹھکے ہم دیر سے جاتے ہیں جو کعبے کو جلیل
سب سے یہ کہتے ہیں کہاں قبلہ حاجات رہے

جھوم کر آج جو متوالی گھٹا آئی ہے
یاد کیا کیا تری مستانہ ادا آئی ہے
دل اگر تڑپے تو یا رب کچھ مزا پیدا کرے
درد دے ایسا کہ تاثیر دوا پیدا کرے
موسم گل راز مستی کا ہے دشمن ساقیا
کیا عجب ہے ٹوٹ کر توبہ صدا پیدا کرے

وصل کی امید تو پیدا ہوئی تدبیر سے
دیکھیے اب خوبی تقدیر کیا پیدا کرے
اس کا جلوہ دلنشیں رخ دلنشیں خود دلنشیں
پھر خیال غیر کیونکر دل میں جا پیدا کرے

اس کا تا کا تھا جگر تیر نظر سے پہلے
دل تڑپ کر یہ پکارا کہ ادھر سے پہلے
جیسے جیسے در محبوب قریب آتا ہے
دل یہ کہتا ہے کہ پہنچوں میں نظر سے پہلے
دل چرانے کی ادا خاص ہوا کرتی ہے
دیکھ لیتے ہیں وہ دزدیدہ نظر سے پہلے
یار سے پردہ اٹھانے کو کیا کہئے
ہولے دامن تو جدا دیدۂ تر سے پہلے
شامِ غربت کا فسانہ نہ ابھی چھڑا یدل
پوچھ لوں حالِ وطن باد سحر سے پہلے
کہہ گیا آج وہ بیدرو گلے مل کے جلیل
ہم نہ واقف تھے ترے درد جگر سے پہلے

شکوہ تھا ارمان تھا دل میں مرے کیا کچھ نہ تھا
دم کے دم کو وہ جو آبیٹھے تو گویا کچھ نہ تھا
پیار کرتے تھے ہم ان کو کوستے تھے وہ ہمیں
بات اتنی تھی ہمارے ان کے جھگڑا کچھ نہ تھا

تمام شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتخاب دیوان حصہ دوم

بزم عشرت میں نئے رنگ کا ساماں دیکھا
حالت وجد میں ساغر کو بھی رقصاں دیکھا
غنچۂ و گل سے بھلا ضبط خوشی کیا ہوتی
ہنس پڑے وہ بھی جو سرکار کو خنداں دیکھا
تھی نسیم سحر آگاہ کہ ہے وقت خوشی
کر گئی شمع کو خاموش جو گریاں دیکھا
کبھی چھپتے نہیں اوصاف جو آبائی ہیں
آصفی شان کو تیور سے نمایاں دیکھا
روئے رنگیں پہ پسینے کا عجب عالم ہے
آب و آتش کو بہم دست و گریباں دیکھا
عہد دولت میں ترے رنج ہوا گنج مراد
دور راحت میں ترے درد کو درماں دیکھا
ایک تجھ پر نہیں موقوف زمانے کو جلیل
میر عثمان علی خان کا ثنا خواں دیکھا

خرمن جاں کے لئے برق ہے جلوہ تیرا
آفریں اس کو جو ہے دیکھنے والا تیرا
مجھ کو سرکار جنوں سے یہ ملے ہیں تمغے
بڑیاں پاؤں میں ہیں سر میں ہے سودا تیرا
رکھ مجھے جام شہادت سے نہ قاتل محروم
تیغ بے آب سہی دل تو ہے دریا تیرا
دن کٹیں ہجر کے اس کی کوئی تدبیر نہیں

صرف اے خنجر قاتل ہے سہارا تیرا
یارو اغیار سے شکوہ تجھے نا حق ہے جلیل
سب سے بڑھ کر ہی مصیبت دل شیدا تیرا

ساقی نے مست نرگس مستانہ کر دیا
ایسی پلائی آج کہ دیوانہ کر دیا
تیرا شباب دیکھ کے جاتے رہے حواس
فصل بہار نے مجھے دیوانہ کر دیا
منظور تھا کہ نام روشن جہان میں
خود شمع بنگئے مجھے پروانہ کر دیا
سو سو کو مست کرتے ہیں اک اک نگاہ میں
جس بزم میں گئے اسے میخانہ نہ کر دیا
پردے کی شکل خوب نکالی۔ یہ آپ نے
آیا جو سامنے اسے دیوانہ کر دیا
اغیار و یار کی مجھے پہچان کیا رہے
سب سے ترے خیال نے بیگانہ کر دیا
کی محتسب نے اج یہ اصلاح میکدہ
شیشوں کو توڑ توڑ کے پیمانہ کر دیا
ہر وقت اس میں شوخ حسینوں کا ہے خیال
دل کو جلیل تم نے پری خانہ کر دیا

فصل گل آئی ہوا حال پریشاں اپنا
آج کچھ اور ہی کہتا ہے گریباں اپنا
کس قدر نالہ بلبل میں اثر ہوتا ہے
رکھ دیا پھاڑ کے پھولوں نے گریباں اپنا
آئینہ سامنے رکھا ہے بہت ناز نہ کر

تجھ سے کچھ کم نہیں اے شوخ مقابل تیرا
گل رخسار کو پہنچی ہے کہا تنک خوشبو
ذکر کرتے ہیں گلستان میں عنا دل تیرا

یہ ستم مجھ کو نہ بھولے گا ستم گر تیرا
نیم جاں چھوڑ کے چلتا ہوا خنجر تیرا
ساقیا گردش قسمت سے عوض لینا ہے
چاہتا ہوں کہ رہے دور میں ساغر تیرا
ہے یہ منشا کہ نہ سمجھے کوئی معشوق تجھے
نام عشاق نے رکھا ہے ستم گر تیرا
آج ہے عذر تو میں کل پہ ہوں راضی قاتل
ہاں اگر بھول نہ جائے مجھے خنجر تیرا
کبھی رکتا کبھی کھنچتا ہے کبھی تنتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ ترا جوڑ ہے خنجر تیرا
قطع امید نہ ہوجائے تو کیا ہو شتال
ہاتھ نازک ہے تیرا کند رہے خنجر تیرا
آج کل آئینہ ردیوں میں گذر جاتی ہے جلیل
بارک اللہ نصیبا ہے سکندر تیرا

جیسے پروانہ گرے شمع پہ بیخود ہو کر
تیری صورت پہ اسی طرح مرا دل آیا
تجھ کو ہے ناز کہ مجھ سا نہیں دلبر کوئی
مجھ کو ہے ناز کہ ایسے پہ مرا دل آیا

آب خنجر سے جو سیراب ہوا دل میرا
دی دعا میں نے کہ ٹھنڈا رہے قاتل میرا

میں گروں بھی تو کروں خون کا دعوی کس پر
میرے قاتل کا ہر انداز ہے قاتل میرا
شیشہ و جام سے کچھ کام نہیں مجھ کو جلیل
جام ہے آنکھ مری شیشۂ مے دل میرا

وہ ٹھہرتی نہیں شوخی سے یہ بیتابی سے
دونوں ہیں آفت جاں آنکھ تیری دل میرا
رات دن جان مصیبت میں رہا کرتی تھی
آپ نے خوب کیا چھین لیا دل میرا

عہد شباب چشم زدن میں گذر گیا
جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا
ایسا نہ جانتا تھا دل بے وفا کو میں
کمبخت خود گیا مجھے بدنام کر گیا
آیا نہ پھر کے ایک بھی کوچے سے یار کے
قاصد گیا نسیم گئی نامۂ بر گیا

کونسا دل نہیں اے یار نشانہ تیرا
ہر لب زخم پہ ہے آج فسانہ تیرا
تو نے دشمن کو ادھر تیر نظر سے تاکا
میں ادھر لوٹ گیا ہو کے نشانہ تیرا
شب کو سونے نہیں دیتا دل دیوانہ مجھے
چھیڑ دیتا ہے یہ کمبخت فسانہ تیرا
دل وہ رکھتا ہوں جو روشن بھی ہے صدچاک بھی ہے
یہی آئینہ ہے تیرا بھی شانہ تیرا

یہی موقع ہے غریبوں کی دعا لینے کا
کشور حسن میں ہے آج زمانہ تیرا
یار ساقی ہے تو پینا تجھے لازم ہے جلیل
آج چلنے کا نہیں کوئی بہانہ تیرا

کیا کہوں جلوہ کہ یار سے کیونکر نکلا
دونوں ہاتھوں سے سنبھالے دل مضطر نکل
اس طرف تیغ پڑی رخ پہ ادھر آنکھ پڑی
مدعا بسمل و قاتل کا برابر نکلا
بارگاہ شہ اجمیر کی کیا بات جلیل
جو گدا جنکے گیا ہوکے سکندر نکال

ہمارے قتل سے قاتل نے خوب نام کیا
یہ دھوم ہے کہ ادا نے قضا کا کام کیا
نظر کی چوٹ سے گر بچگیا شکار کوئی
تو بڑھ کر زلف نے اس کو اسیر دام کیا
لگا کے اور بھی اک ہاتھ اسے بسمل پر
جو ناتمام تھا قصہ اسے تمام کیا
پیام ان کا جو آیا کہ ہم نہیں آتے
تو اٹھ کے درد جگر نے مجھے سلام کیا
جلیل راز محبت جو تم چھپاتے ہو
کچھ اپنے دیدہ دل کا بھی انتظام کیا

ناشاد رہ گیا نہ کوئی شادرہ گیا
چرچا ستم کا اوستم ایجاد رہ گیا

آساں نہیں ہے کوچہ دلبر کو چھوڑنا
اٹھ کر جو میں چلا دل ناشاد رہ گیا
بلبل کی روح خوف سے پرواز کر گئی
دام و قفس لیے ہوئے صیاد رہ گیا
وعدے کے ساتھ شرط یہ اچھی ہے آپ کی
وعدہ وفا کریں گے اگر یاد رہ گیا
شرم و حیا سے نام نہ روشن ہوا ترا
زیر نقاب حسن خدادا رہ گیا
میں بیخودی میں بھول گیا سب کو اے جلیل
قدرت خدا کی ہے کہ وہ بت یاد رہ گیا

نذر کرتا ہوں ابھی کاٹ کے میں سر اپنا
آپ نازک ہیں مجھے دیجئے خنجر اپنا
دست و بازو کو دم قتل نہ صدمہ پہنچے
کھینچے تیغ ادا پھینک کے خنجر اپنا
تم ہمارے لئے تدبیر ستم کی نہ کرو
تم سے دو ہاتھ ہے بڑھ کر دل مضطر اپنا
قتل کرنے کو وہ آئے ہیں مگر حال یہ ہے
دیکھتے ہیں کبھی مجھ کو کبھی خنجر اپنا
زندگی اپنی بڑے لطف سے کٹتی ہے جلیل
آج کل کوچہ قاتل میں ہے بستر اپنا

کہا یہ اس نے گلہ سن کے کج ادائی کا
کہ ایک یہ بھی ہے انداز دلربائی کا
ہمارے خون کا دھبا نہیں ہے اے قاتل
یہ داغ ہے ترے دامن پہ بیوفائی کا

حیات و موت کے جھگڑے میں جان ہے میری
لگادے ہاتھ ستم گر کوئی صفائی کا
کہاں سے لاؤں وہ قاصد جو یار تک پہنچے
خیال کو بھی ہے اقرار نارسائی کا
ذرا ذرا سی شکایت پہ روٹھ جاتے ہیں
نیا نیا ہے ابھی شوق دلربائی کا
بتوں سے رکھتے ہیں در پردہ ارتباط جلیل
مگر زبان سے دعوی ہے پارسائی کا

یہ گل کھلا ہے نیا باغ آشنائی کا
کہ دل بھی داغ مجھے دے گیا جدائی کا
تجھے ہے ناز کہ کاکل بڑی ہے پھنسانے کو
مجھے خوشی ہے کہ زینہ ملا رسائی کا
چلا ہوں شوق میں سر کو قدم بنائے ہوئے
کسی کے در پہ ارادہ ہے جبہ سائی کا
بلا کا زور تھا تیری شراب میں ساقی
غرور ٹوڑ دیا جس نے پارسائی کا
جلیل دل کی حفاظت ضرور ہے ورنہ
یہ مٹ کے نام مٹا دے گا آشنائی کا

دل ہے اپنا نہ اب جگر اپنا
کر گئی کام وہ نظر اپنا
مجھ کو دیکھو کہ عشق کا سودا
مول لیتا ہوں دے کہ سر اپنا
کیا اثر تھا نگاہ ساقی میں

نشہء اترا نہ عمر بھر اپنا
وضعداری کی شان ہے یہ جلیل
رنگ بدلا نہ عمر بھر اپنا

دل میں آیا جو تیر قاتل کا
وہی ارمان بن گیا دل کا
میرے ہوتے نگاہ دشمن پر
تیر بہکا ہوا ہے قاتل کا
چھان ڈالی گلی گلی تیری
کہیں ملتا نہیں پتا دل کا
کہہ رہی ہے یہ آنکھ ساقی کی
میرے دم سے ہے رنگ محفل کا
اٹھتے دیکھا جو تم کو پہلو سے
درد بھی اٹھ کھڑا ہوا دل کا
دہن زخم کیوں ہنسے نہ جلیل
ہاتھ اوچھا پڑا ہے قاتل کا

اٹھ گئے سن کہ وہ گلہ دل کا
رہ گیا دل میں حوصلہ دل کا
نگہ شوخ سے خدا کی پناہ
برق سے ہے مقابلہ دل کا

مستی مری بہار پہ کچھ منحصر نہیں
ساقی کے دم سے زور ہے موسم بہار کا
موسم گل میں عجب رنگ ہے میخانے کا
شیشہ جھکتا ہے کہ منہ چوم لے پیمانے کا

خوب انصاف تری انجمن ناز میں ہے
شمع کا رنگ جسے خون ہوا پروانے کا
میں سمجھتا ہوں تری عشوہ گری کو ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا
صحبت پیر مغاں میں یہ کھلا راز جلیل
خلد کہتے ہیں جسے نام ہے میخانے کا

نگاہ لطف و عنایت سے فیض یاب کیا
مجھے حضور نے ذرے سے آفتاب کیا

چل پھر کے تم نے رنگ چمن کا بڑھا دیا
غنچے کو پھول ، پھول کو گلشن بنا دیا
دل دے دیا نظر کو جگر تیر ناز کو
دونوں کو آج ہم نے ٹھکانے لگا دیا
کچھ میں ہی ان کے لطف و غضب کا نہیں ہدف
کتنوں کو سر چڑھا کے نظر سے گرا دیا
دیوانگی سے ہوگئی شہرت جمال کی
ہم تو بگڑ گئے مگر اس کو بنا دیا
آنکھوں کا ہے یہ رنگ محبت میں اے جلیل
پوچھا کسی نے حال تو دریا بہا دیا

زخم اس نے جو دیا جان تصدق کر دی
میری گردن پہ تیری تیغ کا احسان نرہا
اب تو اس پر دل بسمل کا گماں ہوتا ہے
خون میں ڈوب کے پیکاں تیرا پیکاں نرہا

بسملوں میں کوئی نکلے گا نہ ہمسر میرا
تیغ دم بھرتی ہے مشتاق ہے خنجر میرا
خاص عزت مجھے حاصل ہے گنہگاروں میں
نام قاتل نے لکھا ہے سر دفتر میرا
لے چل اے بادِ بہاری سوے میخانہ مجھے
راستہ دیکھتے ہیں شیشہ و ساغر میرا
وہ میخانہ مدت ہے پڑا ہوں میں جلیل
اس توقع پہ کہ بھر دے کوئی ساغر میرا

شوخی نے دلربا کو دل آزار کر دیا
غمزے کو تیر ناز کو تلوار کر دیا
کہتا ہے دل یہ آنکھ سے او محو انتظار
تو نے مجھے بلا میں گرفتار کر دیا
بوٹا سا قد ہے پھول سا رخ غنچہ سا دہن
جس گھر میں وہ گئے اسے گلزار کر دیا
مطلب یہ تھا کہ لوگ مسیحا کہیں انہیں
خود چارہ گر بنے مجھے بیمار کر دیا
کیا اعتبار وعدۂ معشوق کا جلیل
منہ سے ابھی کہا ابھی انکار کر دیا

مقابل ناوک قاتل کے جب تک دل نہ ٹھہرے گا
کسی لایق نہ نکلے گا کسی قابل نہ ٹھہرے گا
کوئی الزام آتا ہی نہیں اس بھولی صورت پر
وہ سب کو قتل کر ڈالے مگر قاتل نہ ٹھہرے گا
کھڑے ہیں ہاتھ قبضے پر دھرے کچھ بن نہیں پڑتی

وہ سمجھے تھے کہ آگے تیغ کے بسمل نہ ٹھہرے گا
تمہارے ہاتھ میں کل ہے سکون و بے قراری کی
جو تم چاہو گے ٹھہرانا تو کیونکر دل نہ ٹھہرے گا
ہمارے دل پہ کیا موقوف ہے بیتاب ہوجانا
وہ جس کے دل میں ٹھہرینگے ہمارا دل نہ ٹھہرے گا
چلے ہیں کوے جاناں کو نپو چھو شوق کا عالم
قدم رہ جائیں دم رک جائے لیکن دل نہ ٹھہرے گا
جد ہوتے تو ہو لیکن یہی انجام ہونا ہے
تمہارا دل نہ بہلے گا ہمارا دل نہ ٹھہرے گا
بس اب مایوس ہوجاؤ جلیل اپنی شہادت سے
نگاہِ یاس کے آگے کوئی قاتل نہ ٹھہرے گا

وہ کاش خنجر ابرو سے قتل کر جاتا
ہم اس کو دیکھ تو لیتے بلا سے سر جاتا
نہ کھل سکا تیری نیچی نگاہ کا جوہر
یہ تیر دل میں اترتا تو نام کر جاتا
یہ کیا ادا ہے کہ آتے ہی راہ لی گھر کی
تم اس قدر تو ٹھہرتے کہ دل ٹھہر جاتا

تم جو پردے میں سنورتے ہو نتیجہ کیا ہے
لطف جب تھا کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا

فکر کی لاکھ مگر وہ بت کافر نہ ملا
اتنی کوشش کوئی کرتا تو خدا مل جاتا
کم نہیں باد بہاری سے تمہاری تلوار

یہ جو چلتی ابھی زخموں کا چمن کھل جاتا
نہ سہی قتل کوئی زخم ہی دیتا مجھ کو
یہ تو ہوتا کہ شہیدوں میں ترے مل جاتا
ہے سمت ناز سے انا سر مافن تیرا
خاک اڑ کر نہ کہیں تھام لے دامن تیرا

مجھ کو شکوہ ہے کہ عشاق نے بدنام کیا
سچ تو یہ ہے کہ ترا حسن ہے دشمن تیرا
گھر ہمیشہ ترے آئینے کا آباد رہے
جس میں جلتا ہے چراغ رخ روشن تیرا

نالہ دل نے دیا خنجر قاتل کا جواب
آج قاتل کی تڑپ ہے دل بسمل کا جواب
خون میں تیر کا پیکاں وہ ڈبو کر بولے
دیکھ ہم نے یہ نکالا ہے ترے دل کا جواب
کیسے بیدرد ہیں گلزار کے بسنے والے
کوئی دیتا نہیں فریاد عنادل کا جواب
اس تمنا میں کہ وہ قتل پہ راضی ہو جائے
خون حسرت سے لکھا نامہ قاتل کا جواب
محفل یار کی تعریف جو سنتے ہو جلیل
دل ہے پہلو میں ہمارے اُسی محفل کا جواب

کمال حسن سے لاکھوں میں انتخاب ہیں آپ
زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب ہیں آپ
ادا میں ناز میں شوخی میں لاجواب ہیں آپ

جو انتخاب ہیں ان میں بھی انتخاب ہیں آپ
یہ آب وتاب کہاں اور خوش جمالوں میں
غلط نہیں کہ ستاروں میں ماہتاب ہیں آپ
جو حسن و عشق میں نسبت ہے اس سے روشن ہے
کہ میں ہوں ذرہ ناچیز آفتاب ہیں آپ
مجھے کچھ آپ سے شکوہ نہیں تغافل کا
یہ جانتا ہوں کہ مست مئے شباب ہیں آپ
جلیل آپ کا دم بھی بہت غنیمت ہے
کہ امتحان محبت میں کامیاب ہیں اپ

مہرباں ہوکے ہوئے آپ خفا کیا باعث
میرے ہوتے مرے دشمن یہ جفا کیا باعث
تیری سازش تو نہیں درد محبت اس میں
ہوگئی دشمن تاثیر دوا کیا باعث
کیا حنا پاؤں میں دونوں نے لگا رکھی ہے
نہ وہ آتے ہیں الٰہی نہ قضا کیا باعث
کسی میکش کا مگر شیشہ دل ٹوٹا ہے
سر میخانہ جو روتی ہے گھٹا کیا باعث
تم تو وارفتہ و دلادہ بتوں کے ہو جلیل
پارسا کہتی ہے کیوں خلق خدا کے باعث

سنتے ہیں آ رہی ہے چمن میں بہار آج
کھلیں گے چل کے مرغ جنوں کا شکار آج
نازک مزاج ہو نہ کوئی یار کی طرح
کھنچتا ہے بات بات پہ تلوار کی طرح
تنگ آگئے ہیں وصل میں وہ دست شوق سے

فرماتے ہیں کہ پیار کرو پیار کی طرح
دل مفت چاہتے ہیں مگر سب کے سامنے
قیمت لگا رہے ہیں خریدار کی طرح
کیونکر نباہ ہوتا ہے دونوں میں دیکھئے
دل بھی مزاج دار ہے دلدار کی طرح
آئینہ دیکھتے ہیں وہ کس چاہ پیار سے
چمکا رہے ہیں اس کو بھی رخسار کی طرح
مداح ہے جو ابرو خمدار کا جلیل
کیسی زبان چلتی ہے تلوار کی طرح

جب سے خونریز ہوا غمزۂ دلکش تیرا
تو سنے یا نہ سنے ہوتی ہے گھر گھر فریاد

اور شک چمن تیرے گلے میں
دیتا ہے عجب بہار تعویذ
ہے برق بنا ہوا گھٹا میں
چوٹی میں وہ زرنگار تعویذ

ذبح کرنے میں کمی او ستم ایجاد نہ کر
رحم کر رحم کے پردے میں یہ بیداد نہ کر
پھول گلزار کے پژمردہ ہوئے جاتے ہیں
گرم نالے بہت اے بلبل ناشاد نہ کر
عشق کہتا ہے یہ اس سے کہ نہ عشاق کو بھول
ناز کہتا ہے کہ بھولے سے کبھی یاد نہ کر
ایک مدت سے نہ قاصد ہے نہ خط ہے نہ پیام

اپنے وعدہ کو تو کر یاد مجھے یاد نہ کر
صبح تو رات کا افسانہ ہے بیکار جلیل
عہد پیری میں جوانی کے مزے یاد نہ کر
میں قفس کو ہی سمجھ لوں گا نشیمن اپنا
تیری مرضی نہیں صیاد تو آزاد نہ کر

کچھ نظر ان کو نہیں اپنے پریشانوں پر
بال زلفوں کے پڑے لوٹتے ہیں شانوں پر
خیر سے ان کا گریباں بھی سلامت نہ رہا
گل جو ہنستے تھے ترے چاک گریبانوں پر
قیس و فرہاد بھلا جامہ دری کیا جانیں
ہوگیا قطع یہ جامۂ ترے دیوانوں پر
آگیا ہے جو تصور کسی عاشق کا وہاں
قہر ہے غیظ ہے غصہ ہے نگہبانوں پر
ترے وحشی دل مضطر کو سنبھالیں کیونکر
ہاتھ اٹھتے ہیں تو پڑتے ہیں گریبانوں پر
یوں ہی انسان پریزاد تمہیں کہتے ہیں
اور پر لگ گئے زلفیں جو چھٹیں شانوں پر
اے جلیل اسک گنہگار کے اک قطرے کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

دل کے سب داغ کھلے ہیں گل خنداں ہو کر
رنگ لایا ہے یہ غنچہ چمنستاں ہو کر
دل میں آئے ہیں تو اب دل سے نکلتے ہی نہیں
گھر پہ قبضہ کیے بیٹھے ہیں وہ مہماں ہو کر
اب کسی تیر کی حاجت نہیں او تیر فگن

دل کے ارمان کھٹکنے لگے پیکاں ہو کر

دل جو پہلو سے گیا خوب ہوا جانے دو
آؤ اب تم مرے پہلو میں رہو دل ہو کر
چل دیا توڑ کر دل ناوک دلدار جلیل
رہ گئی دل میں تمنا خلش دل ہو کر

ارمان وصل کو ہے مرے دل سے رسم وراہ
سودائے عشق کو ہے مرے سر سے اوتباط
گوزار ہوں مگر ہے حسینوں سے میل جول
گوخار ہوں مگر ہے گل تیرے ارتباط
رگ رگ مری پھڑکتی ہے اس بات پر جلیل
مجھ کو ہے اس نگاہ کے نشتر سے ارتباط
لاکھ میں تم کو بے وفا کہتا
گر نہ ہوتی مری وفا مانع

وہ خوشنما ہے تیرے روے لاجواب کا رنگ
بہار جس پہ تصدق کرے گلاب کا رنگ
بہار حسن سے وہ اٹھا لڑکپن کا
ادا ادا سے ٹپکنے لگا شباب کا رنگ
وہ جو گلگشت کو آتے ہیں صبا کہتی ہے
اس نزاکت کا کوئی پھول گلستان میں نہیں
تم جو ہنس ہنس کے نمک اس پہ چھڑک جاتے ہو
قابل ناز مرا زخم جگر ہے کہ نہیں
ہاتھ رکھو مرے سینے پہ تو ظاہر ہو جائے
سوز دل ہے کہ نہیں سوز جگر ہے کہ نہیں

گلے سے گھونٹ اترتا ہے روح بن بن کر
شراب ہے کہ یہ آن حیات ساغر میں

میں کسی اور سے کیوں شکوۂ بیداد کروں
لطف جب ہے کہ تجھی سے تری فریاد کروں
دل تو کہتا ہے غم عشق کا اظہار نہ ہو
درد دل کا یہ تقاضا ہے کہ فریاد کروں
تازہ کرتا ہے مرے زخم کہن کو صیاد
مجھ سے کہتا ہے بہار آئے تو آزاد کروں
مجھ کو مدت ہوئی رہتے ہوئے گلشن میں جلیل
چل کے اب خانہ صیاد کو آباد کروں
مے پلائی ہے تو آنکھیں بھی ملا آنکھوں سے
کچھ ابھی ہوش میں اے ساقی محفل میں ہوں
میں نہ کہتا تھا کہ اس زلف سے بچتے رہنا
اب گرفتار بلا تو ہے کہ اے دل میں ہوں
میں کیا ثبوت دوں تجھے آزار عشق کا
کچھ دیکھنے کی چیز تو درد جگر نہیں
دیکھ کر آب چمکتی ہوئی تلواروں میں
عید تھی جام شہادت کے طلبگاروں میں
فوج دشمن سے کوئی حرکا نکلنا دیکھے
چن لیا شاہ نے وہ پھول جو تھا خاروں میں
نظر بد سے خدا عون و محمدؑ کو بچائے
دیکھنا کیسے دھنسے جاتے ہیں تلواروں میں
خوش جمالی کے فدا شان جلالی کے نثار
بجلیوں کی ہے چمک چاند سے رخساروں میں

پھول جنت کے جو تھے دامن رضواں میں جلیل
بھٹک گئے سب وہ شہیدوں کے عزا داروں میں

آئے ہیں وہ بکھرائے ہوئے زلف دوتا کو
کہتے ہیں کہ ہم مان گئے آہ رسا کو
مر جائیں اگر، درد محبت میں کمی ہو
بیمار ترے زہر سمجھتے ہیں دوا کو
ہوتے ہیں عطا حسن کی سرکار سے ہر روز
ناوک نگہ ناز کو تلوار ادا کو
دل ہم سے لیا اور خبر ہم کو نہیں ہے
شاباش ہے تیری نگہ ہوش ربا کو
اچھے سے جلیل آپ نے دل اپنا لگایا
جانے جو محبت کو نہ پہچانے وفا کو
بچپن سے یہی کھیل ہے اس عہد شکن کا
جوڑا کبھی توڑا کبھی پیمان وفا کو
کچھ دل کا تقاضا تو نہیں میں نے کیا تھا
الجھائے چلے جاتے ہو کیوں زلف دوتا کو

بام پر چڑھ کے نہ بجلی کا چمکنا دیکھو
آؤ میرے دل مضطر کا تماشا دیکھو
آتش عشق سے کیونکر میں بچاؤں دامن
دل تو کہتا ہے کہ گھر پھونک تماشا دیکھو
ناوک ناز سے کرتے ہو جو روزن دل میں
راہ پاکر نہ کل جائے تمنا دیکھو
نگہ شوق سے بیکار خفا ہوتے ہو
آئینہ لے کے ذرا حسن تو اپنا دیکھو

اشک آنکھوں میں ہیں سوزش ہے کلیجے میں جلیل
دل لگانے کا یہ ہوتا ہے نتیجا دیکھو

در ساقی پہ صدا دیر سے دیتا ہے جلیل
شیشہ و جام کا صدقہ کوئی چلو مجھ کو
اب آنکھ چراتا ہے پلاتے ہوئے ساغر
رندوں کی نظر لگ گئی ساقی کی نظر کو
شکوہ فقط آہوں کو نہیں بے اثری کا
جو اشک ٹپکتا ہے وہ روتا ہے اثر کو

تلوار کھنچے پنجہ قاتل میں رہ گئی
بسمل کی آرزو دل بسمل میں رہ گئی
خنجر ادھر کھنچا ادھر آہیں کھنچیں مگر
تھوڑی سی چل کے بسمل و قاتل میں رہ گئی
ان کو سنا کے شمع کو کہنا تھا بے حجاب
مجھ سے یہ آج غیر کی محفل میں رہ گئی
مجنوں سے جان مانگ رہی ہے کھڑی اجل
کہتا ہے وہ کہ جان تو محمل میں رہ گئی
جتنے تھے جاں نثار وہ سب ہوگئے نثار
رونق ہی رونق آپ کی محفل میں رہ گئی
چلتی ہے تیغ ناز مزے لوٹ لو جلیل
کہنا نہ پھر کبھی کہ ہوس دل میں رہ گئی

شب وعدہ عذر حنا ہو رہا ہے
وہاں آج خون وفا ہو رہا ہے

رواں تیغ ہے سر جدا ہو رہا ہے
محبت کا حق آج ادا ہو رہا ہے
ستم ہے ستم کعبہ دل کا ڈھانا
یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے
مجھے سخت جاں کہتا جاتا ہے قاتل
گلا کٹ رہا ہے گلا ہو رہا ہے
جلیل آج کل کشور دل میں اپنے
غم عشق فرمانروا ہو رہا ہے
اڑھاتی ہے وہ تیغ چادر لہو کی
شہیدوں کو خلعت عطا ہو رہا ہے

اچھا ہے وہ جو مجھ کو پھراتے ہیں دربدر
آگاہ کر رہے ہیں محبت کی راہ سے
اظہار صلح کا نئے انداز سے ہوا
ان کی نگاہ لڑ گئی میری نگاہ سے
سیر چمن کو آپ گئے تھے یہ گل کھلا
پھولوں میں آگ لگ گئی برق نگاہ سے

زلفِ لیلیٰ نہیں تو پھر کیا ہے
دل کو سودا نہیں تو پھر کیا ہے
خیریت دل کی پوچھتے ہو جو تم
یہ تقاضا نہیں تو پھر کیا ہے
تو گلستان دلربائی کا
گل رعنا نہیں تو پھر کیا ہے
لوگ جس کو جلیل کہتے ہیں
تیرا شدا نہیں تو پھر کیا ہے

آثار کہہ رہے ہیں یہ طالع کے اے جلیل
میرے حضور مجھ کو سکندر بنائیں گے
کوثر سے کیا بجھے گی لگی دل کی ساقیا
اک میکدہ بھی ہم لب کوثر بنائیں گے

جھومتا آج مرا مست شباب آتا ہے
کوئی دیکھے تو کہے پی کے شراب آتا ہے
حرف مطلب کا کہیں ذکر نہیں نام نہیں
کس قدر صاف مرے خط کا جواب آتا ہے
خوب وعدہ ہے کہ آئیں گے ترے خواب میں ہم
وہ سمجھتے ہیں کہ عاشق کا خواب آتا ہے
ایسے پر کالۂ آتش سے نبھیگی کیونکر
جو تصور میں بھی سرگرم عتاب آتا ہے
کنگ کوٹھی پہ وہ جو بن نظر آتا ہے جلیل
کسی معشوق پہ جس طرح شباب آتا ہے

چشم ساقی کا اشارہ ہے یہ پیمانے سے
دیکھ ہشیار نہ جائے کوئی میخانے سے
ناصحا خوب علاج دل بیتاب کیا
بڑھ گیا اور بھی سودا تیرے سمجھانے سے
جی میں آتا ہے کہ ساقی سے اجازت لے کر
دل کو شیشے سے ملوں آنکھ کو پیمانے سے
مست کرتا ہے تو خم منہ سے لگا دے ساقی
تو پلائے گا کہا تک پیمانے سے
پارسائی کا بہت کرتے تھے اظہار جلیل
جھومتے آج چلے آتے ہیں میخانے سے

ساقی اگر جام سے محروم رہ گیا
شکوہ کروں گا ساقی کوثر کے سامنے
اب سے نہ منہ لگاؤں گا توبہ کو ساقیا
کرتا ہوں عہد شیشہ و ساغر کے سامنے

نگاہ تاک میں او بے وفا ہے کس کس کی
کہاں گریں گی یہ بجلی قضا ہے کس کس کی
کوئی ہے زخم کا خواہاں کوئی شہادت کا
تمہاری تیغ بھی حاجت روا ہے کس کس کی
جو یہ نہ ہو تو نہ پائیں دل و جگر آرام
جلیل درد محبت دوا ہے کس کس کی

ان کے سب تیر دل میں در آئے
اب یقیں ہے مراد بر آئے
وہ بھی آنے کو ہیں قیامت بھی
دیکھئے کون پیشتر آئے
دل کے داغوں کا ہے وہ رنگ جلیل
باغ جیسے بہار پر آئے

تڑپا کے دل مرا نگہ یار رہ گئی
تھوڑی سی چل کے آج یہ تلوار رہ گئی
کیا حسن تھا کہ آنکھ سے دیکھا ہزار بار
پھر بھی نظر کو حسرت دیدار رہ گئی
کٹ کٹ گئے گلے بت قاتل کی چال پر
ایسا چلا وہ تیز کہ تلوار رہ گئی
حسن و جمال کا فقط افسانہ رہ گیا

یوسف رہے نہ گرمی بازار رہ گئی
بدلا ستم کا لے نہ سکا چرخ سے جلیل
کچھ دور جا کے آہ شرر بار رہ گئی

ساقیا کیوں نہ ہوس ہو مجھے میخانے کی
دل ہے شیشے کا مرا آنکھ ہے پیمانے کی
میں نے پوچھا تھا کہ ہے منزل مقصود کہاں
خضر نے راہ بتائی چلتی مجھے میخانے کی
مست کر دیتی ہے پہلے نگاہِ ساقی
آنکھ کے سامنے چلتی نہیں پیمانے کی
تیغ رک رک کے جو چلتی ہے گلے پر قاتل
کچھ ادا سیکھ رہی ہے ترے شرمانے کی
بے خودی میں بھی یہی منہ سے نکلتا ہے جلیل
شیشے آباد رہیں خیر ہو پیمانے کی
زخموں کے پھول کھل گئے تلوار جب چلی
قاتل کی تیغ ہے کہ نسیم بہار ہے
عروس تیغ مشاطہ بنی ہے جب سے قاتل کی
حنا کا رنگ پھیکا پڑ گیا خون شہیداں سے
وہ کیا جانیں کسی عاشق کو کیونکر قتل کرتے ہیں
ابھی تو شرم آتی ہے انہیں شمشیر عریاں سے
یہی دو کام اپنے رہ گئے ہیں جوش وحشت میں
تھکے جب پاؤں چلنے سے تو ہاتھ الجھے گریباں سے
فلک اس کمنہ مشقی پر بھی یہ اقرار کرتا ہے
کہ میں نے ظلم سیکھا ہے زمیں کوے جاناں سے
جنوں کے ہاتھ نے کیا وصل کی تصویر کھینچی ہے
کہ بڑھ کر چاک دامن مل گیا چاک گریباں سے

دل میں آتا ہے کہ وہ سونے جگر جاتا ہے
دیکھئے آج تیرا تیر کدھر جاتا ہے
اس طرح یاد تمہاری مرے دل میں آئی
جس طرح تیرے کلیجے میں اُتر جاتا ہے
مرنے والوں سے رکاوٹ نہیں اچھی قاتل
بات رہ جاتی ہے اور وقت گذر جاتا ہے
بے وفا کہتے ہو دل کو مرے دلبر ہو کر
یہ تو سوچو کہ یہ الزام کدھر جاتا ہے
داور حشر کے آگے ہے طلب سبکی جلیل
یہ گنہگار بھی بادیدہ تر جاتا ہے

علاج کی نہیں حاجت دل و جگر کے لئے
بس اک نظر تیری کافی ہے عمر بھر کے لئے
وہ پھر بھی حسن پہ اپنے غرور کرتے ہیں
یہ جانتے ہیں کہ ہے شام ہر سحر کے لئے
خدنگ ناز نے دونوں کو سرفراز کیا
مزے ہیں دل کے لئے چین ہے جگر کے لئے
شب وصال گئی داغ دے کے فرقت کا
نیا یہ پھول کھلا دامن سحر کے لئے
جلیل دیدہ خونبار سے خدا سمجھے
لہو کی بوند نہ چھوڑی دل و جگر کے لئے

دونوں سے مجھے عشق نے آزاد کیا ہے
راحت سے نہ میں خوش ہوں نہ رنجیدہ ہوں غم سے
دل لے کے آپ دیکھئے داغ جگر مجھے
یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے

تصویر یار کہتی ہے دیکھیں اگر مجھے
پتلی بنائیں آنکھ کی اہل نظر مجھے
کیونکر کہوں دل کی نہیں آپ کو خبر
کچھ دے رہی ہے آپ کی چتون خبر مجھے
کب تک جلا کرے کوئی سوز فراق سے
اے کاش پھونک دے تری برق نظر مجھے
پڑتی گئی نگاہ بھی خنجر کے ساتھ ساتھ
دیتے گئے وہ مرہم زخم جگر مجھے
محو خیال یار ہوں میں اس قدر جلیل
دیکھا جو آئینہ وہی آیا نظر مجھے

کیا کہوں میں کہ ترے عشق میں کیا ہوتا ہے
درد کا لطف تڑپنے کا مزا ہوتا ہے
شوق دیدار میں روتی ہیں جو انکھیں میری
دل یہ کہتا ہے ابھی دیکھئے کیا ہوتا ہے
نیم جاں چھوڑ گئی تیغ ادا وائے نصیب
اب جو مرتا ہوں تو احسان قضا ہوتا ہے
ابتدا سوز جگر کی ہے اسی جانب سے
شمع جلتی ہے تو پروانہ خدا ہوتا ہے
عشق تنہا نہیں رہتا ہے کسی دل میں جلیل
درد ہوتا ہے جدا داغ جدا ہوتا ہے

محفل یار میں اب شرکت اغیار بھی ہے
وہ مثل ہے کہ جہاں گل ہے وہاں خار بھی ہے

بسمل نگاہ ناز سے دل بھی جگر بھی ہے
نالہ بھی ہے گواہ مرا چشم تر بھی ہے
سینے سے میں لگائے ہوں تجھ کو خیال میں
اوست ناز کچھ تجھے اپنی خبر بھی ہے
دل کی خوشی یہ ہے کہ لڑے آنکھ یار سے
اس پر نظر نہیں کہ وہ جادو نظر بھی ہے
شوخی بھی ہے نگاہ میں شرم و حیا کے ساتھ
آنکھ اس کی پردہ دار بھی ہے پردہ در بھی ہے
کس کس سے اپنی جان بچاؤ گے تم جلیل
تیغ ادا کے ساتھ خدنگ نظر بھی ہے

چھڑنا خنجر قاتل کا مزا دیتا ہے
گدا گدا کر مرے زخموں کو ہنسا دیتا ہے
وہ ہے پردے میں مگر ذکر ہے گھر گھر اس کا
حسن دیتا ہے تو شہرت بھی خدا دیتا ہے
عشق کی چوٹ چھپے گئی نہ چھپائے سے جلیل
اشک گلگوں دل پر خوں کا پتا دیتا ہے

قتل کر شوق سے قاتل غم محشر کیسا
ہم یہ کہہ دیں گے ہمارا نہیں قاتل کوئی
لے چلا دل طرف یار خدا خیر کرے
پھر اسی دشمن ایماں سے پڑا کام مجھے
ابتدا میں ہے یہ جفا تیری
دیکھئے کیا ہو انتہا تیری
منہ پہ تیغ ادا کے چڑھتی ہے

موت آئی ہے اے قضا تیری
خون میرا اگر شریک ہوا
رنگ دیجائیگی حنا تیری
چارہ گر کیا ٹیگا درد مرا
درد سے بڑھ کے ہو دوا تیری
عشق کا آج امتحان ہے جلیل
مشکل آساں کرے خدا تیری

تیغ قاتل نے عجب رنگ جما رکھا ہے
خون کا نام ستمگر نے حنا رکھا ہے
مشغلہ ہے یہ غنیمت شب تنہائی میں
درد نے دل کو تڑپنے پہ لگا رکھا ہے
آپ ہنستے ہیں ہنسیں آپ کو زیبا ہے ہنسی
آپ نے کیوں. مرے زخموں کو ہنسا رکھا ہے
کیا قیامت ہے کہ مشتاق بنا کر مجھ کو
اس نے دیدار قیامت یہ اٹھا رکھا ہے
شاہ کی مدح سے ہے شعر میں تاثیر جلیل
ورنہ ظاہر ہے کہ الفاظ میں کیا رکھا ہے

سخت جانی کی شکایت ہے اجل کو بیجا
جان دیدے تیرے ہوتے ہوئے کیونکر کوئی

ملایئے نہ مجھے خاک میں خدا کے لئے
ملے گا پھر نہ کوئی آپ کو جفا کے لئے
گلے سے کاش اتر جائے خنجر قاتل

یہی دوا ہے مرے درد لاوا کے لئے

ہم نہ کہتے تھے کہ آسان نہیں عشق جلیل
آئینہ دیکھے لے کہ ذرا دیکھئے صورت اپنی

کیا ملا تم کو مرے عشق کا چرچا کر کے
تم بھی رسوا ہوئے آخر مجھے رسوا کر کے
مجھ پہ تلوار کا احسان نہ ہوا خوب ہوا
مارڈالا تیری آنکھوں نے اشارا کر کے
خون ناحق ہوکہ حق ہو یہ نہ ہوگا مجھ سے
تم کو بدنام کروں خون کا دعویٰ کر کے
اڑ گیا رنگ جو مہندی کا تو کیا غم اُن کو
پھر جمالیں گے ابھی خون تمنا کر کے
شکر اس بندہ نوازی کا ادا کیا ہو جلیل
میرے سرکار نے رکھا مجھے اپنا کر کے
ساقیا تو جو اسے ہاتھ لگا دیتا ہے
ساغر ہوش ربا ہوش اڑا دیتا ہے
رخ روشن سے وہ پردہ جو اٹھا دیتا ہے
دیکھنے والوں کو تصویر بنا دیتا ہے
کون کہتا ہے کہ بے فیض ہے قاتل میرا
آب خنجر سے لگی دل کی بجھا دیتا ہے
میکشو مژدہ کہ برسات کا موسم آیا
ابر میں بادۂ گلرنگ مزا دیتا ہے
عشق کا راز ان آنکھوں سے چھپے گا نہ جلیل
اشک غم درد محبت کا پتا دیتا ہے

تم جو کہتے ہو کہ دل کی مجھے پروا کیا ہے
اپنی چتون سے تو پوچھو کہ ارادہ کیا ہے
محو نظارہ وہ ہر وقت رہا کرتے ہیں
آئینے میں نہیں معلوم تماشا کیا ہے
دل مرا چاک کیا اُس نے یہ کہہ کر مجھ سے
دیکھتا ہوں کہ ترے دل میں تمنا کیا ہے
یہی شوخی ہے تو ٹھہرے گی نہ چہرے پہ نقاب
ایک دو روز کا پردہ ہے یہ پردا کیا ہے
آئینہ دیکھ کے تم نے بھی جگر تھام لیا
مجھ کو ہنستے تھے کہو حال تمہارا کیا ہے
مست کرنا ہے تو لے کام ادا سے ساقی
ورنہ خال مئے گل رنگ سے ہوتا کیا ہے
اب نظر میں نہیں جچتا کوئی معشوق جلیل
نہیں معلوم مری آنکھ نے دیکھا ہے
بخودی ہے مجھے منظور مگر اے ساقی
ہوش اتنا رہے باقی کہ کروں یاد تجھے
واعظ کو سوجھتی نہیں خوبی شراب کی
آنکھیں نہ ہوں تو نزد ہو کیا آفتاب کی

واعظ مئے طہور جو پینا ہے جلا میں
عادت ابھی سے ڈال رہا ہوں شراب کی
ساقی ۔ بہار آتے ہی رنگ اور ہو گیا
گلشن کے پھول دینے لگے بو شراب کی
چلتے ہیں کس غرور سے وہ جھومتے ہوئے
کچھ کم نہیں شراب سے مستی شراب کی

اکسیر پر وہ آنکھ نہ ڈالے کبھی جلیل
مل جائے جس کو خاک در بو تراب کی

حُسن کہتا ہے دلربا تو ہے
آنکھ کہتی ہے بے وفا تو ہے
تھک گئے چارہ گر دوا کر کے
یہ نہ سمجھے مری دوا تو ہے
خانۂ دل میں دخل غیر نہیں
یا تیری آرزو ہے یا تو ہے
انکھ لڑنے لگی بتوں سے جلیل
ہم تو سنتے تھے پارسا تو ہے

تیغ ادا ملی ہے جو بیداد گر تجھے
وہ زخم دے کہ یاد کروں عمر بھر تجھے
او مست ناز تیرے تغافل کے میں نثار
میری خبر تو کیا نہیں اپنی خبر تجھے
آنکھیں لڑانہ شوخ نگاہوں سے اے جلیل
ایسا نہ ہو کہ پھونک دے برق نظر تجھے

دونوں ظالم میں فرق اتنا ہے
آسماں پیر ہے جوان تو ہے
اپنے گھر میں خیال میں دل میں
ایک ہو کر کہاں کہاں تو ہے

چھپنے والے تجھے خبر بھی ہے
نگہ شوق پردہ در بھی ہے

دل مرا آنکھ آپ کی بیمار
جو اِدھر رنگ ہے اُدھر بھی ہے
کچھ تو بچپن ہیں وہ شوخی سے
کچھ مری آہ کا اثر بھی ہے
ہے تماشا کہ دلنگاروں میں
نام قاتل کا چارہ گر بھی ہے
اس غزل کا جلیل کیا کہنا
پر اثر بھی ہے مختصر بھی ہے

اب تو اس بات پہ دل ٹوٹ رہا ہے قاتل
اُس رکھتا ہے ترے تیر کا پیکاں ہم سے

زخم دل و جگر کا شکوہ کروں تو کس سے
میں اپنے چارہ گر کا شکوہ کروں تو کس سے
دل تھا جو ایک ہمدم وہ بھی مریض غم ہے
ناسازی جگر کا شکوہ کروں تو کس سے
قاتل بھی کچھ خفا ہے خنجر بھی کچھ کھنچا ہے
میں اپنے درد سر کا شکوہ کروں تو کس سے
اترا رہی ہے کیا کیا توبہ کا خون کرے
ساقی تری نظر کا شکوہ کروں تو کس سے
دل سے نجات ملنا ہے اے جلیل مشکل
ہے روگ عمر بھر کا شکوہ کروں تو کس سے

اس کو سمجھایئے کیونکر غم فرقت کیا ہے
جس کو یہ بھی نہیں معلوم محبت کیا ہے
ناز و انداز سے چلنا کوئی سیکھے تجھ سے

تیغ کیا چیز ہے خنجر کی حقیقت کیا ہے
محو ہوں دیکھ کے ساقی ترے میخانے کو
آج مجھ پر یہ کھلا راز کہ جنت کیا ہے
چارہ سازوں نے کیا اور بھی بیمار مجھے
یہ نہ سمجھے کہ دوا کیا ہے شکایت کیا ہے
ہیں سخی ابن سخی آصف زیجاہ جلیل
آپ کے سامنے حاتم کی حقیقت کیا ہے

نگہ ناز تری کہتی ہے قاتل مجھ سے
تیر کا نام ہے دل ہوتے ہیں بسمل مجھ سے
ہو مزہ تم جو اٹھا دو رخ روشن سے نقاب
شمع نازاں ہے کہ ہے رونق محفل مجھ سے
ذبح ہونے کا نہیں غم مجھے غم اس کا ہے
چھوٹ جائے نہ کہیں دامن قاتل مجھ سے
جذبہ دل کا اثر ہو کے رہا ان پہ جلیل
اب تو ہوتے ہیں اشارے سرِ محفل مجھ سے

یہ میکدے کی کرامت نہیں تو پھر کیا ہے
مئے کہن سے طبیعت ہوئی جواں میری
مجھے وہ غش میں ہوا دے رہے ہیں دامن کی
بھڑک اٹھے نہ کہیں سوزش نہاں میری
جو رعب حسن سے خاموش ہے زباں میری
سنا رہے ہیں لب زخم داستاں میری
مجھے ہجوم تمنا سے خوف رہتا ہے
کہ پس نہ جائے کہیں جان ناتواں میری

جلیل ناز ہے اس بات پر مرے دل کو
نگاہ ناز کسی کی ہے قدر داں میری

ساقیا صحبت دیرینہ جو یاد آتی ہے
چشم تر صورت پیمانہ چھلک جاتی ہے
پوچھتا ہے جو کوئی حال دل بسمل کا

آنکھ سے خون کی اک بوند ٹپ جاتی ہے
تیرے بسمل کا کوئی پوچھنے والا نہ رہا
اب تو تلوار بھی منہ دیکھ کے رہ جاتی ہے
محفل عیش دم صبح جو برہم ہوگی
شمع کو فکر ہے ایسی گھلی جاتی ہے
کس کا سر سامنے قاتل کے نہیں خم ہوتا
جھک کے تلوار بھی آداب بجا لاتی ہے
وہ الجھیں کیوں نہ آہوں سے وہ بگڑیں کیوں نہ شیوں سے
کلیجا تھا مگر اٹھنا پڑا ہے نزم دشمن سے
جوانی کی جو میں تعریف کرتا ہوں تو کہتے ہیں
جوانی آج آئی ہے قیامت ہوں بچپن سے
ہمیں کیا اے جنوں کانٹے جو دامن گیر ہوتے ہیں
نہ ہم رکھیں گے دامن کو نہ وہ الجھیں گے دامن سے

خدا جانے کیا ہے لیکن میں یہ سنتا ہوں
اٹھے گا معشر تمہاری چشم پرفن سے
کسی رشک پری کا روئے زیبا سم تھی دیکھے گے
بلا شبہ ہوش اٹھائیں وہ جلو اہم بھی دیکھیں گے

یہی اے درد دل موقع ہے تڑپانے لٹانے کا
وہ کہتے ہیں کہ چلمن سے تماشا بھی دیکھیں گے
لب جاں بخش سے تو نے بہت کشتے جلائے ہیں
کس دن کے اور شک مسیحا ہم بھی دیکھیں گے
سنا ہے آج مشتاقوں کو وہ جلوہ دکھائیں گے
جلیل اپنی نظر اپنا کلیجہ ہم بھی دیکھیں گے

دل لیا صبر لیا راحت و آرام لیا
اور کیا لے گئی تری چشم فسوں گر ہم سے
ہاتھ قاتل کا دم ذبح رکا جاتا ہے
چھیڑ سوجھی ہے قضا کو تہ خنجر ہم سے
یہ جوانی یہ ادائیں یہ نزاکت یہ جمال
تمہیں انصاف کرو صبر ہو کیونکر ہم سے

گھٹا کو دیکھ کر رندوں کے دل لہرائے جاتے ہیں
گھٹا آتی ہے ساقی یا کوئی میخانہ آتا ہے

بخودی میری عوض لیگی تیری غفلت کا
بھول جاؤں کس تجھے ایسا کہ بہت یاد کر ہے

عجب ادا سے چمن میں بہار آتی ہے
کلی کلی سے مجھے بوے یار آتی ہے
چلا ہے تیرا ادھر سے قضا یہ کہتی ہے
دوائے درد دل بے قرار آتی ہے
ہوائے سرد کے جھونکے نہیں ہیں باد کشو

نسیم رحمت پرورد گار آتی ہے
قدم قدم یہ چمن عیش کا کھلائے ہوئے
وہ آتے ہیں کہ نسیم بہار آتی ہے

مزہ ہے آہ کا اشک رواں کے ساتھ جلیل
کنار آب ہوا خوشگوار آتی ہے

تصدق جان ہے جس پر وہ اے جان جہاں تو ہے
مر گلزار مقصد کی بہار جاوداں تو ہے
ترا رنگ تلون بھی ترا لی شان رکھتا ہے
ابھی تو آفت جاں تھا ابھی آرام جاں تو ہے
ترے جلوے نے بیخود کر کے اچھا تفرقہ ڈالا
خدا جانے کہاں میں ہوں خدا جانے کہاں تو ہے
بھری محفل میں آنسو شمع محفل کے نہیں تم سے
کسی نے کہہ دیا ہے رات بھر کی مہماں تو ہے
جلیل اچھا جمایا رنگ تو نے آکے گلشن میں
ادھر ہے نالہ کش بلبل ادھر گرم فغاں تو ہے

میری بدنامی سے تم کو خوش نہ ہونا چاہئے
قیس رسوا تھا تو کیا مجنوں کی رسوائی تھی
ایک دن دیکھی تھی اس نے وحشت مجنوں کی سیر
پھر تو لیلیٰ خود تماشا تھی۔ تماشائی نہ تھی
درد و غم کے ساتھ کاٹیں ہم نے راتیں ہجر کی
تھی مزے کی اپنی تنہائی کہ تنہائی نہ تھی

ناشر
مولانا حسرت موہانی میموریل لائبریری
وہال ٹرسٹ